زندگی را شرح و آئین است عشق
اصل تہذیب است دیں، دین است عشق

غیر فانی تہذیب

پروفیسر سعید اختر
نظر ثانی
پروفیسر محمد شریف
زمیندارہ کالج گجرات

ذخیرہ کتب خانہ محمد فیاض بخاری لاہور

ملنے کا پتہ
ڈوگر سنز ۱۷ اردو بازار۔ لاہور

135969

جملہ حقوق محفوظ

ناشر طارق محمود ڈوگر
ڈوگر بلڈنگ سنت نگر لاہور
مطبع نیازی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور
کاتب محمد یوسف و محمد داؤد۔ حضرت کیلیانوالہ
طبع پنجم ۱۰۰۰ (ایک ہزار
قیمت 17/50 روپے
مجلّد 20/00 روپے

Marfat.com

فہرست مندرجات

نصاب	۵
انتساب	۷
تقریظ و تبصرہ	۸۔۹
حرف آغاز	۱۱
(ا) فرد	
تقویٰ	۱۴
ذکر	۲۳
تدبر	۳۲
علم و تحمل	۴۵
خدمتِ خلق	۵۰
(ب) خاندان	
عائلی زندگی	
والدین کے فرائض	۵۵
اولاد کے فرائض	۶۷
خاوند کے فرائض	۷۳
زوجہ کے فرائض	۷۸

Marfat.com

(ج) مکتب و مسجد

اسلامی معاشرے میں مکتب	۸۲
اسلامی نظامِ تعلیم کی نوعیت	۸۷
استاد کے فرائض	۹۵
شاگرد کے فرائض	۱۰۰
مساجد کی اہمیت	۱۰۵

(د) اسلامی معاشرہ : حقوق و فرائض

رشتہ دار	۱۱۴
ہمسایہ	۱۱۹
شہری	۱۲۵
	۱۳۲

(ھ) عالمِ اسلام

تبلیغ دین	۱۳۷
جہاد	۱۴۰
فلسفۂ جہاد	۱۵۵

★

نصاب برائے انٹرمیڈیٹ اسلامیات

(اختیاری)

(الف) فرد

مندرجہ ذیل اخلاقِ اسلامی کا مطالعہ

تقوی، ذکر، تحمل، تدبر، خدمتِ خلق

(ب) خاندان

(۱) عائلی زندگی اور اس کی اہمیت۔

(۲) والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض۔

(۳) خاوند اور بیوی کے حقوق و فرائض۔

(ج) مکتب و مسجد

(۱) اسلامی معاشرے میں تعلیم کی نوعیت و اہمیت۔

(۲) اسلامی معاشرے میں مکتب کی اہمیت۔

(۳) استاد اور شاگرد کے حقوق و فرائض۔

(۴) اسلامی معاشرے میں مسجد کی اہمیت۔

(د) اسلامی معاشرہ

حقوق و فرائض:

(۱) رشتہ دار (۲) ہمسایہ (۳) شہری (۴) ریاست۔

Marfat.com

(ھ) عالمِ اسلام

(۱) تبلیغ (۲) جہاد

سیاسی و ثقافتی تاریخِ اسلام (جزوِ اوّل)

۱۔ اسلام کا پس منظر

(۱) عرب کا جغرافیہ (۲) اسلام سے قبل عربوں کی سیاسی، سماجی اور تمدنی زندگی۔

۲۔ سیرت نبوی

آنحضرتؐ کی ابتدائی زندگی، بعثت، تبلیغ دین اور ابتدائی مشکلات، ہجرت غزوات اور فتوحات
تعلیماتِ نبوی آنحضرتؐ کی بحیثیت مصلح اور بانی ملتِ اسلامیہ سیرت و اخلاق۔

۳۔ خلافتِ راشدہ (جزوِ دوم)

(۱) حضرت ابوبکرؓ۔ انتخابِ خلافت حضرت اسامہؓ کی مہم فتنۂ ارتداد اور باغیوں کی سرکوبی۔
ایران اور روم کی سلطنتوں سے آویزش کی ابتدا۔ سیرت و اخلاق۔ کارہائے نمایاں۔

(۲) حضرت عمرؓ۔ انتخابِ خلافت۔ عراق، ایران، شام اور مصر میں اشاعت و فروغ اسلام۔
اسلام بحیثیت قوت سیاسی۔ شہری اور فوجی نظامِ حکومت کا ارتقا۔ غیر مسلموں سے سلوک۔
شہادت سیرت و اخلاق کارہائے نمایاں۔

(۳) حضرت عثمانؓ۔ انتخابِ خلافت۔ اشاعت و فروغ اسلام۔ شہادت۔ سیرت و
و اخلاق۔ کارہائے نمایاں۔

۴ حضرت علیؓ۔ انتخابِ خلافت۔ انتشارِ امت کا آغاز۔ انتظامِ حکومت۔ شہادت۔
سیرت و اخلاق۔ کارہائے نمایاں۔

۵ خلفائے راشدین کے عہد میں اسلام کی ترقی۔ اس کے سیاسی سماجی۔ اقتصادی اور تمدنی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

"کتاب لکھتے وقت مصنف کا مقصود دین کی خدمت ہونا چاہیے
نہ کہ حسنِ تالیف کے سبب اپنے معاصرین سے تحسین کی خواہش"
یہ مقولہ دوسری صدی ہجری کے محدث حضرت ابوداؤد طیالسی کا ہے
میں اپنی یہ تالیف ان کے نام معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں

سعید اختر

Marfat.com

تقریظ

پروفیسر موصوف کی کتاب "غیر فانی تہذیب" کو میں نے ایک نظر دیکھا ہے اور میری محتاط رائے یہ ہے کہ بلاشبہ یہ کتاب سینکڑوں کتابوں کا عطر، جوہر، اور نچوڑ ہے۔ آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی سے یہ کتاب آراستہ و پیراستہ ہے اور حکمائے اسلام و صوفیائے کرام کے اقوال و ملفوظات سے مزین و مرصع ہے۔ کتاب میں معقول و منقول کا بڑا دلکش امتزاج نظر آتا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں پر اسلام کی عظیم و برتر تہذیب کی پوری معنویت اور حقیقی افادیت آشکار ہو جائے گی۔ اور ان کے وہ تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے، جو بالعموم اس عظیم و برتر تہذیب کے بارے میں مغربی مصنفین نے پھیلا رکھے ہیں۔

غیر فانی تہذیب کا دوسرا حصہ (آئینہ نبوت و خلافت) معتبر و مستند تاریخی روایات کا نادر ذخیرہ بھی ہے اور پروفیسر سعید اختر صاحب کی تنقیدی بصیرت کا شہکار بھی ہے۔ تاریخی واقعات کی کڑیاں ملانے میں مورخانہ فراست سے کام لیا گیا ہے۔ فاضل مصنف نے اس حصہ میں جو کچھ لکھا ہے۔ حضور سید المرسلینؐ اور صحابہ کرامؓ کے عشق میں ڈوب کر لکھا ہے۔ اُن کی ہر ہر سطر سے والہانہ عقیدت کا جذبہ عیاں ہے۔ صحابہ کرامؓ کے باہمی تنازعات کے بارے میں انہوں نے جس سلیقے ہوش مندی اور احتیاط سے قلم اٹھایا ہے وہ اُن ہی کا حصہ ہے۔ پوری کتاب علمی بے تعصبی اور وسعت نظری کا نمونہ ہے اور کسی گروہ، طبقے یا فرقے کے جذبات مجروح نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ فاضل مصنف کی عمر، عقل، علم اور عمل میں اضافہ فرمائے اور ان کی اس محققانہ و عارفانہ تالیف کو ان کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔

چونکہ یہ کتاب انٹرمیڈیٹ کے نصاب کے تعلیمی تقاضوں اور مقاصد سے بھی ہم آہنگ ہے اس لیے توقع ہے کہ نہ صرف اپنی خوبیوں کے باعث یہ تالیف تمام قارئین کے دلوں میں گھر کر جائے گی بلکہ ملک کے تعلیمی اداروں میں اپنی جگہ خود پیدا کرے گی

انور علی جعفری
پرنسپل: گورنمنٹ ڈگری کالج۔ مری

Marfat.com

تبصرہ

"زیرِ تبصرہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں اسلامی تہذیب کو تشکیل دینے والی چند بنیادی صفات کا ذکر ہے۔ مثلاً تقویٰ، تدبر، تحمل، عفو و درگذر، صبر، شکر، عدل اور عفو و احسان۔ اسی حصہ میں اسلامی نظامِ تعلیم کے خدوخال کا مختصر خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ فاضل مصنف نے نہایت سادہ اور عام فہم لیکن دلنشین پیرایہ میں اسلامی تہذیب کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور ہر عنوان کے تحت قرآن مجید کی آیات، احادیثِ نبوی، آثارِ صحابہ اور علمائے قدیم و جدید کے افکار کو بڑی عرق ریزی سے جمع کر دیا ہے۔ اس سے فاضل مؤلف کی وسعتِ مطالعہ اور حُسنِ انتخاب کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب کے دوسرے حصہ "آئینہ سیرت" میں سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ پر قلم اٹھایا ہے اور کتاب کے تیسرے حصہ "آئینہ خلافت" میں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے حالاتِ زندگی اور ان کی دینی و ملی خدمات کا تذکرہ ہے۔

فاضل مؤلف نے یہ کتاب انٹرمیڈیٹ اسلامیات کے جدید نصاب کو پیشِ نظر رکھ کر تالیف کی ہے۔ لہٰذا طلباء کے لئے یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی۔ طلباء کے علاوہ عام دینی ذوق رکھنے والے لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔"

(ترجمان القرآن، جلد ۸۵، عدد ۲)۔

Marfat.com

سوانح حیات

(طائرانہ نظر)

- نام :- شیخ سعید اختر • ولدیت :- شیخ محمد صادق
- اعلیٰ تعلیم :- ایم اے اسلامیات (گولڈ میڈلسٹ) پنجاب
  ایم اے، سیاسیات (پنجاب)
- تجربہ صحافت :- روزنامہ "تسنیم" لاہور - روزنامہ "تعمیر"
- تدریسی تجربہ - چوبیس سال
- مقاماتِ تدریس - چکوال، راولپنڈی - گوجر خان
  تلہ گنگ - بوچھال کلاں - فیصل آباد
- اعزازی مناصب :- (۱) نائب صدر انجمن اساتذہ علوم اسلامیہ پاکستان
  (ii) سابق صدر ضلع تنظیم اساتذہ پاکستان فیصل آباد
  (iii) سابق سیکرٹری / صدر پروفیسرز ایسوسی ایشن
  گورنمنٹ کالج - سمن آباد - فیصل آباد
- تعلیمی مناصب - (۱) رکن نصابی کمیٹی سرگودھا بورڈ سرگودھا
  (ii) رکن بورڈ آف اسلامک سٹڈیز پنجاب یونیورسٹی لاہور
- تقاریر و خطبات :- ایک ہزار سے زائد نشری تقاریر
  (ریڈیو پاکستان راولپنڈی)
- تصنیفات :- ۱- غیر فانی تہذیب (۲) انوار القرآن والحدیث
  (۳) مسلمان تاریخ نویس (۴) ہمارا سرمایۂ تاریخ
  ۵- ہمارا نظامِ تعلیم حصہ اول و دوم (۶) سید المرسلین
  (۷) سرمایۂ افکار (۸) شرح اربعین نووی
  (۹) معارفِ اسلام حصہ اول و حصہ دوم

حرفِ آغاز

چھٹی صدی عیسوی کے اواخر میں دو بڑی تہذیبوں کی کرۂ ارضی پر حکمرانی اور کافرمائی تھی۔ ایک تو رومن ایمپائر کی عالمی تہذیب تھی جو لاطینی یونانی اور مغربی تمدنوں کے رنگا رنگ مظاہر کا مجموعہ تھی اور دوسری ایران کی قدیم تہذیب تھی جو مقامی، ہندوستانی اور مشرقی ثقافتوں کے خصائص کی آئینہ دار تھی۔ ان دونوں تہذیبوں میں مذہب ایک ضروری عنصر کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ رومن ایمپائر کی تہذیب پر عیسائیت کے اچھے خاصے اثرات نمایاں تھے اور ایرانی تہذیب پر زرتشتی مذہب کی گہری چھاپ تھی۔

ملکِ عرب کے وسطی علاقوں پر کبھی بھی تہذیب و تمدن کی شعائیں نہ پڑی تھیں۔ البتہ ایران و شام سے ملحقہ عرب کے سرحدی علاقوں میں کچھ نیم ترقی یافتہ تمدنوں اور ثقافتوں کے آثار ضرور دکھائی پڑتے ہیں جنہیں مستشرقین اپنی مبالغہ آرائیوں سے ترقی یافتہ تمدنوں کا نام دیتے ہیں۔ یہ تمدن ترقی یافتہ ہوں یا نیم ترقی یافتہ اپنی شان اور بہار دکھا کر فنا و نیستی کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ "محسن انسانیت" کے مؤلف جناب نعیم صدیقی صاحب کے الفاظ میں "وہاں عاد و ثمود کے آوار میں، اور سبا و مدین اور یمن کی سلطنتوں کے سائے میں اگر کبھی تہذیب و تمدن کی روشنی نمودار ہوئی تھی تو اب اسے گئے ہوئے مدتیں گزر چکی تھیں۔ بقیہ عرب پر دور وحشت کی رات چھائی ہوئی تھی اور تمدن کی صبح ابھی جلوہ گر نہیں ہوئی تھی۔"

ساتویں صدی عیسوی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ خاص سے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں مبعوث فرمایا جنہوں نے تیئس سالہ پیغمبرانہ سعی و جہد سے عربوں کے افکار کا دھارا مشرکانہ توہم پرستی کی طرف موڑ دیا۔ خدا شناس انسانوں کے دلوں میں تقویٰ کا نور پیدا کر دیا، وحشیانہ کلام اور فحش عمل کے رذائل، ذکیانہ اور خوش گفتاری کے فضائل میں تبدیل ہو گئے۔ خود غرضی اور جنگ و جدال اور ظلم و تشدد کی آندھیاں ختم کر دیں۔ تحمل و رواداری، فیض بخشی اور انسان دوستی کی ایسی اعلیٰ اخلاقی قدروں کا دور دورہ ہوا جسے ہم اسلامی تمدن کا سنہرا پہلو (SUBJECTIVE ASPECT) کہہ سکتے ہیں۔

Marfat.com

عہد نبوی میں چھوٹے چھوٹے منتشر قبیلوں میں بٹی ہوئی قوم پہلی مرتبہ ترقی یافتہ معاشرے اور منظم ریاست جیسے عظیم اداروں سے آشنا ہوئی۔ اس دورِ زریں میں ایک ایسا معیاری معاشرہ وجود میں آیا جس نے انسان کی مادی اور روحانی زندگی میں کامل ہم آہنگی پیدا کر دی اور ایک ایسی منظم ریاست قائم ہوئی جس میں شریعت کی حکمرانی بسا میوں کی بیخ کنی اور بھلائیوں کی بالادستی کی صورت پیدا ہوئی۔ معاشرے اور ریاست دونوں کی روحانی ترقی اور اخلاقی تطہیر کے لیے مسجد اور مکتب (دار العلوم) وجود میں آئے، اس پہلو کو اسلامی تہذیب کا معروضی پہلو، (OBJECTIVE ASPECT) قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسلام کی غیر فانی تہذیب عہد نبوی میں سرزمین عرب پر جلوہ ریز اور سایہ فگن رہی۔ بعد ازاں خلفائے راشدین کے پاکیزہ دور میں ایران و روما کی غالب اور کارفرما تہذیبوں کو اسلامی تہذیب نے نیچا دکھایا اور اُن سے اپنی فضیلت و برتری کا لوہا منوا کر دنیا کے نصف سے زائد حصے پر چھا گئی۔

صدیاں گزر جانے کے بعد اپنے آفاقی اصولوں اور ہمہ گیر خوبیوں کے باعث یہ تہذیب آج بھی زندہ و تابندہ ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت قائم و دائم رہے گی۔ چونکہ عہد نبوت اور خلافت راشدہ کا دور اسلامی تہذیب کا مثالی زمانہ ہے اس لیے اسلامی تہذیب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم صرف انہی دو بابرکت تاریخی ادوار پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں گے۔ یہ اسلامی تہذیب کا تاریخی پہلو (HISTORICAL ASPECT) ہے۔

یہاں یہ امر واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دوسری تہذیبوں میں مذاہب محض ایک جزو کی حیثیت رکھتے تھے اور مذہب کو زیادہ سے زیادہ تہذیب کا ایک اہم عامل قرار دیا جا سکتا تھا لیکن اسلام ایک تمدن آفریں اور تہذیب ساز قوت تھا۔ وہ عالمی تہذیب کا جزو محض نہ تھا بلکہ اس کا اولین سبب اور اس کا سب سے بڑا محرک تھا۔ بلاشبہ اگر دینِ اسلام کا آفتاب طلوع نہ ہوتا تو دنیا اُن تمام سعادتوں اور برکتوں سے محروم رہ جاتی جو اُس نے اسلامی تہذیب سے براہِ راست یا بالواسطہ حاصل کی ہیں۔

ہم اپنی کتاب "غیر فانی تہذیب" کے حصہ اوّل میں اسلامی تہذیب کے موضوعی اور معروضی دونوں پہلوؤں کو زیرِ بحث لائے ہیں اور اسلامی تہذیب کے تاریخی پہلو کو اس کتاب کے دوسرے حصے "آئینۂ سیرت و خلافت" میں الگ بیان کریں گے۔ اسلامی تہذیب کے نشو و نما کی تفاصیل

Marfat.com

کشائی سے مقصود یہ ہے کہ ایک طرف غیر مسلموں پر اس تہذیب کی خوبیاں اور صداقتیں آشکار ہوں اور وہ قومی، مذہبی، لسانی اور ملکی تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر اس تہذیب کو اپنائیں اور اس دینِ حق پر کھلے دل سے ایمان لائیں جس نے اس تہذیب کو اپنی معجزانہ طاقت سے وجود بخشا اور دوسری طرف مسلمان عوام و حکمرانوں پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ مسلم اقوام کی کامیابی و کامرانی کا انحصار قدیم مشرقی اور جدید مغربی تہذیبوں کی تقلید میں نہیں بلکہ اسلامی تہذیب کے خدوخال کے اچھی طرح جاننے اور خود اعتمادی کے ساتھ اس کے مطابق اپنی زندگی کی تعمیر و تشکیل کرنے میں ہے۔

خادمِ اسلام

سعید اختر

Marfat.com

(۱) فرد

تقویٰ

تقویٰ کا مفہوم :

عربی زبان (وقیٰ، یقیٰ، وقایۃ) کے معنی ہیں کسی شے کے ضرر سے اپنے آپ کو بچانا۔

قرآنِ مجید میں لفظ تقویٰ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ جس چیز سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اس سے محفوظ رہنا۔

۲۔ کسی آفت یا مصیبت سے ڈرنا۔

۳۔ خدائے پاک کے حضور گڑگڑانا اور خشیت کا اظہار کرنا۔

شریعت کی اصطلاح میں تقویٰ کا لفظ (خصوصاً جب مفعول کے بغیر آئے) ان تینوں مفہوموں کا جامع ہوتا ہے یعنی خدا سے ڈرتے ہوئے اللہ کی حدود توڑنے، اس کی امانتوں میں خیانت کرنے اور اس کے عہد کی بے ادبی اور بے حرمتی کرنے سے باز رہنا، استادِ مکرم مولانا امین احسن اصلاحی کے الفاظ میں، "متقی وہ شخص ہے جس کے دل میں خدا کی تعظیم، اس کے سامنے جواب دہی کا اندیشہ ہو، اور وہ خدا کے قائم کیے ہوئے حدود کو توڑنے اور اس کے عہد و میثاق کی خلاف ورزی کرنے اور اس کی امانتوں میں خیانت کرنے سے ڈرتا ہو"۔

تقویٰ کی اصطلاح کی سب سے عمدہ وضاحت حضرت عمر فاروقؓ اور کعب الاحبار کے مکالمہ میں ملتی ہے۔ امیر المومنینؓ نے کعب الاحبار سے سوال کیا کہ "تقویٰ کسے کہتے ہیں"؟ کعب الاحبار نے پوچھا

Marfat.com

کہ کیا آپکو کسی ایسے راستے پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے جس کے دونوں طرف کانٹے دار جھاڑیاں ہوں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا "بارہا"! کعب الاحبار نے عرض کیا۔ امیر المؤمنین ایسے موقع پر آپ کیا کرتے ہیں؟ حضرت عمر فاروقؓ نے جواب دیا "میں اپنا دامن سمیٹ کر چلتا ہوں" کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بس یہی تقویٰ ہے کہ انسان شاہراہِ زندگی پر چلتے ہوئے پھونک پھونک کر قدم رکھے اور گناہوں اور نافرمانیوں کی جھاڑیوں میں اُلجھنے سے اپنے دامن کو بچائے"۔

تقویٰ کے مدارجِ اربعہ :

امام بیضاوی نے تقویٰ کے چار درجے بیان فرمائے ہیں۔

شرک سے بچنا۔

حرام چیزوں اور ناجائز کاموں سے بچنا۔

مشکوک چیزوں سے پرہیز کرنا۔

ہر کام میں رضائے الٰہی کو پیشِ نظر رکھنا اور اُس سے غافل کرنے والی ہر چیز کو چھوڑ دینا

تقویٰ کا یہی وہ مقام ہے جسے ایک حدیثِ پاک میں آنحضورؐ نے "احسان" سے تعبیر کیا ہے۔

انواعِ تقویٰ :

تقویٰ کی دو قسمیں ہیں۔ عوام کا تقویٰ ، خواص کا تقویٰ

عوام کا تقویٰ تو یہ ہے کہ احکامِ الٰہیہ کی اطاعت کریں اور محرمات و ممنوعات سے بچیں۔

خواص کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ راضی برضا رہیں ؎

احمد بہشت و دوزخ بر عاشقاں حرام است

ہر دم رضائے جاناں رضوان شد است ما را

تقویٰ کی اہمیت :

(آیاتِ قرآنی)

قرآن مجید کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ تقویٰ ہدایت کی بنیاد ہے ۔

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ البقرہ ۲-۱

یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور متقیوں کے لیے ہدایت ہے

مزید برآں مسلمان معاشرے میں تقویٰ ہی فضیلت کا حقیقی معیار ہے ۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۝ الحجرات ۱۳

"تم میں سے خدا کے نزدیک معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو"۔

قرآن مجید میں مردِ مومن کو مرتے دم تک تقویٰ کی روش پر قائم رہنے کی تاکید کی گئی ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ آل عمران ۱۰۲

مومنو! خدا کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اُس سے تقویٰ کرنے کا حق ہے اور تمہیں موت آئے تو اس حال میں آئے کہ تم مسلمان اور فرمانبردار ہو ۔

اہمیتِ تقویٰ :

(احادیثِ نبویؐ)

صحابہ کرام نے رسولِ اکرمؐ سے پوچھا۔ حصولِ جنت کا بہترین وسیلہ کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا خوفِ خدا اور خوش خلقی ۔

مسجدِ قبا میں اپنے پہلے خطبۂ جمعہ میں ارشاد فرمایا " ایک مسلمان دوسرے مسلمان

Marfat.com

جو بہترین نصیحت کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے آخرت کی توجہ دلائے اور تقویٰ کا حکم دے۔

مدینۂ طیبہ میں پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا "تقویٰ عزت بڑھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے۔"

رسول اللہؐ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "میں تجھے تقویٰ کی تلقین کرتا ہوں کیوں کہ یہ ہر نیکی کی ابتدا ہے۔"

یزید بن ابی سلمہؓ نے آنحضورؐ سے جامع کلمہ دریافت کیا تو ارشاد ہوا "اپنے علم کے مطابق خدا سے ڈرتے رہو۔"

حدیثِ قدسی ہے: "جس نے مجھ سے تقویٰ کیا اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا اس کے لیے جنت واجب ہے۔"

یزید بن ابی سلمہؓ نے عرض کیا "مجھے کچھ زادِ راہ عنایت فرمائیے۔" آپؐ نے فرمایا "خدا تجھے تقویٰ کا زادِ راہ عطا فرمائے۔"

سید المرسلینؐ سے پوچھا گیا "سب سے زیادہ باعزت کون ہے؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا "جو سب سے زیادہ نیکوکار ہو۔"

تقویٰ کا ایک ثمرہ آنحضورؐ نے بیان فرمایا کہ "انسان حقوق و فرائض سے آگاہ ہوتا ہے اور اس میں حلال و حرام میں امتیاز کرنے کی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے۔"

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تقویٰ زندگی کے ہر شعبے کو رونق و جمال بخشتا ہے۔"

ایک مرتبہ فرمایا "تقویٰ وہ ہے جس پر تمہارا دل مطمئن ہو جائے اور اثم (گناہ) وہ ہے جو دل میں کھٹکے۔"

Marfat.com

تقویٰ : (صحابہ کرامؓ کی نظر میں)

حضرت ابوبکر صدیقؓ اکثر فرمایا کرتے تھے "دنیا کی تاریکیوں میں تقویٰ چراغ کا کام دیتا ہے"
حضرت عمر فاروقؓ کہا کرتے "مجھے اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں تو اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ بے شک اجر نہ ملے۔ اور عذاب سے بچ جاؤں۔

حضرت عثمانؓ کا قول ہے "متقی کی علامت یہ ہے کہ سب لوگوں کے بارے میں سمجھے کہ وہ نجات پا جائیں گے اور اپنے بارے میں سوچے کہ اس سے باز پرس ہوگی"
حضرت علیؓ کا مقولہ ہے "بندے کو چاہیے کہ اپنے رب کے سوا کسی سے امید نہ رکھے اور اپنے گناہوں کے سوا کسی چیز سے خائف نہ ہو" نیز فرمایا "اللہ سے ڈر! تاکہ تجھے دوسرے کا خوف نہ رہے"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ارشاد ہے "متقی وہ شخص ہے جو شرک، کبیرہ گناہوں اور نفسانی خواہشات سے بچا رہے"
حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو وصیت فرمائی "میں تم دونوں کو خوفِ خدا کی تلقین کرتا ہوں۔ دنیا کا ہرگز پیچھا نہ کرنا، اگرچہ وہ تمہارا تعاقب کرے"
حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے "متقی وہ شخص ہے جو شرک اور کبائر سے بچتا ہو"

تقویٰ : سلف صالحین اور علماء کی نظر میں

"متقی وہ شخص ہے جو اپنے حق میں خدا کے سوا کسی سے نیکی کی امید نہ رکھے"
(ابن عمرؓ)

"ادائے فرض اور ترک محرمات (حرام چیزیں چھوڑنے) کا نام تقویٰ ہے"

Marfat.com

"جو لوگ خدا سے خوف دلاتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ تم آخرت میں بے خوف رہو۔"
(خواجہ حسن بصری)

"زندگی دریا ہے، آخرت اس کا ساحل اور تقویٰ اس کی کشتی۔"
(حضرت معروف کرخی)

"قیامت کے دن وہی بے خوف ہوگا جو خدا سے بہت زیادہ خائف رہا ہو۔"
(حضرت یحییٰؑ)

"کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ عبرت نہ حاصل ہو اور خوفِ خدا نہ کروں۔"
(حضرت شبلی)

"نفس کو ہر اس چیز سے بچانا تقویٰ ہے جو گناہ کا موجب ہو۔"
(راغب اصفہانی)

"ماسوا اللہ کا ترک کر دینا تقویٰ ہے۔" (محمد اسحاق صوفی)

"اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور ماسوا سے پرہیز کرنا تقویٰ ہے۔"
(سہیل صوفی)

"خوفِ خدا یہ ہے کہ قلب میں حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت ہو۔"
(عبدالوہاب متقی)

"تقویٰ سے مراد اللہ کے نواہی سے اجتناب ہے۔" (ایک صوفی بزرگ)

"عمدہ علم وہ ہے جس کے ساتھ خوفِ خدا بھی ہو۔" (عطا اللہ سکندری)

"انسان اگر خوفِ خدا کی وجہ سے شبہات والی چیزوں سے پرہیز کرنے لگے تو اسے تقویٰ کا نام دیتے ہیں۔" (امام غزالی)

"مدعی کا نتیجہ سلامتی، تقویٰ کا ثمرہ عظمت اور خدمت کا نتیجہ سیادت و [illegible]"
(نظام الملک طوسی)

Marfat.com

"تقویٰ قلب کی اس کیفیت کا نام ہے جو خدا ترسی اور احساس ذمہ داری سے پیدا ہوتی ہے"

(ابوالاعلیٰ مودودی)

"خدا تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود کی کامل نگہداشت کا نام تقویٰ ہے"

(امین احسن اصلاحی)

ثمراتِ تقویٰ :

اگر اسلامی معاشرے میں نورِ خدا کی شمع فروزاں ہو تو اس معاشرے کا رنگ ڈھنگ کچھ اس طرح ہوگا: خلفاء اور حکام میں خدا خوفی ہوگی تو وہ اپنے محدود اختیارات سے کبھی تجاوز نہ کریں گے اور اگر رعایا میں یہ جوہر گراں بہا ہوگا تو وہ دل و جان سے حکام کی اطاعت کریں گے۔ قاضی و منصف کے دل میں خشیت الٰہی کا جذبہ موجود ہوگا تو طاقت ور کی قوت یا کمزور کی بے بسی دونوں میں سے کوئی چیز اسے جادۂ اعتدال سے نہ ہٹا سکے گی۔ اگر تاجروں کے دل خوفِ الٰہی سے معمور ہوں گے تو وہ ذخیرہ اندوزی منافع بازی سے تجوریاں بھرنے کی بجائے تجارت میں امانت و دیانت کے اصولوں کو اپنائیں گے۔ معلموں کے دل تقویٰ کے انوار سے روشن ہوں گے تو وہ اپنے شاگردوں کی سیرت و کردار کی تشکیل میں پوری توجہ اور دل سوزی سے کام لیں گے۔ شاگردوں میں یہ وصف پیدا ہو جائے گا تو وہ دنیا میں دینِ حق کی سربلندی اور آخرت میں خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں گے۔ افواج کے جاں بازوں کے قلوب میں تقویٰ راسخ ہوگا تو وہ شکم پری کے لیے نہیں بلکہ اس لیے میدانِ کارزار میں قدم رکھیں گے کہ "تلواروں کے سائے میں جنت ہے"۔ علمی دین و دانش میں ہم آہنگی پیدا کریں گے اور عقل و مذہب میں تطبیق دیں گے۔ سائنس دان انسانیت کی تباہی کے لیے ایجادات کرنے کی بجائے اس کی فلاح و بہبود کے لیے داد تحقیق دیں گے۔ سیاست دان اپنی فراست کو اعلیٰ مقاصد میں [illegible] اور یہ بنیادی اصول اپنے سامنے رکھیں گے کہ اسلام نے سیاست کو عبادت کا درجہ [illegible]

Marfat.com

عطا کیا ہے۔ ادیب باخدا ہوں گے تو پاکیزہ ادب پاروں میں ان کا ذوقِ نفیس منعکس ہوگا۔ صحافی خدا شناس ہوگا تو فحاشی و عریانی کا مبلغ بننے کی بجائے اخلاقی اقدار کی پاسبانی کریگا۔ اس کا قلم عوامی مسائل کی بے خوف ترجمانی کرے گا۔ الغرض تقویٰ کی ایسی خوشبو پھیل جائے گی جس سے تمام اہلِ جہان کے مشامِ جان معطر ہوں گے۔ ایک ایسی بہار آجائے گی جسے کسی خزاں کا خوف نہ ہوگا۔

اَوصافِ متقین:

سورۃ البقرہ کی ایک جامع آیت پاک میں متقین کی جو صفات بیان ہوئی ہیں۔ وہ یہ ہیں:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ	نیکی کا کمال یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق اور
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ	مغرب کی طرف کرو بلکہ نیکی کا کمال یہ ہے کہ اللہ
لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	پر، آخرت پر، فرشتوں پر، آسمانی
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ	کتابوں پر اور اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لائیں اور
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي	اس کی محبت میں اپنا مال رشتے داروں، یتیموں
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ	مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیں اور
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ	غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے مال خرچ کریں
فِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ	نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور اپنے قول و
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ	قرار کو پورا کریں۔ تنگی اور مصیبت کی گھڑی
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ	ہو یا خوف و ہراس کا وقت، ہر حال
الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ	میں ثابت قدم رہیں تو بلاشبہ یہی
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ	لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ برائیوں
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ	سے بچنے والے ہیں۔

Marfat.com

هُمُ الْمُتَّقُوْنَ - (البقرہ - ۱۷۷)

آئیے ہم اس آیت کریمہ کا تجزیہ کرکے متقین کے بنیادی اوصاف کو جاننے کی کوشش کریں۔

سورۃ البقرہ کی اس آیت پاک کے شروع میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ تقویٰ کی اساس اسلامی عقاید ہیں۔ خدا، روزِ آخرت، فرشتوں، الہامی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لانا اربابِ تقویٰ کی اولین صفت ہے۔

اس آیت میں دوسرا مضمون یہ بیان ہوا ہے کہ متقی اُن لوگوں کو سہارا دیتے ہیں جو معاشی زندگی کی دوڑ دھوپ میں پیچھے رہ گئے ہوں۔ متقی اصحاب رضائے الٰہی کی غرض سے اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، سائلوں اور غلاموں یا قیدیوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

متقین کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ نماز کا اجتماعی نظام قائم کرتے ہیں۔

متقین کی ایک خصوصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنے مال میں سے مقررہ حصہ اللہ کی راہ میں ضرورت مند افراد کو دیتے ہیں جسے اصطلاح میں زکوٰۃ کہا جاسکتا ہے۔

متقی اصحاب کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ اپنے قول و قرار کو پورا کرتے ہیں۔

متقین کا نمایاں جوہر یہ بھی ہے کہ میدانِ حیات ہو یا میدان کارزار، وہ ہر جگہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

خدا ترس لوگ ہر قسم کے گناہوں سے اپنے دامن کو پاک صاف بھی رکھتے ہیں۔

135969

ذکر

ذِکر کا مفہوم:

اسلام نے مسلمانوں پر دو قسم کی عبادتیں فرض کی ہیں۔ ایک تو وہ جو ہر صورت، ہر حال میں بغیر کسی قید و شرط کے ادا کی جا سکتی ہیں اس کا نام ذکر ہے۔ دوسری عبادت وہ ہے جو خاص شکل اور صورت کے ساتھ خاص اوقات میں مخصوص دعائیں پڑھ کر ادا کی جاتی ہے۔ اسے نماز کہتے ہیں۔

لغتِ عرب میں ذکر کے کئی معانی مذکور ہیں مثلاً یاد کرنا، ذہن میں کوئی بات اچھی طرح بٹھانا، بھولی بسری باتوں کو یاد رکھنا۔

شریعت کی اصطلاح میں ذکر کے معنی ہیں یادِ خداوندی!

اور خدا کو یاد کرنے کا وہی طریقہ درست اور صحیح ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے پیغمبر محمد مصطفےٰ کے ذریعے بتا دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی

وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ — اور اللہ کا ذکر اس طریقے سے کرو جس طرح تمہیں ہدایت دی گئی ہے۔

(البقرہ) ۱۹۸

مدارجِ ذکر:

ذکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ صرف زبان سے ذکر کیا جائے۔

ذکر کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ذکر صرف دل سے کیا جائے، اور یہ زبان کے ذکر سے بہتر ہے

ذکر کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ ذکر زبان و دل دونوں سے کیا جائے اور افضل ذکر وہی ہے

جس پر دل اور زبان دونوں متفق ہوں۔

ذِکر کی اقسام:

۱۔ تہلیل (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ): شرک کی نفی کر کے معرفت الٰہی کی راہ کے تمام حجابات مٹانا

۲۔ تسبیح (سُبْحَانَ اللّٰہ): اللہ کی ذات کو عیوب سے بالکل پاک ماننا۔

۳۔ تحمید (اَلْحَمْدُ لِلّٰہ): ذات باری تعالیٰ کو جملہ صفات کمال کا جامع مانتے ہوئے اس کا شکر بجالانا۔

۴۔ تکبیر (اَللّٰہُ اَکْبَرُ): اللہ تعالیٰ کی جلالت شان کا اقرار کرنا، اس کی عظمت و قدرت کا اقرار کرنا۔

۵۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ: اس حقیقت کا اعتراف کہ اللہ کی رحمت کے سوا نہ کوئی نیکی کر سکتا ہے اور نہ ہی گناہ سے بچ سکتا ہے۔

۶۔ درود و سلام: محسن انسانیت پر درود و سلام بھیجنا اور ان کے عظیم احسانات کا اقرار کرنا۔

۷۔ کلمات الاستغفار: اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر ندامت کا اظہار کرنا جس سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

۸۔ مسنون دعائیں (ادعیہ ماثورہ): عبادت کی طرح دعا بھی خدائے قدوس کے لیے خاص ہے اور دعا کرنے کا افضل طریقہ وہ ہے جو نبی اکرمؐ نے سکھایا ہے۔

۹۔ اسمائے حسنیٰ کا وِرد: اللہ تعالیٰ کے ان ناموں سے برکت حاصل کرنا جو خود کتاب نے ہمیں سکھائے ہیں۔

Marfat.com

۱۰۔ تلاوتِ کلام پاک : قرآنِ مجید کو اپنے خالق و مالک کا کلام سمجھ کر آدابِ احترام سے پڑھنا اور آدابِ تلاوت کو ملحوظ رکھنا۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

فضائلِ ذکر : (آیاتِ قرآنی)

مومنین کو اللہ رب العزت نے کثرت سے صبح و شام ذکر کرنے کا حکم دیا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (۴۱-احزاب)

اے وہ لوگ! جو ایمان لائے ہو اللہ کا ذکر بیش از بیش کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔

ذکر کا ثواب اطمینانِ قلب بیان فرمایا جو دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد-۳۰)

خبردار رہو! اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

انفرادی ذکر کی اہمیت : (احادیث نبویؐ)

○ بندے کا مرتے دم تک ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنا اللہ کو محبوب ہے۔ (معاذ بن جبلؓ)

○ میں تمہیں ذکر کا حکم دیتا ہوں۔ (عن حارثؓ)

○ تیری زبان ہر وقت ذکرِ الٰہی سے تر رہے۔ (ابنِ ماجہ)

○ تیری موت اس حال میں آئے کہ اللہ کی حمد و ثنا میں تو زمزمہ سنج ہو۔ اللہ کے نزدیک یہی محبوب ترین عمل ہے۔ (ترمذیؒ)

○ [illegible] اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے سو گنا افضل ہے (الحدیث)

○ "اللہ کا ذکر اجر و ثواب میں سات لاکھ گنا تک جا پہنچتا ہے"
(عن سہلؓ)

○ "ہر شے کے لیے صیقل ہے اور دلوں کی صفائی کرنے والی چیز اللہ رب العزت کا ذکر ہے" (عبداللہ بن عمرؓ، بیہقی)

○ "اللہ کا ذکر کرنے والا زندہ ہے اور غافل مردہ کی مانند ہے"
(بخاری / ابوموسیٰؓ)

○ "اللہ کے ذکر سے بڑھ کر عذاب قبر سے نجات دلانے کا کوئی دوسرا وسیلہ نہیں" (طبرانی)

○ "اللہ کا ذکر ایمان کی علامت ہے، نفاق سے نجات، شیطان سے حفاظت اور جہنم کی آگ سے ڈھال"

○ "خدا اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ اسے یاد کرے"
(عن انسؓ)

○ "ذکر ایسے ہے جیسے اندھیرے گھر میں چراغ یا خزاں رسیدہ درختوں میں سدا بہار درخت" (الحدیث)

○ دعائے نبویؐ ہے: "اے اللہ تو مجھے اپنے ذکر و شکر اور اچھی بندگی کی توفیق ارزاں فرما دے" (عن معاذؓ، دعائے نبویؐ)

○ "کوئی صدقہ (عملِ صالح) اللہ کے ذکر سے بہتر نہیں" (طبرانی)

○ "ذاکر، انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے سے افضل ہے"
(طبرانی)

○ "غفلت شعاروں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا میدانِ جنگ سے بھاگنے والوں کے مقابلے میں [illegible]"

Marfat.com

○ "اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو چاند، سورج، ستاروں اور سایوں کا خیال صرف اللہ کے ذکر کی غرض سے کرتے ہیں۔" (مستدرک حاکم)

○ "جنتی قیامت کے دن (داخلۂ جنت سے پہلے) کسی چیز پہ حسرت نہ کریں گے لیکن اُس لمحے پر جو بغیر ذکرِ خداوندی کے گزر گیا۔" (طبرانی)

○ "اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہنے لگیں۔"

(ابن حبان)

○ "ذاکرین قیامت کے دن گناہوں سے ہلکے پھلکے ہو کر آئیں گے۔"

(ترمذی)

○ "قیامت کے روز اللہ کے عذاب سے بچانے والا ذکر کے برابر کوئی دوسرا عمل نہ ہوگا حتیٰ کہ جہاد فی سبیل اللہ بھی اس کے برابر نہ ہو سکے گا۔"

(مؤطا امام مالک)

اِجتماعی ذِکر کے فضائل: (احادیث نبویؐ)

○ "جب میرا بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اُسے دل سے یاد کرتا ہوں۔"

○ "اگر وہ کسی محفل میں ذکر کرتا ہے تو میں اُس سے بہتر مجلس (ملائکہ) میں اس کا تذکرہ کرتا ہوں۔" (بخاری و مسلم)

○ "جس محفل میں ذکرِ الٰہی ہو ملائکہ اُسے گھیر لیتے ہیں رحمت اُن پہ چھا جاتی ہے اور اللہ رب العزت فلکین کا آسمان پر تذکرہ فرماتے ہیں۔"

(مسلم)

"جب چند آدمی کسی محفل میں خدا کو یاد کرتے ہیں تو منادی کرنے والا آسمان پر [illegible] تمہیں بخش دیا گیا اور تمہارے گناہ نیکیوں میں تبدیل کر دیے

Marfat.com

گئے ۔" (طبرانی)

○ "جبرئیل میرے پاس ابھی آئے تھے اور اطلاع کر گئے کہ اللہ جل شانہٗ فاکرین کے سبب ملائکہ میں اظہارِ فخر کر رہے ہیں۔" (مشکوٰۃ)

○ "ذکر کے حلقے جنت کے باغات ہیں جب وہاں سے گزرو خوب چرو، یعنی وہاں بیٹھ کر ذکر کرو۔" (ترمذی)

○ "جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ ہو اُس محفل میں شریک ہونے والے ایسے ہیں جیسے وہ مردہ گدھے پر سے اُٹھے ہوں۔" (عن ابوہریرہؓ)

○ "جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ ہو اور رسولؐ پر درود شریف نہ پڑھا جائے وہ قیامت کے دن باعثِ حسرت ہوگی۔" (ترمذی شریف)

ذِکر کی اہمیت : (صُلحاء اور عُلما کے اقوال)

؎ "یوں ترے نام سے ہوتا ہے اُجالا دِل میں
چاندنی میں چمک اٹھتا ہے بیاباں جیسے"

○ "ذکر میراثِ رسولؐ ہے۔" (ابوہریرہؓ)

○ "ذِکر گزار تمام خیر و برکت لوٹ لے گئے۔" (ابوبکرؓ)

○ "کاش میں ذکرِ الٰہی کے سوا ہر کلام سے عاجز ہوتا۔" (ابوبکرؓ)

○ "افضل ترین ایمان یہ ہے کہ انسان ہر وقت ذکرِ الٰہی میں رطب اللسان رہے۔" (ابودرداءؓ)

حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح ذکر کرنا مستحب ہے اسی طرح ذکر کے
میں بیٹھنا مستحب ہے۔"
ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں "مطلق ذکر کے حلقوں سے مساجد کے ذکر کے حلقے مراد

Marfat.com

○ "ہر عبادت کی حد مقرر ہے لیکن ذکر کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر وقت اللہ کو یاد کیا جا سکتا ہے۔" (عبداللہ بن عمرؓ)

○ "اہلِ جنت کو سب سے زیادہ حسرت اُس لمحے پر ہوگی جو یادِ الٰہی کے بغیر گذر گیا ہو۔" (معاذ بن جبلؓ)

○ "جن گھروں میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے اُنہیں آسمان والے ایسا منور دیکھتے ہیں جیسا کہ زمین والے ستاروں کو۔" (ابو ہریرہؓ)

○ "ہر عمل جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کیا جائے وہ بھی ذکرِ الٰہی میں داخل ہے۔" (سعید بن جبیرؓ)

○ "قساوتِ قلبی کو ذکرِ الٰہی سے دور کرو۔" (امام حسنؓ)

○ "جو خدا کی اطاعت کرتا ہے وہ ذاکر ہے اور جو نافرمان ہے وہ غافل ہے۔" (سعید بن جبیرؓ)

○ "جن گھروں میں خدا کا ذکر ہوتا ہے وہ اہلِ آسمان کے نزدیک ایسے روشن ہوتے ہیں جیسے چراغ۔" (فضیل بن عیاضؒ)

○ "ہماری تمام عبادات کا مقصد اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔" (امام غزالیؒ)

○ "ذکرِ الٰہی کی لذت تمام لذات سے بہتر ہے اور نشاطِ قلب کا سامان ہے۔" (مالک بن دینار)

○ "لوگ بھی عجیب ہیں کہ اس پر تو روتے ہیں جس کا جسم مر گیا اُس پر نہیں روتے جس کا دل مردہ ہو جائے۔" (وہب بن منبہ)

○ "افضل تر ہے کہ ذکر دل و جان دونوں سے ہو۔" (علامہ شیخ علی متقی)

○ "خدا کا تھوڑا ذکر کرنا نفاق کی علامت ہے۔" (امام ابن قیم)

○ "ذکر دل کے لیے ایسا ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی۔" (امام ابن تیمیہ)

Marfat.com

ے "نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے"

اُسوۃ الرسول ﷺ (آنحضرتؐ کا ذکرِ دوام)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "آنحضرتؐ ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔

ربیعہ بن کعبؓ آپؐ کے آستانۂ مبارک پر پہرے دار تھے وہ بیان کرتے ہیں "میں آنحضورؐ کی آواز سُنتے سنتے تھک جاتا اور مجھے نیند آجاتی"

اُمہات المومنینؓ فرماتی ہیں "سورۃ اذا جاء نصرؔ کے نزول کے بعد نبی اکرمؐ کی زبانِ مبارک پر ہر حالت میں تسبیح و تہلیل جاری رہتی تھی"

حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ سید الاتقیاءؐ کی زبانِ مبارک پر اکثر کلماتِ استغفار جاری ہوتے تھے (رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ) ایک نشست میں ہم نے گنتی کی تو نبی اکرمؐ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سو مرتبہ ادا ہوئے۔

دربارِ رسولؐ کے شاعر عبداللہ بن رواحہؓ نے آنحضورؐ کی تعریف میں چند اشعار کہے اُن میں سے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے:

"جس وقت سارے لوگ گہری نیند کے عالم میں مدہوش ہوتے ہیں تو اُس وقت آنحضرتؐ اپنے اہل و عیال سے الگ ہو کر اللہ کی یاد میں مصروف ہو جاتے ہیں"

فوائد و ثمراتِ ذکر:

حافظ ابن قیمؒ نے ذکر کے [illegible] ثمرات [illegible]

لُبِ لباب یہ ہے کہ ذاکر نہ صرف شیطان کی ترغیبات اور وسوسوں سے محفوظ ہو جاتا ہے بلکہ اُسے اللہ تعالیٰ کے قرب کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ ذاکر کے آئینۂ قلب سے گناہوں کا زنگ زائل ہو جاتا ہے۔ وحشت، فکر، غم، خوف، حزن کی جگہ فرحت اور انبساط لے لیتے ہیں۔ ذاکر کی زبان غیبت، بدگوئی اور چغل خوری جیسے فتنوں سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ ذاکر کے چہرے پر دنیا میں رونق اور آخرت میں نور ہوگا۔ لوگوں کے دلوں میں اُس کے لیے عقیدت و احترام کے جذبات خود بخود پیدا ہوں گے اور روحانی علوم و معارف کے دروازے اُس کے لیے کھل جائیں گے۔ ذکرِ الٰہی تمام بدیوں اور گناہوں کو محو کر دیتا ہے اور ذاکر کو اعلیٰ اخلاق کا مجسمہ بنا دیتا ہے۔

ذکرِ الٰہی کے آداب :

ذکرِ الٰہی کے چند آداب درج ذیل ہیں :

- ذکرِ الٰہی مسنون طریقہ پر کیا جائے۔
- بہتر ہے کہ قبلہ رو ہو کر ذکر کیا جائے۔
- ذکر عاجزی اور خشوع سے کیا جائے۔
- سر ادب سے جھکا کر بیٹھا جائے۔
- صاف ستھری جگہ کا انتخاب کر لیا جائے۔
- ذاکر وضو اور مسواک کا اہتمام کرے۔
- ذکر صدقِ قلب سے کیا جائے۔
- ذکر کے ساتھ ساتھ خود ذکر بھی کیا جائے۔
- [illegible] اوراد پڑھے جائیں باقاعدگی سے پڑھے جائیں۔
- [illegible] قبلہ رُخ ہو کر یہ دعا مانگی جائے کہ "اے اللہ تو نے اولیاء اللہ کے قلوب پر اپنے [illegible] تجلیات نازل فرمائے ان کا ایک [illegible] مجھ ناچیز و ناقص کو بھی عنایت فرما۔"

Marfat.com

تدبّر

تدبر :

تدبر کے لغتِ عرب میں تین معنی آئے ہیں

۱۔ کسی چیز کے انجام یا نتیجے کا سوچنا۔

۲۔ بامقصد غور و فکر۔

۳۔ عقل کو کام میں لانے کی اعلیٰ ترین صورت۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تفکر یا تدبر کی درج ذیل اقسام بیان کی ہیں۔

۱۔ صفاتِ الٰہی میں تدبر

۲۔ کلام اللہ میں غور و فکر۔

۳۔ آفاق (مظاہرِ قدرت) میں تدبر۔

۴۔ انفس (انسانی نفسیات) میں غور و فکر۔

۵۔ ایام اللہ (انسانی تاریخ) میں تدبر۔

صفاتِ الٰہیہ میں تدبر :

اللہ رب العزت کی جو صفات ہمیں بتلائی گئی ہیں، اُن کے بارے میں یہ چاہیے کہ اس کی جملہ صفات مخلوقات کی صفات سے جداگانہ ہیں اور ذات حق

Marfat.com

کی شامت سے بلند اور منزہ ہے۔

دوسرا قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ بندہ اپنے اندر خالق کی صفات کا پرتو پیدا کرے جیسا کہ علامہ ابنِ قیم "اَلْکَلِمُ الطَّیِّبُ" میں لکھتے ہیں:

"اللہ سبحانہٗ رحیم ہیں اس لیے رحم کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں، سَتّار ہیں اور لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالنے والوں کو پسند رکھتے ہیں۔ اَلعَفُوّ ہیں اور معاف کرنے والے سے محبت رکھتے ہیں۔ غَفُور ہیں اور بخشنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔ لَطِیف ہیں اور نرم دل انسان کو پسند فرماتے ہیں۔ حَلِیم ہیں اور حلیم الطبع کو دوست رکھتے ہیں۔ بَرّ یعنی احسان کرنے والے ہیں اور احسان کی روش اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ عَادل ہیں اور عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔

اسی اُسلوب ایک حدیث نبویؐ کا مضمون ہے "اللہ تعالیٰ طَیِّب ہے۔ طیب لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ نظیف ہے اور نظافت وصفائی کو پسند کرتا ہے۔ کریم ہے کرم گستری کو پسند کرتا ہے۔ سخی ہے اور سخاوت پسند کرتا ہے۔

اس ضمن میں یہ نقطہ قابلِ لحاظ ہے کہ انسان کو صفاتِ الٰہی میں تفکر کی تعلیم دی گئی ہے لیکن ذاتِ الٰہی میں غور وفکر سے منع کیا گیا ہے کیونکہ انسان کی عقل محدود و نارسا ہے اور ذات حق تعالیٰ بلند و بالا ہے۔ اس سلسلہ میں چند آیات قابلِ توجہ ہیں۔

لَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا۔	تم اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے
لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ۔	آنکھیں اُس کو دیکھنے سے عاجز ہیں۔
فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ۔	اللہ کے لیے دل سے مثالیں نہ تراشا کرو۔

سید العلماء والحکماء کا ارشاد ہے "ذاتِ باری تعالیٰ میں غور وفکر نہ کرو ورنہ ہلاکت

Marfat.com

میں پڑ جاؤ گے نیز فرمایا "خدا کو موضوعِ تفکر نہ بناؤ کیوں کہ وہ تمہاری عقلوں سے بلند و بالا ہے"

ذہن میں جو گھر گیا لاانتہا کیونکر ہوا
جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا (اکبر)

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہم چناں در اول وصفِ تو ماندہ ایم (سعدی)

کلام اللہ میں تدبر :

اگرچہ ذاتِ الٰہی میں غور و فکر سے منع کیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ میں غور و فکر کی بڑی تاکید کی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے :

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ. (ص ۲۹)

یہ مبارک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور عقل مند نصیحت حاصل کریں"

دوسری طرف جو لوگ قرآن مجید میں تدبر نہیں کرتے اُن کی سخت مذمت کی گئی ہے

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد - ۲۴)

کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) کو نہیں سوچتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں"

احادیث نبوی میں بار بار قرآن حکیم میں غور و فکر کی تلقین کی گئی ہے مثلاً :
آنحضرتؐ فرماتے ہیں قرآنِ حکیم کی خبر گیری کیا کرو۔ قسم ہے اُس ذاتِ پاک جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے قرآنِ پاک جلد نکل جانے والا ہے سینوں

Marfat.com

بہ نسبت اونٹ کے اپنی رسیوں سے"

آنحضورؐ کا ارشاد ہے۔" قرآن کی تلاوت دن رات کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ کلام پاک کی اشاعت کرو۔ اسے خوش آوازی سے پڑھو۔ اس کے معانی میں تدبر کرو تاکہ تم فلاح کو پہنچ جاؤ"

تدبرِ قرآن کے سلسلہ میں چند صحابہ کبار کے اقوال قابلِ توجہ ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے " قرآن کا نور کبھی زائل نہ ہوگا اس کے معجزات کبھی ختم نہ ہوں گے۔ اس کے نور سے خود منور ہو جاؤ اور اس کے ذریعے اپنی راتوں کو درخشاں و تاباں کر لو۔

" ام المومنین حضرت عائشہؓ نے کسی کو جلدی جلدی قرآنِ عظیم کی تلاوت کرتے دیکھ کر فرمایا۔ " یہ شخص نہ قرآن پڑھتا ہے نہ خاموش ہے"

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر میں سورۃ زلزال اور سورۃ قارعہ ٹھیر ٹھیر کر پڑھوں اور ان کے غور مطالب میں غور و تامل سے کام لوں تو سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کے جلدی جلدی پڑھنے سے مجھے کہیں زیادہ پسند ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں " قرآن شریف کے عجائب پر ٹھیر جاؤ اور اُن سے دلوں کو حرکت دو"

آفاق میں تدبّر :

قرآن مجید میں زمین و آسمان ، صحیفۂ کائنات کے ہر دو اوراق کے مشاہدے اور مطالعہ کی بار بار دعوت دی گئی ہے تاکہ کائنات کے عجائبات کے مشاہدے سے انسان خالق کی معرفت حاصل کر سکے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا	زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اس نے کیسی عجیب
كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ۔ (عنکبوت)	مخلوقات بنائی ہیں۔

Marfat.com

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (الاعراف۔ ۱۸۵)	کیا انھوں نے زمین و آسمان کی سلطنت پر غور و فکر نہیں کیا۔
اِنَّ فِيْ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۔ (یونس)	یقیناً دن اور رات میں اور زمین و آسمان کی مخلوقات میں متقیوں کے لیے نشانیاں ہیں ۔

سورۃ البقرہ میں بیسویں رکوع میں اس مضمون پر ایک جامع آیت ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"زمین و آسمان کی پیدائش میں، رات دن کے تغیر و تبدل میں جہازوں میں جو لوگوں کی فائدے والی چیزیں (یعنی مال تجارت) لے کر سمندروں میں چلتے ہیں بارش میں جس کو اللہ تعالیٰ آسمان سے برساتا ہے اور اس سے زمین کو اس کی مرت (بنجر رہنے) کے بعد اُسے دوبارہ زندہ کرتا ہے اور اس بات میں کہ ہر قسم کے جانور زمین کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہواؤں کے مختلف سمت پھرنے میں اور بادلوں میں جو زمین و آسمان کے درمیان بندھے ہوئے ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھنے والے ہیں بڑی ہی نشانیاں ہیں"

ایک محقق قرآن (محمد احمد العزادی المصری) کا قول ہے "قرآن مجید کی کل آیات (چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ۶۶۶۶) میں سے سات سو چھپن ۷۵۶ آیات ایسی ہیں جو مظاہر فطرت کی بوقلمونی اور اُن میں غور و فکر کرنے کے مضمون سے بحث کرتی ہیں۔

حضرت امام غزالیؒ نے اپنی تالیف الحکمۃ فی مخلوقات اللہ میں سولہ ابواب قائم کیے ہیں جن میں سورج، چاند، زمین، سمندر، پانی، ہوا، آگ، انسان، پرند، چرند، چوپائے شہد کی مکھیاں، مچھلیاں، نباتات اور ایسی مخلوقات پر الگ الگ مباحث قلم بند کیے ہیں اور اس کتاب کی تمہید میں یہ معنی خیز جملہ لکھا ہے "خدا کی معرفت، اس کی مخلوقات

Marfat.com

مصنوعات میں تدبر کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ہے

جس سے معلوم ہوا کہ مطالعہ کائنات سے مقصود عرفان ہستی باری تعالیٰ ہے۔

کائنات میں غور و فکر کا مقصد :

سورۂ فاطر کی جس آیت پاک کا ترجمہ ہم نے نقل کیا ہے اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر-۲۸) بے شک جو لوگ ان علوم کے جاننے والے ہیں وہ خوفِ الٰہی سے لرز جاتے ہیں۔

معلوم یہ ہوا کہ مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے دیکھ کر معقول انسان کو عارف باللہ ہو جانا چاہیے۔

ایک حدیثِ پاک میں یہی مضمون بیان ہوا ہے :

حضرت ابوہریرہؓ نبی اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی چھت پر لیٹا ہوا، آسمان کے ستاروں کو دیکھ رہا تھا وہ کہنے لگا خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ تمہارا پیدا کرنے والا بھی کوئی ضرور ہے۔ پھر دعا کی۔ اے اللہ تعالیٰ تو میری مغفرت فرما دے۔ حق تعالیٰ کی نظرِ رحمت اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کی مغفرت ہو گئی "

اس روایت سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مخلوقات میں غور و فکر کا اصل مقصد خالق تک پہنچنا اور اس کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

؎ خود نقش کا وجود ہے نقاش کی دلیل
ہو چشمِ دل تو کم نہیں برہانِ کائنات (اقبال سہیل)

انفس میں تدبر :

جہاں قرآنِ عظیم میں جابجا مشاہدۂ کائنات کی دعوت دی گئی ہے وہاں قرآنِ عزیز

ہمیں اپنی ذات میں غور و فکر کرنے کی طرف بھی بار بار توجہ دلاتا ہے ۔ ارشادِ خداوندی ہے ؛

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ اور تم اپنے نفوس میں کیوں غور نہیں کرتے؟

اس آیت کریمہ کا اسلوب واضح کر رہا ہے کہ عالمِ انفس (حیاتِ انسانی) کی نشانیاں عالمِ آفاق سے کہیں زیادہ واضح تر اور قریب تر ہیں ۔ نہ معلوم انسان ان کی طرف توجہ کیوں نہیں دیتا ۔

ایک صوفی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے ۔

" اس شخص پر تعجب ہے جو جنگلوں اور خطرناک بیابانوں کو طے کرتا ہوا مکہ معظمہ پہنچتا ہے جس میں انبیاء کے آثار ہیں لیکن وہ اپنے نفس کے جنگلوں اور گناہوں کے دریا کو عبور کر کے اپنے دل تک رسائی حاصل نہیں کرتا جس میں اس کے پروردگار کے آثار ہیں " (کشف المحجوب)

اس پہلو سے بھی غور فرمائیے کہ کائنات کی تمام اشیاء کے گوناگوں خصائص کو انسان اپنی ہستی میں جمع کیے ہوئے ہے ۔ اسی لیے اربابِ نظر کائنات کو عالمِ کبیر کہتے ہیں اور انسان کو عالمِ صغیر ! اُن کا خیال ہے کہ جو کچھ تمام کائنات (عالمِ کبیر) میں پایا جاتا ہے وہ سب کچھ عالمِ صغیر میں جمع ہے اور بلاشبہ انسان کا وجود خدا تعالےٰ کی قدرتِ کاملہ کا حیرت انگیز نمونہ ہے ۔

حضرت علی کا مقولہ ہے " جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا " اس عارفانہ مقولے کی شرح امام فخر الدین رازی یوں فرماتے ہیں :

" جو شخص اپنے کو عبد (بندہ) جانتا ہے وہ اپنے خدا کو معبود تسلیم کرتا ہے ۔ جو شخص اپنے نفس میں نقص یا خلل دیکھتا ہے وہ اپنے خدا میں کمال و جمال و جلال پاتا ہے ، جو شخص اپنے میں قصور ہی قصور دیکھتا ہے وہ اپنے خدا میں ارادے و تقدیر کا مشاہدہ کرتا ہے ۔ جو شخص اپنے آپ کو

Marfat.com

ذلیل جانتا ہے وہ اپنے خدا کو بزرگ و برتر مانتا ہے جو شخص اپنے آپ میں تغیر و فنا کا مشاہدہ کرتا ہے وہ اپنے خدا کو ہمیشہ رہنے والا سمجھتا ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نفس کی معرفت خالق کی معرفت کی دلیل ہے"

ایک توجہ طلب پہلو یہ بھی ہے کہ انسان روح اور جسم دو چیزوں کا مجموعہ ہے حالاں کہ دونوں کے خواص جدا جدا ہیں اور ان دونوں کا ملاپ بظاہر محال معلوم ہوتا ہے پس ان دونوں کا ترکیب پا جانا ، ہستی باری تعالیٰ کی روشن دلیل ہے۔ امام رازی کے الفاظ میں "روح و جسم کا ترکیب دینا ایک عجیب کام ہے روح نورانی ہے اور جسم ظلمانی یعنی سایہ و تاریکی ہے اور روح علوی ہے اور جسم سفلی ہے روح لطیف ہے اور جسم کثیف، روح کو خوشی خدا کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور سرور حاصل ہوتا ہے۔ خدا کی محبت سے ! اور اس کا انس خدا کے ذکر کے ساتھ ہے اور اس کا رجوع حضرتِ حق کی طرف ہوتا ہے اور جسم کو محسوسات سے لذت ملتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ روح کے تمام احوال جسم کے حالات کے برعکس ہیں اس لیے جسم اور روح کے درمیان ترکیب دینی محال ہے اور جب اس ترکیب کا وجود ہے تو یہ خدا کی کمالِ قدرت اور کمالِ حکمت پر محکم دلیل ہے"

تذکیر بایام اللہ : مطالعۂ تاریخ انسانی

ایام اللہ ان واقعات کو کہتے ہیں جن کے پڑھنے سے قوموں کی ترقی اور تنزل کا حال معلوم ہوتا ہے۔ تفکر کی اس قسم کا ذکر اس آیت میں ہے جس میں موسیٰؑ کو مخاطب کیا گیا ہے "انھیں تاریخ سے عبرت دلائیے" (وذکرھم بایام اللہ) قصص انبیاء اسی کے واقعات ہیں۔

Marfat.com

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "الفوز الکبیر" میں قرآنِ مجید کے واقعات کی جامع فہرست پیش کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ان تاریخی واقعات سے مقصود یہ ہے کہ:

"ان کے سننے والوں کے ذہن شرک اور معاصی کی برائی کی جانب منتقل ہوں اور وہ کفار پر عذاب خداوندی کا اور مخلصین کے خدا تعالیٰ کی عنایت سے مطمئن ہونے کا ادراک کر سکیں۔"

قرآن مجید نے جتنے قصص بیان کیے ہیں اُن کے غائر مطالعہ سے قوموں کے عروج و زوال کی کلید بھی ہمارے ہاتھ آجاتی ہے اور وہ یہ کہ جو قومیں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو جھٹلاتی ہیں یا ماننے کے بعد اُن کی لائی ہوئی تعلیم سے غافل ہو جاتی ہیں وہ دنیا میں ذلیل اور عقبیٰ میں خوار ہوں گی اور جو قومیں انبیاء کی تعلیم کو قبول کر لیتی ہیں اور اس پر خلوص اور سختی سے کاربند ہو جاتی ہیں وہ دنیا میں آبرومند اور سربلند ہوتی ہیں اور آخرت میں کامیاب و سرخرو ہوں گی:

اس سلسلہ میں علامہ اقبال کا یہ ارشاد قابلِ توجہ ہے۔

"تاریخ یا قرآن کی زبان میں ایام اللہ علم کا تیسرا ماخذ ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اقوام کا بحیثیت مجموعی محاسبہ کیا جاتا ہے اور ان کی بداعمالی کی اسی دنیا میں سزا ملتی ہے۔ اس اصول کو ثابت کرنے کے لیے قرآن حکیم تاریخی مثالیں پیش کرتا ہے اور قارئین کو یاد دلاتا ہے کہ وہ نوعِ انسانی کے ماضی و حال کے تجربے پر غور کریں۔"

ایام اللہ بالفاظِ دیگر قصص و اخبار قرآنِ حکیم میں جس پیرائے میں بیان ہوئے ہیں۔ ان میں موعظت و تذکیر کے کئی ایمان افروز اور عبرت آموز سبق ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ آدم سے لے کر تا ایں دم حق و باطل، خیر و شر، نیکی و بدی میں پیہم کشمکش، تصادم اور آویزش کا عمل جاری و ساری ہے۔ حق کا خاصہ یہ ہے کہ اس کی غربت اور بے چارگی

زیادہ ہوگی۔ فتح و کامرانی اتنی ہی قریب تر ہوتی چلی جائے گی۔ باطل کا خاصہ یہ ہے کہ اس کی قوت و قہرمانی جتنی بڑھتی جائے گی اس کی ہلاکت اتنی ہی زیادہ یقینی اور فوری ہو جائے گی۔ اگر اہلِ حق استقامت و عزیمت کا مظاہرہ کریں گے، نصرتِ الٰہی پر توکل و بھروسہ رکھیں گے تو حق اپنی مظلومی و درماندگی کے باوصف فتح پائے گا اور باطل کی طاقت و سطوت اس کے کچھ کام نہ آئے گی۔

آج پاکستانی مسلمانوں خصوصاً ہمارے نوجوانوں کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ حق کے علم بردار ہیں یا باطل کے؟

اگر وہ حق کے علم بردار ہیں تو انہیں تن من دھن کی بازی لگا کر رضائے الٰہی کے حصول کے لیے فساق و فجار کو ہٹا کر صالحین و ابرار کی قیادت قائم کرنا ہوگی اور پھر مشرکین، ملحدین اور کفار کی عالمی قیادت کو پاش پاش کر کے اسلام کو عظیم عالمی قوت بنانا ہوگا۔ انہیں داخلی و خارجی جہاد کے لیے سرگرم کار ہو جانا چاہیے اور اپنا پورا وزن حق کے پلڑے میں ڈال دینا چاہیے۔

فضائل تفکر و تدبر : (اَحَادِیْثِ نَبَوِیْ)

تفکر کے بارے میں مفکرِ اعظم اور مدبرِ عالم محمد مصطفےٰ کے چند ارشادات ہیں:

- ایک گھڑی کا تفکر رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔
- تفکر کی مانند کوئی عبادت نہیں (لَا عِبَادَۃَ کَالتَّفَکُّرِ)
- ایک گھڑی کی سوچ بچار ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔
- ایک لقمہ ہزار عابدوں سے بڑھ کر شیطان پر بھاری ہوتا ہے۔
- دو باتیں ایسی ہیں جن کو اللہ پسند کرتا ہے: ایک تحمل دوسرے تدبر۔

- "تدبیر سے بڑھ کر کوئی عقل مندی نہیں۔"
- ہر کام کو تدبر کے تحت رکھ، اگر تو سمجھے کہ اس کام میں بھلائی ہوگی تو اسے انجام دے اگر گمراہی کا خدشہ ہو تو اسے ترک کر دے۔"
- "کلامِ الٰہی میں غور کرنا اور عجائباتِ عالم سے عبرت حاصل کرنا آنکھوں کی عبادت ہے۔"

مفکرینِ اسلام کے اقوال :

فضل ترین عبادت غور و فکر ہے۔ — ام درداءؓ

- اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔ — عمر فاروقؓ
- غور و فکر ایمان کی روشنی ہے۔ — عامر بن عبد قیسؒ
- ایک لمحہ غور و فکر کرنا ایک رات قیام کرنے سے بہتر ہے۔ — خواجہ حسن بصریؒ
- جب کسی انسان میں غور و فکر کی بات ہو تو ہر چیز اس کے لیے سامانِ عبرت بن جاتی ہے۔ — سفیان بن عیینہؒ
- تدبر ایک ایسا آئینہ ہے جس میں تم اپنے اعمال دیکھ سکتے ہو۔ — فضل بن عیاضؒ
- تدبر میں ذکرِ الٰہی بھی ہے، معرفتِ الٰہی بھی ہے اور محبت الٰہی بھی۔ — امام غزالیؒ
- تفکر مومن کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں وہ اپنی خوبیاں اور خامیاں دیکھ سکتا ہے — حسن بن ابو الحسنؒ
- دنیا کے لیے تفکر عجاب آخرت ہے۔ آخرت کے بارے میں سوچ بچار خیر و خوبی ہے۔" — واثلہ بن اسقعؓ

Marfat.com

فکر کنجی ہے انوار کی اور نقطۂ آغاز ہے بصیرت کا۔ ڈاکٹر میر ولی الدین

تدبر اور اسوۂ رسولؐ :

عبدالرحمٰن بک غرام نے بجا طور پر "تاجدارِ دو عالم" میں لکھا ہے "آنحضرتؐ اپنی شعور سنبھالنے سے لے کر اپنی وفات تک دور اندیش، عقل خداداد کے مالک اور پختہ کار سیاستدان تھے"۔

حجر اسود نصب کرنے کے سلسلہ میں جب قریش مکہ کے مختلف قبائل کے درمیان تلوار چلنے والی تھی تب آنحضورؐ نے ایسا عاقلانہ فیصلہ کیا کہ تمام قبائل خوش ہو گئے اور حجرِ اسود اٹھانے کی سعادت سب ہی رؤسائے قریش نے حاصل کر لی۔

غارِ حرا میں خلوت گزیں ہو کر آنحضورؐ جس عبادت میں مصروف رہتے تھے اس کے بارے میں آنحضورؐ نے خود بتایا کہ وہ غور و فکر تھا اور عبرت پذیری تھی۔

نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد نبی اکرمؐ نے تین برس تک رازدارانہ انداز میں تبلیغ فرمائی یہ آپ کی حکمت و دانائی کی دلیل ہے۔

مکہ میں کفار نے مسلمانوں پر زبردست مظالم ڈھائے۔ صحابہ کرام جوابی کاروائی کرنا چاہتے تھے لیکن آپ کا مٹھی بھر مسلمانوں کو تصادم سے بچائے رکھنا، اور انہیں عفو و درگزر کی تلقین فرمانا آپ کی ذہانت و فطانت کا ثبوت ہے۔

کفارِ مکہ کے ہاتھوں ستم رسیدہ صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف جانے کی اجازت دینے کا فیصلہ آنحضورؐ کی فراست پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حبشہ کا فرمانروا عادل اور حق پسند تھا اس لیے جب قریش مکہ نے ایک وفد بھیج کر اسے بہکانا چاہا تو وہ ناکام رہے

نبوت سے تیرہ برس بعد مکہ کی سنگلاخ سرزمین کو چھوڑ کر مدینہ کی زرخیز سرزمین کو تبلیغ کے لیے انتخاب کرنا حضورؐ کی ہوشمندی اور عقلمندی کا نشان ہے۔

Marfat.com

صحابہ کرام مدینہ میں آکر فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے اپنی خداداد عقل اور حسن سیاست کے ذریعہ اس پیچیدہ گتھی کو سلجھا دیا اور مہاجرین و انصار میں ایسا بھائی چارہ قائم کر دیا جس کی مثال تاریخ عالم میں ڈھونڈے نہ ملے گی۔

قریشِ مکہ کے بہکاوے میں آکر عبداللہ بن ابی نے اوس و خزرج کو لڑوانے کی تدبیر کی لیکن آنحضورؐ نے تدبر و فراست سے کام لیتے ہوئے ان کو یہ کہہ کر روک دیا کہ تم اپنے جگر گوشوں کو اپنے ہی ہاتھوں کیوں ختم کرنا چاہتے ہو۔

میثاق مدینہ جیسے دستوری صحیفے کو ترتیب دینا اور مدینہ کے مختلف المزاج عناصر کو دائمی طور پر متحد کر کے بیرونی قوتوں (قریش و یہود) کے مقابلے میں متحد کر دینا آنحضورؐ کو مدبرین عالم کی صفِ اوّل میں لا کھڑا کرتا ہے۔

صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر حضور اقدسؐ کا قریشِ مکہ کے ساتھ سمجھوتہ کر لینا اور پھر یہود سے نمٹ لینا آنحضورؐ کے تدبر کا شاہکار ہے اور بیک وقت دو طاقتوں (قریش و یہود) سے تصادم نہیں مول لیا کہ کیونکہ انہوں نے باری باری دشمنوں سے پنجہ آزمائی کی۔

فتح مکہ کے موقع پر اپنے دیرینہ دشمنوں کی معافی کا اعلان کر کے ان کو دائرۂ اسلام میں لے آنا آپ کے عفو و کرم کا بھی آئینہ دار ہے اور آپ کے حسنِ تدبر کی روشن علامت ہے۔

بدر، اُحد، حُنَین و اَحزاب کے معرکوں میں قلیل فوج اور اسلحہ کی کمی کے باوصف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فاتح و غالب رہنا آنحضورؐ کی حربی بصیرت اور عسکری صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بلاشبہ حضورِ انور ایسے مدبر اور منتظم ہیں جن کی حکمت، دانائی، اور فراست کا انسانی تاریخ میں کوئی جواب نہیں ملتا۔

امام ابن جوزی نے آنحضورؐ کی فطری ذہانت و فطانت کے کئی شواہد کتاب الاذکیاء (کے ساتویں باب) میں درج کیے ہیں لیکن بخوفِ طوالت ہم انہیں قلم انداز کرتے ہیں

Marfat.com

حلم و تحمل

معنیٰ و مفہوم :

تحمل کا لفظ حَمَلَ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں اٹھانا ، برداشت کرنا ؛

حلم اور تحمل دونوں ہم معنیٰ لفظ ہیں البتہ صبر و تحمل میں مدارج کا فرق ہے۔ صبر کے مقابلہ میں تحمل ایک محدود موضوع ہے۔ تحمل پہلا قدم ہے اور صبر اس کا آخری زینہ۔ تحمل اور حلم دونوں اصطلاحات کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لیے سختیوں اور ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرے جو اسے راہِ حق پر چلنے کی وجہ سے پیش آئیں۔ تحمل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان کوشش اور تکلف سے نفس کو ناخوشگوار باتوں کے برداشت کرنے کا عادی بنا لے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تحمل انسان کی فطرت میں اتنا راسخ ہو جائے کہ انسان کی فطرتِ ثانیہ بن جائے۔

حلم اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حسنہ میں سے ہے۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ	اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور حلم والا ہے
وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيمٌ	اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور صاحبِ حلم ہے۔

اور اللہ جل شانہٗ اسی صفتِ محمود کا پرتو اپنے بندوں پر دیکھنا چاہتا ہے۔

فرمانِ نبوی ہے :

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ	مومن غصہ کو ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں

Marfat.com

عَنِ النَّاسِ۔ آل عمران ۱۳۴ درگزر کرنے والے ہیں۔

حِلم و تحمّل : (اَحَادِیثِ نَبَوِی)

○ "ایک دوسرے سے تواضع سے پیش آؤ نہ کوئی دوسروں پر فخر کرے اور نہ ہی زیادتی" صحیح مسلم

○ "وہ شخص جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہو اور ان کی برائیوں کا تحمل کرتا ہو اُن لوگوں سے بہتر ہے جو میل جول نہ رکھتے ہوں" صحیح مسلم

○ قبیلہ عبد القیس کے سردار کو مخاطب کر کے فرمایا: "تجھ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنہیں خدا اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں۔ ایک علم دوسرے بردباری" صحیح مسلم

○ "سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کے لیے ہے پھر درجہ بدرجہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق امتحان و آزمائش میں ڈالا جاتا ہے" صحیح بخاری

آں حضورؐ نے ایک شخص کو بار بار تاکید فرمائی "غصہ نہ کر" اگر تجھے غصہ آجائے تو اسے برداشت کر" صحیح بخاری

○ صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا "جو تم سے نادانی کا رویہ اختیار کرے تم اُس سے تحمل اور بردباری سے پیش آؤ" الحدیث

○ "دنیا میں سختیاں برداشت کرنے والے کو آخرت میں آسانیاں ہوتی ہیں" صحیح بخاری

○ "جو زم کلامی سے محروم رہا وہ ہر قسم کی بھلائی سے محروم رہا" جریر بن عبداللہ

○ فرمایا جناب رسول اکرمؐ نے "جو شخص قدرت کے باوصف غصے کو برداشت

Marfat.com

کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُسے انعام عطا فرمائے گا۔" الحدیث

○ "اللہ تعالیٰ مہربان ہے اور تمام اُمور میں رفق اور مہربانی پسند کرتا ہے۔"

حسین

○ "نرمی سامانِ زینت ہے اور اس کا فقدان شخصیت کو عیب دار بناتا ہے۔"

مسلم

○ سید الانبیاءؐ نے فرمایا "جو شخص چاہتا ہے کہ قیامت کے روز اُس کے درجے بلند ہوں تو جو اُس سے ظلم کرے اُسے معاف کرے جو اُس سے بخل کرے اُسے دے، جو اُس سے تعلق توڑے اُس سے تعلق جوڑے جو اُس سے عناد رکھے اُس سے حلم و بردباری کا سلوک کرے۔" الحدیث

○ "آپس میں سہولت کا معاملہ اختیار کرو، تنگی اور سختی نہ کرو۔" بخاری و مسلم

بہادری کشتی میں دوسرے کو پچھاڑنے کا نام نہیں بلکہ غصے کی حالت میں نفس پر قابو پانا ہے۔" حسین

حلم و تحمل : (اولیائے کاملین کے اقوال)

○ "ہم نے بزرگی کو تقویٰ میں پایا، توانگری کو یقین میں، عزت کو تواضع میں۔"

حضرت صدیق اکبرؓ

○ دودھ یا شہد کے گھونٹ سے غصے کا گھونٹ پینا بہتر ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ

○ ہر چیز کے لیے زکوٰۃ ہے اور عقل کی زکوٰۃ نادانوں کی باتوں پر تحمل ہے۔"

حضرت علی مرتضیٰؓ

○ جب کوئی اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دیتا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ

Marfat.com

○ "صوفیاء نہ جھگڑا کرتے ہیں نہ بے جا غصہ کرتے ہیں بلکہ نرمی اور بردباری پسند کرتے ہیں، ان کا اخلاق تحمل و مداراۃ ہے۔" شاہ شجاع کرمانی

○ "تواضع ہونے کی ایک اہم شرط یہ ہے کہ گھر سے باہر انسان جس کسی سے ملے اُسے اپنے سے افضل و برتر سمجھے۔" خواجہ حسن بصریؒ

○ "امیروں کے ساتھ وعظ سے بل اور فقیروں کے ساتھ عاجزی و فروتنی سے۔" حضرت جنید بغدادیؒ

○ "تواضع یہ ہے کہ تو درویشوں سے تواضع کرے اور امیروں سے تکبر سے پیش آئے۔" بایزید بسطامیؒ

○ "دنیا کے کاموں کے مقابلہ میں دین کے کام کو ترجیح دینا صبر و تحمل کہلاتا ہے۔" امام غزالیؒ

○ "سخاوت مثل حیا، شفقت مثل آفتاب، تواضع مثل زمین۔" خواجہ خیر النساجؒ

○ "شریف جب پڑھتا ہے تو تواضع و فروتنی اختیار کرتا ہے اور کمینہ جب پڑھتا ہے تو سر اٹھاتا ہے۔" حبیب عجمیؒ

حلم و تحمل : (اسوۂ رسول کے مطالعہ میں)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی حلم اور تحمل کا سرچشمہ تھی۔ تمام سیرت نگار متفق ہیں کہ جب کفار آپ کو گالیاں دیتے تو آپ ان کے ہدایت کے لئے دعا کرتے جب وہ آپ پر کیچڑ پھینکتے آپ ان کے تزکیہ نفس کی فکر فرماتے۔ جب وہ آپ کی راہ میں کانٹے بچھاتے تو آپ انہیں نعمتوں کے پھل دیتے۔ مخزنِ حسن و رعایت و انسانی کا جلیل القدر ہے، سخی کا جلیل القدر سلطان ہر دیانت کا جلیل تر ہے۔

Marfat.com

جب حضور سرورِ کائنات نے دیکھا کہ قریشِ مکہ اُن کی دعوت کی طرف پوری توجہ نہیں دیتے تو سرورِ عالم نے طائف کا سفر کیا تاکہ وہاں کے باشندوں کو دینِ حق کی دعوت دیں لیکن کئی دن کی تبلیغ کا نتیجہ کیا نکلا؟ وہاں کے روساء کے اکسانے پر طائف کے اوباشوں نے آنحضرتؐ پر پتھراؤ شروع کر دیا یہاں تک کہ آنحضورؐ لہولہان ہو گئے اور غش کھا کر گر پڑے فرشتۂ عذاب حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر حکم ملے تو طائف کی بستی کو وہ (فرشتۂ عذاب) اُن پہاڑوں سے پیس دے جو طائف کی وادی کے گرداگرد کھڑے ہیں۔ لیکن پیکرِ جود و حلم نے فرمایا "میں ان کے لیے لعنت نہیں کروں گا بلکہ رحمت کی دعا کروں گا شاید ان کی آنے والی نسلوں میں اسلام کے نام لیوا (خادم) پیدا ہو جائیں"

زید بن سعنہ ایک یہودی تھا۔ نبی اکرمؐ کو اُسے قرض ادا کرنا تھا۔ وہ قبل از وقت حاضرِ خدمت ہو کر تقاضہ کرنے لگا اور گستاخانہ انداز میں کہنے لگا عبد المطلب کی آل بڑی دہندہ ہے۔ عمرِ فاروقؓ نے اسے جھڑک دیا۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا "اے عمرؓ! تمہیں لازم تھا کہ مجھے حسنِ ادائیگی سکھاتے اور اُسے حسنِ تقاضا سکھاتے۔ . . . . . .

. . پھر فرمایا اس یہودی کا قرض ادا کر دو اور ہاں اسے بیس صاع زیادہ بھی دینا کیونکہ تم نے اسے تنبیہ کی تھی"

مکہ معظمہ فتح ہوتا ہے اور خدا کا رسول فاتحانہ اس سرزمین میں داخل ہوتا ہے۔ دشمنانِ دین اور سردارانِ قریش سرِ شار و نادم کھڑے ہیں۔ آنحضورؐ ان سے پوچھتے ہیں بتاؤ تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے اور آخر میں فیصلہ فرماتے ہیں:

"جاؤ آج کے دن تم پر کوئی مواخذہ نہیں"

کیا تاریخِ انسانی میں ایسے تحمل و حلم، عفو و درگزر کی کوئی مثال ملتی ہے؟

Marfat.com

خدمتِ خلق

خدمتِ خلق کا مفہوم :

خدمتِ خلق کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اپنوں سے، بیگانوں سے، دوستوں سے، دشمنوں سے، انسانوں سے، حیوانوں سے محبت و شفقت، جود و کرم، مروت اور عنایت کا سلوک کریں اور ہمارے پیشِ نظر نہ عزت ہو، نہ دولت، نہ شہرت، نہ امارت! بلکہ مخلوق کی بجائے خالق کی رضا و خوشنودی ہمارا مقصود ہو۔ اس بارے میں مسلمان فرمانرواؤں میں سے سلطان صلاح الدین ایوبی کی مثال ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے جس نے مصر و شام کے علاقوں کو رفاہِ عامہ کے اداروں مثلاً مسجدوں، مدرسوں اور سراؤں سے بھر دیا لیکن اُن میں سے کسی کو بھی اپنے نام سے موسوم نہ کیا۔ وہ ایسے رفاہی اداروں کو اپنے فوجی افسروں وزیروں، مشیروں کے نام منسوب کرتا رہا۔ حالاں کہ اُس نے ان اداروں پر خود کثیر مال برداشت کیے۔ رضائے الٰہی کا یہ وہ اعلیٰ معیار ہے جہاں حظِ نفس کا کوئی شائبہ نہیں بلکہ بے غرضی و بے نفسی آشکار ہے۔

خدمتِ خلق : (آیاتِ قرآنی)

قرآن مجید کی متعدد آیات "خدمتِ خلق" کی تعلیم دیتی ہیں جیسے :

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔ (آل عمران) — تم بہترین امت ہو اور تمہیں لوگوں کی خدمت (اور ہدایت) کے لیے

کیا گیا ہے۔

يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر)	وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ خود تکلیف اُٹھانی پڑے۔
وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (دہر ۸)	وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی خاطر مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔
تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ (المائدہ ۳)	نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کی امداد کرو۔

خدمتِ خلق : (احادیثِ نبوی)

○ ارشادِ نبوی ہے: "تو نیکی کے کام کو حقیر نہ سمجھ، تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے تو یہ بھی نیکی ہے اور اپنے ڈول کا پانی اپنے بھائی کے برتن میں انڈیل دے تو یہ بھی نیکی ہے۔" ترمذی

○ آنحضورؐ کا فرمان ہے: "دو آدمیوں کے مابین صلح کرا دو یہ نیکی ہے۔ تم کسی کو اپنی سواری پر بٹھا لو یا اس کا بوجھ اپنی سواری پر رکھ لو۔ یہ بھی نیکی ہے۔ اچھی بات کہنا بھی نیکی ہے۔ تمہارا ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھتا ہے نیکی ہے۔ راستے سے کانٹے، پتھر ہٹا دینا بھی نیکی ہے۔" بخاری

○ ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔" تو میں نے عرض کیا اگر کسی کے پاس مال نہ ہو۔ آپؐ نے "وہ کمائے خود کھائے اور غریبوں کو دے۔" میں نے کہا اگر [illegible] تو آپ نے فرمایا کسی ضرورت مند مصیبت زدہ انسان [illegible] اگر وہ [illegible] کر سکے [illegible] نیکی پر ابھارے۔"

Marfat.com

○ ابوذر غفاری سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کس طرح کے غلاموں کو آزاد کرانا زیادہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا جن کی قیمت بہت زیادہ ہو اور جو مالکوں کی نگاہ میں زیادہ بہتر ہوں۔ میں نے عرض کیا، اگر ایسا نہ کر سکوں تو کیا کروں؟ آنحضورؐ نے فرمایا تو پھر تم کسی کام کرنے والے کی مدد کر دو یا اس شخص کا کام کر دو جو اپنے کام کو بہتر طریقہ پر نہیں کر سکتا۔ صحیحین

خدمتِ خلق: (صحابہ اور اولیائے کاملین کی نظر میں)

○ "جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم و کرم فرماتا ہے۔"

ابوبکر صدیقؓ

○ "ملک میں جس قدر اپاہج، ضعیف، ازکار رفتہ اور مفلوج لوگ ہوں، ان کے روزینے بیت المال سے مقرر کیے جائیں۔" عمر فاروقؓ

○ "بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ یہ ہے کہ مظلوموں کی دادرسی کی جائے اور مصیبت زدہ لوگوں کی تکلیف دور کی جائے۔" حضرت علیؓ

○ "حقوق دو قسم کے ہیں، ایک تیرے نفس کا حق، اور دوسرے مخلوق کا حق۔ جب تو اپنے نفس کو برے کاموں سے بچائے گا تو تو نے اس کا حق ادا کر دیا اور جب تو مخلوق کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے گا تب تو نے اس کا بھی حق ادا کر دیا۔"

ابوحمزہ بغدادیؒ

مشائخ کی عادت یوں رہی ہے کہ جب کوئی مرید دنیاوی تعلقات چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوتا تو اسے یہی باتوں کی تعلیم دیتے۔

○ پہلے سال خدمتِ خلق کی، دوسرے سال خدمتِ حق کی، تیسرے سال اپنے دل کی نگرانی۔

Marfat.com

○ "کوئی شخص خدمتِ خلق اُسی وقت کر سکتا ہے کہ جب اپنے آپ کو خادموں کے درجے میں رکھے اور تمام مخلوقات کو مخدوموں کے درجہ میں تصور کرے"

سید علی ہجویری

○ "جس نے تزکیۂ نفس کیا ہو اور لوگوں کی بہتری کے لیے کوشاں ہو۔ فرشتے اُس کے حق میں دُعا کرتے ہیں اور جس نے نہ تو نفس کا تزکیہ کیا ہو اور نہ بنی نوعِ انسان کی خدمت کر کے ان کو فائدہ پہنچایا ہو، فرشتے ان کی تباہی کے لیے بددعا کرتے ہیں"

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

○ "خدمتِ خلق نیک کاموں میں شامل ہے اور روحانیت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے"

شہاب الدین سہروردی

○ "خدمتِ خلق سے کسی قوم کی عزت و ذلت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر کوئی قوم خدمتِ خلق میں ممتاز و معروف ہے تو وہ معزز ہوگی اور اگر خدمتِ خلق سے جی چراتی ہے تو وہ ذلیل ہو جائے گی"

ابن خلدون

○ "گاڑی اسٹیشن پر کھڑی ہو، گارڈ جھنڈی دے چکا ہو، انجن سیٹی دے چکا ہو میرا ہاتھ کانٹے پر ہو۔ ایک پاؤں پائیدان پر ہو۔ ایک شخص دوڑتا ہوا آئے اور مجھ سے آکر کہے احمد علی! قرآن کا خلاصہ کیا ہے؟ ابھی گاڑی تیز نہیں ہوگی دوسرا پاؤں پائیدان پر نہیں رکھوں گا۔ سائل کو دوڑنے کی زحمت نہ ہوگی۔ پہلے بتا دوں گا: اللہ کو عبادت سے، رسول کو طاعت سے، مخلوق کو خدمت سے راضی رکھو۔ یہ جامع بیان ہے، یہ شانِ قرآن ہے اور اس پر چلنے والا مسلمان ہے"

مولانا احمد علی

○ "دنیا کے سب عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر انسان کا اخلاقی و انسانی فرض ہے کہ اگر کسی انسان کو کسی سخت نقصان سے دوچار ہوتا ہوا دیکھے تو اس کی

Marfat.com

مدد کرے اور حتی الوسع دستگیری کرتا ہوا اُسے مصیبت کے پنجے سے نجات دلائے۔"

مولانا حسین احمد

؎ "طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست" شیخ سعدیؒ

؎ "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
ہر کہ خود را دید او محروم شد" مولانا رومؒ

اُسوۂ رسولؐ اور خدمتِ خلق:

سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے منصب پر سرفراز ہونے سے پہلے بھی خدمتِ خلق کے کاموں میں سرگرم عمل رہے تھے۔ چنانچہ اُم المؤمنینؓ نے نبی اکرمؐ کو نزولِ وحی کے فوراً بعد جو تسلی آمیز کلمات کہے تھے وہ یہ ہیں:

"خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ ہرگز آپؐ کو رسوا نہ کرے گا کیوں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور سب کا بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیروں کو کھلاتے ہیں، مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔"

شاہِ حبشہ نجاشی کی طرف سے ایک وفد بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ حضور سرورِ کائناتؐ نے کھڑے ہو کر اُس کا استقبال کیا اور اُن کی تواضع کی۔ آپ کے صحابہؓ نے عرض کیا: "ہم حضورؐ کی طرف سے خدمت کے لیے کافی ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "یہ لوگ ہمارے صحابہ کی (حبش میں) خاطر مدارات کرتے رہے ہیں۔ اب میری خواہش ہے کہ میں ہی ان کی خدمت کروں۔"

ایک یہودی عورت اسلام کی روز افزوں ترقی اور آفتابِ نبوت کی شعاعوں کی تاب نہ لا کر مدینہ سے نکل کھڑی ہوئی۔ اتفاق سے حضور اقدسؐ نے اس کا سامان اٹھوانے اور منزلِ مقصود تک پہنچانے میں اس بڑھیا کی امداد کی لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ رسول اکرمؐ نے ہی اس کی مدد اور معاونت کی ہے تو واپس مدینہ میں لوٹ آئی اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی۔

خاندان

عائلی زندگی کی اہمیّت

(ا) (آیاتِ قرآنی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (الرعد)

"اور ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول بھیجے، اور اُن کو بیویاں اور اولاد دی۔"

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (الفرقان)

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں بیویاں اور اولاد دے، آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔"

(ب) (احادیثِ نبوی)

(۱) نکاح میری سُنّت ہے۔ پس جس نے میری سُنّت سے مُنہ موڑا۔ اُس نے مجھ سے منہ موڑا۔

(۲) جس نے نکاح کیا اُس نے آدھا دین بچا لیا۔

(۳) نکاح کرو۔ نسلِ انسانی بڑھاؤ۔ تاکہ میں قیامت کے دن دُوسری اُمتوں پر تمہاری کثرت کی وجہ سے فخر کر سکوں۔ (۴) نکاح ایمان کا قلعہ ہے۔ جس نے نکاح کر لیا، اُس نے اپنے دین کا نصف حصّہ محفوظ کر لیا۔ (۵) اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص حق مہر اور نان و نفقہ کی استطاعت رکھتا ہو۔ وہ نکاح کرے۔ کیونکہ اس سے نگاہ پاک رہتی ہے اور اخلاق کی حفاظت ہوتی ہے۔

(ج) اکابرینِ اُمّت کے اقوال

نکاح کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرو۔ اُس نے تم سے جو وعدہ کیا ہے اُسے وہ ضرور پورا کرے گا۔
(ابوبکر صدیقؓ)

رسولِ اکرمؐ ہم لوگوں کو سختی سے اِس بات سے منع کرتے تھے کہ ہم عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کریں۔
(انس بن مالکؓ)

اہل و عیال کی حفاظت و نگہداشت جہاد سے بھی افضل ہے۔ (عبداللہ بن مبارکؒ)

اے ملا! میں تجھے دوسرے آتے ہوں تو شادی کر لے تاکہ تجھے عفّتِ قلب و نظر
(شاہ ولی اللہؒ)

Marfat.com

فرائض وحقوق

والدین کے فرائض یا اولاد کے حقوق :

شریعت مطہرہ میں والدین کے فرائض بڑی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اور وہ یہ کہ والدین اپنی اولاد کی زندگی کی حفاظت کریں۔ رزقِ حلال سے ان کی معاشی کفالت کریں۔ اپنی اولاد کی جسمانی ضروریات کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی روحانی تربیت کا بھی اہتمام کریں۔ اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتے ہوئے کمالِ شفقت اور کمالِ رحمت کا مظاہرہ کریں۔ اولاد نرینہ ہو یا غیر نرینہ اُن سے مساوات اور برابری کا سلوک روا رکھیں وغیرہ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے :-

زندگی کی حفاظت :

اہلِ عرب عموماً بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے ایک تو غربت کے سبب کہ ایسا وگیا ہو زمین میں بچیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا دشوار ہوگا۔ دوسرے طاقت ور قبیلوں کے ہاتھوں اُن کی عزت وناموس کو بچانا کمزور قبیلوں کے بس کا روگ نہ تھا اس لیے وہ انہیں "ننامرس" کے خیال سے زندہ دفن کر دیتے۔ عجمی ممالک میں بھی اولاد کشی کا رواج تھا۔ اقوام میں والدین دیوی دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے بچوں کو ذبح کر دیتے تھے۔ اسپارٹا کے لوگ اُن بچوں کو جو کمزور پیدا ہوتے تھے چٹانوں سے گرا کر ہلاک کر دیتے۔ سلطنت روما کے قوانین میں باپ کو اپنے بیٹوں کو مار ڈالنے کا اختیار حاصل تھا۔

محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم کی ان ساری ظالمانہ روایات کو ممنوع قرار دے دیا اور والدین کا یہ اولین فرض ٹھیرایا کہ وہ اولاد کی زندگی کی حفاظت کریں۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ — اے لوگو! افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

اسی مضمون کی یہ دو احادیث بھی واضح کرتی ہیں:

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! خدا کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا، خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانا۔ حالاں کہ اسی نے تمہیں، پیدا کیا۔ عرض کیا پھر کون سا گناہ؟ فرمایا اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر ڈالنا کہ بڑے ہو کر تیرے ساتھ شریکِ طعام ہو گی۔"

حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا "خدا نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا اور بخل کرنا اور سوال کرنا حرام کر دیا ہے۔"

بچے کی پیدائش پر اظہارِ مسرت:

بچے کی پیدائش کے ساتویں دن خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی! اسلام نے والدین کو خوشی منانے کی تاکید فرمائی ہے۔ شریعت مقدسہ کا حکم ہے کہ ولادت کے ساتویں دن لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا دو بکریاں اور لڑکی کے لیے ایک بکرا یا ایک بکری ذبح کر کے احباب و اقارب کی ضیافت کی جائے اور بچے کا اچھے سے اچھا نام تجویز کر کے اس کا اعلان کیا جائے اور بچے کے بال منڈوا کر اس کے برابر وزن کا سونا چاندی خیرات کیا جائے۔ نبی اکرمؐ

[illegible] تجویز کیا جائے اور اس کے بال اتروا کر اس کی طرف سے

Marfat.com

عقیقہ کیا جائے۔" (ترمذی شریف)

ابوداؤد اور نسائی میں روایت ہے نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو تو میں چاہتا رکھتا ہوں کہ اس کی طرف سے قربانی کی جائے۔ لڑکے کی طرف سے دو بکرے (یا بکریاں) اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا (یا بکری)۔" (ابوداؤد، نسائی)

انہی روایات کی بنیاد پر جمہور فقہائے کرام نے عقیقے کو مسنون اور مستحب قرار دیا ہے۔ اگرچہ بعض فقہا کے نزدیک عقیقہ "مباح" ہے۔ یعنی اگر قربانی کی جائے تو ثواب ہوگا اور نہ کی جائے تو گناہ بھی نہ ہوگا۔

اچھا نام رکھنے کا طریقہ:

ایامِ جاہلیت میں عربوں کے معاشرہ پر مشرکانہ افکار و رسوم کا غلبہ تھا اس لیے وہ اُن کے نام معبودانِ باطل (بتوں) کے نام پر رکھا کرتے تھے جیسے عبدالعزیٰ یا عَبْدِوُدّ وغیرہ لیکن رسول پاکؐ نے ایسے ناموں کو پسندیدہ قرار دیا ہے جن کی نسبت خدائے وحدہٗ لاشریک کے اسمائے حسنیٰ سے ہو۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارے نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔"

چوں کہ اکثر اقوام میں لوگ اپنے بچوں کے نام اپنے مشاہیر کے ناموں پر رکھتے تھے اس لیے محمد اور احمد نام رکھنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب (پسندیدہ) ہے۔ کیوں کہ ایک مسلمان کے نزدیک نبی کریمؐ سے بزرگ تر ہستی کوئی نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں "اس قسم کا نام رکھنے میں دینِ حق کی بلند شان کا اعلان ہے اور اس بات کا اعتراف ہے کہ ہمیں اس بزرگ ترین ہستی کے انتساب پر فخر ہے جو بعد از خدا بزرگ تر ہے۔"

؎ فی الجملہ نسبتے بہ تو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ کافیۂ گل شود بس است

اولاد کی کفالت و نگہداشت (رزقِ حلال سے) :

قرآنِ مجید اور احادیثِ نبوی میں جا بجا یہ تاکید آئی ہے کہ ناجائز ذرائع سے دولت نہ کمائی جائے اور پاکیزہ روزی سے اولاد کا نان و نفقہ ادا کیا جائے۔

سیدالمرسلینؐ کا ارشادِ گرامی ہے :

○ "اگر کوئی شخص ناجائز ذرائع سے دولت کما کر اہل و عیال پر خرچ کرے گا تو قیامت کے دن سب سے پہلے دعویدار انسان کے خلاف اس کے اپنے اہل و عیال ہی ہوں گے۔ وہ خدا کے حضور عرض کریں گے کہ :

"اے پروردگار! تو ہمارے درمیان انصاف فرما کہ ہم مجرم ہیں یا ہمارے والدین؟ ہم نادان تھے مگر ہمارے ماں باپ نے ہمیں حرام کھلایا۔ انہوں نے جس طرح ہمیں تعلیم دینا تھی اس میں ہمارے والدین نے کوتاہی کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہم جاہل رہ گئے۔"

اس کے برعکس اگر کوئی شخص اولاد کی ضروریات رزقِ حلال سے پوری کرے گا تو خدا کے ہاں "اجرِ عظیم" پائے گا۔

○ ارشادِ نبوی ہے: "اعمال کے پلڑے میں جو چیز سب سے پہلے رکھی جائے گی وہ اس کا اپنے کنبے پر کیا ہوا خرچ ہے۔ (مسلم)

اسی طرح ارشادِ رسولؐ ہے۔ "جب بندہ اپنے گھر والوں کے کام کاج کے لیے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے ایک درجہ لکھتا ہے اور جب وہ فارغ ہو جاتا ہے تو اس کی مغفرت فرما دیتا ہے۔" (کنز العمال)

[illegible] تعلیم کی رو سے دورِ رضاعت میں ماؤں پر بچوں کو دو سال تک دودھ پلانے [illegible] ہے اور یہ مدت اس کے لیے ہے جو پوری مدت اپنے بچے کو دودھ

Marfat.com

پلانا چاہیے اور باپ پر دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق واجب ہے۔ اس کے بعد جب تک لڑکا خود کمانے کے لائق نہ ہو جائے اور لڑکی کی کفالت کی ذمہ داری (شادی کے بعد) اُس کا شوہر خود نہ اُٹھا لے۔ والد بچوں کے مالی اخراجات کا ذمہ دار ہے اور ماں اپنے بچوں کی تربیت و نگہداشت کی پابند ہے۔ دونوں اپنی اپنی ذمہ داری ادا کریں گے۔

اگر دونوں میں کسی سبب طلاق یا خلع کے بعد جدائی ہو جائے تو فقہ اسلامی کی رو سے کم سنی میں بچے اپنی والدہ کی تحویل میں رہیں گے۔ والدہ انہیں پالے پوسے گی اور والد اُن کے اخراجات کا ذمہ دار ہوگا۔ بچوں کے مصارفِ زندگی کا تعین یا تو قاضیٔ وقت کرے گا یا فریقین باہمی افہام و تفہیم سے کوئی مناسب رقم طے کریں گے۔

اَولاد کی شادی :

اولاد کا نکاح کرنے کی ذمہ داری بھی والدین پر ہے۔ نیز شریعت کا منشا یہ ہے کہ والدین کو اپنی اولاد کی شادی میں زیادہ تاخیر بھی نہ کرنا چاہیے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے "تین چیزوں میں دیر نہ کرنا چاہیے۔

۱۔ فرض نماز میں۔ جب اس کا وقت ہو جائے۔

۲۔ نمازِ جنازہ میں، جب میت سامنے موجود ہو۔

۳۔ اور اولاد کی شادی میں، جب اُن کا مناسب رشتہ مل جائے"

شریعتِ محمدیہ کا یہ بھی تقاضا ہے کہ شادی کی جملہ تقریبات انتہائی سادگی سے ادا کی جائیں۔ والدین کو اس موقع پر زیادہ خرچ کے لیے قرض وغیرہ نہ لینا چاہیں۔ شادیوں پر اسراف سے بڑھ کر بڑی بڑی رقوم خرچ کرنا اور غیر اسلامی رسوم کی پابندی کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

Marfat.com

روحانی تربیت :

والدین کے لیے اپنے بچوں کی روحانی تربیت کا خیال رکھنا، ان کی جسمانی پرورش سے بھی زیادہ اہم فریضہ ہے اور یہ عمل روزِ اوّل سے جاری ہو جاتا ہے۔

شریعت اسلامیہ کی رُو سے بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھنا چاہیے، جس کا مقصد علامہ ابن قیم کے الفاظ میں یہ ہے "انسان کے کان میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی آواز پہنچے اور جس شہادت کو وہ شعوری طور پر ادا کرنے کے بعد داخلِ اسلام ہوگا۔ اس کی تلقین پیدائش ہی کے دن کر دی جائے . . . . . .

. . . اذان و اقامت کا دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ شیطان جو گھات میں بیٹھا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ بچے کو آزمائش میں مبتلا کر دے، اذان سنتے ہی بھاگ جاتا ہے اور شیطان کے پھسلانے سے پہلے ہی یہ کہ دینِ اسلام اور اطاعتِ الٰہی کی دعوت دے دی جاتی ہے۔"

اذان و اقامت کے بعد کسی نیک مرد یا پاکباز عورت سے کھجور چبوا کر بچے کے تالو میں لگوانا (تحنیک) اور بچے کے لیے اُس سے خیر و برکت کی دعا کروانا بھی بچے کی روحانی و اخلاقی تربیت کی طرف ایک قدم ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے، آپؐ تحنیک فرماتے، نیز اُن کے حق میں خیر و برکت کی دعا فرماتے۔

بچے کو سب سے پہلے جو کلمہ سکھانے کی اسلام نے تعلیم دی ہے وہ کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے اسی طرح بچپن میں نماز سکھانے کی تلقین کی گئی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو ان کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ سکھاؤ اور جب دودھ کے دانت گر جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو" نیز "جب تمہاری اولاد سات برس کی ہو تو انہیں نماز کا حکم دو جب دس برس کی ہو تو ترکِ نماز

پہلائیں سرزنش کرو۔

پھر نماز، روزہ، طہارت اور دیگر فرائض بچے کو سکھانا لازم ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کی روحانی تربیت کو ایک بلیغ و مختصر جملہ میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا (تحریم) اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔

رسول اکرمؐ نے خوش خبری سنائی ہے کہ والدین اگر اپنی اولاد کی اخلاقی و روحانی تربیت کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے مستحق ٹھیریں گے اور بڑا اجر پائیں گے۔

۱۔ سمرہ کے بیٹے جابر کی زبانی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "آدمی کا اپنی اولاد کو ادب اور تمیز دینا ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے"

(ترمذی شریف)

۲۔ ایوب بن موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ کسی والد نے اپنی اولاد کو نیک ادب (حسن تربیت) سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دیا۔

(الحدیث)

شفقت و عنایت:

رحمۃ اللعالمینؐ بچوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور اس لئے والدین کو نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کو ہر لمحہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نبی اکرمؐ کے پاس آکر کہنے لگا کہ کیا آپ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے ہیں؟ ہم تو ایسا نہیں کرتے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ میں اس بات کا اختیار رکھتا ہوں کہ جس خدا نے تیرے دل سے رحمت و محبت

---

[1] صاع: مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی تحقیق کے مطابق [illegible]

Marfat.com

میں اسے ایسا کرنے سے) منع کر دوں۔ (صحیحین)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے بیٹے حسنؓ کو پیار کیا اور چوما۔ حابس کے بیٹے اقرع تمیمی نے عرض کیا میرے دس فرزند ہیں۔ مگر میں نے تو اُن میں سے ایک کو بھی نہیں چوما۔ رسول اللہؐ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا جو شخص کسی پر مہربانی نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ بھی مہربانی نہیں کرتا۔

(صحیح بخاری)

حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ (میں ابھی بچہ تھا) کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پکڑ کر اپنے زانو کے مبارک پر بٹھا لیتے۔ دوسرے زانو پر حضرت حسنؓ کو اٹھا کر ہم دونوں کو چمٹا کر فرماتے کہ الٰہی، ان دونوں پر نظرِ عنایت رکھیو کیوں کہ میں ان کے ساتھ رحم و کرم سے پیش آتا ہوں۔" (مشکوٰۃ شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و عنایت کا ایک دوسرا رُخ یہ ہے کہ جب کوئی بچہ بیمار ہوتا یا دم توڑ رہا ہوتا تو آپؐ مضطرب و بیقرار ہو جاتے۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم (فرزندِ رسولؐ) جان توڑ رہے تھے تو رحمتِ دو عالمؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کیا "اے رسولِ خداؐ، اور لوگ تو روتے ہی ہیں۔ کیا آپؐ بھی روتے ہیں؟" فرمایا "اے ابن عوف! یہ اثرِ رحمت ہے۔" اس کے بعد حضور انورؐ پھر رونے لگے اور فرمانے لگے "آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے پر ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا پروردگار راضی ہوتا ہے اور اے ابراہیم! ہم تیرے فراق میں مغموم ہیں۔"

صحیحین میں اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ اپنی صاحبزادی زینبؓ کے [illegible] بچہ قریبِ مرگ تھا۔ آنحضرتؐ نے بچے کو گود میں اٹھا لیا اور آپ کی [illegible] حضرت سعدؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! یہ آنسو کیسے ہیں؟" فرمایا،

Marfat.com

"یہ رحمت ہے جسے خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے اور خدا اپنے اُن ہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو باہم رحمدلی کا برتاؤ کرتے ہیں۔"

بچوں اور بچیوں میں مساوات:

اسلام نے والدین کو اپنے بچوں اور بچیوں دونوں کے ساتھ مساوی سلوک کا حکم دیا ہے کیونکہ ایامِ جاہلیت میں لوگ عموماً لڑکوں سے اچھا سلوک کرتے تھے اور لڑکیوں کو نظر انداز کرتے تھے۔ اس لیے بچیوں کے حقوق پر سب سے زیادہ زور دیا گیا۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جس شخص کے ہاں بیٹی ہو اور وہ نہ تو اسے زندہ درگور کرے، نہ ذلت کی حالت میں رکھے، نہ اولادِ نرینہ (لڑکوں) کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل کرے گا۔ (ابوداؤد)

ابن عباسؓ ہی سے ایک دوسری روایت ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"جو شخص تین لڑکیوں یا تین بہنوں کے اخراجات، اور اُن کی ضروریات کا کفیل ہوگا اور پھر انہیں ادب سکھائے گا اور اُن پر مہربانی کرے گا۔ یہاں تک کہ خدا انہیں بے نیاز کرے، (مثلاً ان کی شادی ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت واجب کر دے گا۔"

ایک شخص نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! اگر کوئی دو لڑکیوں یا دو بہنوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے والا ہو؟" تو فرمایا "اس کا بھی یہی حکم ہے۔"

(شرح السنۃ)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص دو لڑکیوں کا اُن کے بالغ ہونے تک کفیل رہا ہو تو قیامت کے روز وہ اور میں ایک دوسرے کے اس طرح قریب ہوں گے جس طرح میری دو انگلیاں۔" (ابوداؤد)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت مانگنے آئی اور اس کے ساتھ اس کی دو لڑکیاں تھیں لیکن میرے پاس ایک کھجور کے سوا اسے دینے کے لیے کچھ نہ تھا چنانچہ میں نے اُسے وہی کھجور دے دی۔ اس نے آدھی آدھی کھجور دونوں لڑکیوں میں تقسیم کر دی اور خود کچھ نہ کھایا۔ پھر اُٹھ کر چلی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ان لڑکیوں کی وجہ سے مصیبت میں پڑا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو یہ لڑکیاں اس کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ بن جائیں گی۔ (الحدیث)

والدین کے فرائض کا خلاصہ :

والدین کے اہم ترین فرائض کو نبی اکرمؐ نے اپنے ایک نہایت جامع ارشاد میں یوں بیان فرمایا ہے :

- ساتویں دن لڑکے کا عقیقہ کیا جائے۔
- اس کا اچھا نام رکھا جائے۔
- اور اس کے سر کے بال اتروائے جائیں۔
- جب اس کی عمر چھ سال ہو جائے تو اس کی تربیت و تادیب شروع کی جائے۔
- جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اسے الگ سُلایا جائے۔
- جب تیرہ سال کا ہو جائے اور نماز ترک کر دے تو اسے نماز پڑھنے کے لیے سرزنش کی جائے۔
- جب جوان ہو جائے تو اس کا نکاح کر دیا جائے۔
- اور اس کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہا جائے کہ میں نے تیری تعلیم و تربیت اور پرورش کا حق ادا کر دیا ہے۔ . . . . . .

Marfat.com

میں تیری وجہ سے دنیا میں آزمائش اور آخرت میں عذاب الٰہی سے پناہ مانگتا ہوں۔"

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" میں والدین کو تربیتِ اولاد کے سلسلہ میں جو ہدایات دی ہیں اُن کا لب لباب یہ ہے:

- بچے کو ناز و نعمت سے پالنے کی بجائے محنت و مشقت کا عادی بنایا جائے۔
- اسے کھانے پینے کے اسلامی آداب سے آگاہ کیا جائے۔
- بچے کا بستر زیادہ آرام دہ اور پُر تکلف نہ ہو۔
- اسے کوئی کام چھپ کر نہ کرنے دیا جائے۔
- اسے ورزش کرنے اور پیدل چلنے کا عادی بنایا جائے۔
- بچے کو عجز و انکسار کا درس دیا جائے۔
- اور بخشش و عطیے سے بے نیاز رکھا جائے تاکہ وہ عالی ظرف اور حوصلہ مند بنے۔
- بچے کو آدابِ مجلس سے بھی باخبر کیا جائے اور بات چیت کرنے کا سلیقہ سکھایا جائے۔
- بچوں کو کھیل کود سے دل بہلانے کا موقع دیا جائے۔
- بچے کو اپنے استاد کی ڈانٹ ڈپٹ سہنے کا عادی بنایا جائے اور استاد کی کامل فرمانبرداری کا درس دیا جائے۔
- اور جب وہ سن بلوغت کو پہنچے تو اسے طہارت، نماز اور روزے کا پابند بنایا جائے۔

اولاد کے فرائض:
یا
والدین کے حقوق:

تمام مذاہبِ عالم نے اولاد کو اپنے والدین کی خدمت، اطاعت، عزت

اور سپاس گزاری کی تلقین کی ہے لیکن اسلام نے اولاد کے فرائض پر جتنا زور دیا ہے اس کی نظیر تاریخِ مذاہب میں نہیں ملتی۔ پھر اسلامی تعلیمات کا امتیاز اس باب میں یہ بھی ہے کہ اولاد کو اپنے باپ کی نسبت ماں کی زیادہ سے زیادہ خدمت گزاری کی تاکید کی جائے جب کہ دوسرے مذاہب اس بارے میں بالکل ساکت ہیں۔

اولاد کے فرائض: (کتاب اللہ کی روشنی میں)

قرآنِ مجید میں سورۂ بنی اسرائیل کی آیات نمبر ۲۳ اور ۲۴ میں اللہ رب العزت نے اولاد کے چار بڑے بڑے فرائض بیان فرمائے ہیں۔ حسن سلوک، احترام، اطاعت گزاری اور دعائے خیر:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔	تمہارے رب کا حکم ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔
۲۔ فَلَا تَقُلْ لَّہُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْہَرْہُمَا وَقُلْ لَّہُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا	انہیں اُف بھی نہ کہو، نہ انہیں جھڑکو، اور ان سے ادب سے گفتگو کرو،
۳۔ وَاخْفِضْ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ۔	اور ان کے سامنے عجز و انکسار اور حیا کے انداز کے پیکر بن جاؤ۔
۴۔ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا۔ (بنی اسرائیل۔ ۲۳، ۲۴)	اور دعا کرو، اے پروردگار! تو ان پر رحم کر جس رحم و کرم سے انہوں نے بچپن میں مجھے پالا پوسا۔

۵۔ اولاد کا پانچواں فرض سورۂ لقمان کی چودھویں آیت میں مذکور ہے یعنی شکر گزاری

واحسان مندی کے جذبات کا اظہار۔

اولاد کے فرائض : (احادیث نبوی کے آئینہ میں)

احادیث نبوی میں اولاد کے مذکورہ بالا فرائض کی بڑی تفصیل آئی ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

حُسنِ سلوک یا خدمت گذاری :

(وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا)

اولاد اپنے والدین کے لیے بڑھاپے کا سہارا ہے اور بالغ و خود کفیل اولاد کا اولین فرض یہ ہے کہ اپنے والدین کی معاشی ضروریات کی کفالت کریں خصوصاً جب وہ ضرورت مند ہوں۔ والدین کے ساتھ جس حسن سلوک کا قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے اس کا بنیادی تقاضا یہی ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے :

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں۔
قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ	جواب دیجیے کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اس کے
فَلِلْوَالِدَيْنِ۔ (البقرہ - ۲۱۵)	اولین حقدار والدین ہیں۔

ایک بار نبی اکرمؐ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور اپنے باپ کی یہ شکایت کی کہ وہ جب چاہتے ہیں میرا مال حسب منشاء لے لیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کو طلب کیا جس نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ! ایک زمانہ تھا جب یہ کمزور اور بے بس تھا اور مجھ میں طاقت تھی۔ میں مال دار تھا اور یہ خالی ہاتھ، میں نے کبھی اس کو اپنی چیز لینے سے نہیں روکا۔ آج میں کمزور ہوں اور یہ تندرست و قوی ہے، میں خالی ہاتھ ہوں اور یہ مال دار ہے اب یہ اپنا مال مجھ سے بچا بچا کر رکھتا ہے" بوڑھے کی یہ باتیں سن کر آنحضورؐ اشکبار ہو گئے اور شکایت گزار بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا :

"تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے"

Marfat.com

عمرو بن شعیبؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ میرے پاس مال ہے اور میرا باپ مال کا حاجت مند ہے۔ فرمایا تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی ملک ہیں (پھر حاضرین سے فرمایا) کہ:

"تمہاری اولاد تمہاری پاک اور حلال کمائی ہے تم اپنی اولاد کی کمائی سے بلا جھجک کھاؤ پیو۔"

(ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریمؐ سے پوچھا کہ خدا کو کونسا عمل مستحسن ہے؟ فرمایا وقت پر نماز پڑھنا" میں نے عرض کیا "پھر کون سا عمل؟" ارشاد ہوا "ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا۔"

ایک دفعہ صحابہ کرامؓ حاضر خدمت تھے۔ آنحضرتؐ نے تین بار ارشاد فرمایا "وہ شخص خوار ہوا" صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کون شخص خوار ہوا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا وہ شخص خوار ہوگا جس کے بوڑھے ماں باپ دونوں موجود ہوں یا ان میں سے کوئی ایک ہو مگر ان کی خدمت نہ کرنے کے باعث جنت سے محروم رہے۔

ایک دوسری مفصل حدیث میں آنحضورؐ کا یہ ارشاد قابل توجہ ہے فرمایا "لعنت ہے اس شخص پر جس کے والدین زندہ ہوں مگر وہ ان کی خدمت کر کے جنت میں جانے کا سامان نہ کرے۔"

اس بارے میں مسلم یا غیر مسلم ماں باپ کی کوئی تخصیص روا نہیں۔ والدین خواہ مومن ہوں یا مشرک، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ ہر صورت لازم ہے۔

اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں کہ صلح نامۂ حدیبیہ کے بعد میرے پاس میری ماں آئی اور وہ مشرکہ تھی میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئی "یا رسول اللہؐ! میری والدہ میرے پاس آئی ہے اور اس کو ابھی تک اسلام کی طرف کوئی رغبت نہیں تو کیا میں اس کے ساتھ بھی کچھ سلوک کر سکتی ہوں؟" فرمایا "ہاں اس کے ساتھ صلہ رحمی (ضرور) کرو۔"

Marfat.com

والدین کی خدمت اور دیکھ بھال کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کتنی اہمیت تھی اس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ آنحضورؐ نے بعض اشخاص کو اُن کے مخصوص حالات کے پیش نظر جہاد[1] سے روک کر والدین کی خدمت گذاری میں لگا رہنے دیا مثلاً عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ:

ایک مرتبہ ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شرکتِ جہاد کی اجازت طلب کی۔ آنحضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ماں باپ بھی ہیں؟ صحابی نے عرض کی "جی ہاں!" تو ارشاد ہوا "تو پھر اُن ہی کی خدمت کا فریضہ ادا کرو" اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ "اپنے ماں باپ کی طرف لوٹ جا اور ان کے ساتھ سلوک کر اور ان کی خدمت بجا لا" (صحیحین)

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ یمن کے باشندوں میں سے ایک شخص نے (شرکتِ جہاد کی غرض سے) جناب پیغمبرؐ کی طرف ہجرت کی۔ آپؐ نے اُس سے پوچھا کہ کیا یمن میں تیرا کوئی عزیز رہتا ہے؟ عرض کیا "میرے ماں باپ رہتے ہیں" فرمایا "انہوں نے تجھے اجازت دے دی ہے؟" عرض کیا "نہیں" فرمایا "تو اُن کے پاس لوٹ جا . . . . . اور اجازت کی درخواست کر۔ اگر وہ تجھے اجازت دے دیں تو جہاد میں شریک ہو ورنہ اُن کے ساتھ اچھا سلوک کر (یہی تیرے لیے جہاد ہے)" (مشکوٰۃ شریف)

اطاعت گزاری:

متعدد احادیث میں اولاد کو والدین کی اطاعت گزاری اور فرمانبرداری کی تلقین کی گئی ہے اور ان کی ناراضی مول لینے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خدا تعالیٰ

---

[1] حالانکہ جہاد افضل العبادات ہے۔

Marfat.com

کی رضامندی والد کی رضامندی میں اور خدا کی ناخوشی والد کی ناخوشی میں ہے۔"

(ترمذی)

حضرت ابو درداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے سنا ہے کہ والد جنت کے دروازوں کا عمدہ ترین دروازہ ہے۔" (ابن ماجہ)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ فرمایا "تیری جنت اور دوزخ وہی ہیں۔"

(ابن ماجہ)

پس والدین کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اولاد کا اہم ترین فرض یہ ہے کہ تمام جائز (مشروع) باتوں میں والدین کی اطاعت کریں البتہ اگر وہ خدا کی نافرمانی یا شرک کا حکم دیں، تو اطاعت لازم نہیں۔

سورۂ لقمان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اگر وہ تجھے مجبور کریں کہ خدا کے ساتھ اس کو شریک کر، جس کا تجھے علم نہیں تو تم ان کا کہا نہ مان!"

احترام اور ادب سے گفتگو کرنا:

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریمؐ نے فرمایا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا فرزند اپنے ماں باپ کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے لیے ہر مرتبہ دیکھنے کے عوض (اس کے اعمالنامہ میں) ایک حج مقبول کا ثواب لکھتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اگرچہ وہ دن میں سو مرتبہ انہیں دیکھے فرمایا ہاں! خدا تمہارے اس گمان سے کہ ہر نظر کے عوض حج مقبول کا ثواب نہیں لکھا جاتا) کہیں بزرگ و برتر ہے۔"

والدین کو گالی دینا، یا ان سے سخت کلامی سے پیش آنا، اسلامی تعلیمات کے سراسر

منافی ہے۔

سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ — تجھے ہر آن میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار رہنا چاہیے"

(لقمان-۱۴)

اس حکم کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ ہم اپنے والدین کے ساتھ ہمیں اسی طرح پیش آئیں۔ جس طرح کوئی احسان مند اپنے محسن یا کرم فرما کے ساتھ مؤدبانہ اور عاجزانہ انداز میں پیش آتا ہے۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ،

"والدین اپنے بیٹے کو جو خدمت بھی سپرد کریں اس کی تعمیل سے پہلو تہی نہ کرے جب اس کا والد اسے بلائے تو فوراً جواب دے اور جو حکم والد دے اس کی اطاعت بشرطیکہ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہوتی ہو اس کی طاقت کے بقدر اکثر حاضر ہوا کرے۔ اس کے ساتھ نرمی اور ادب سے بات کرے، اس کی کسی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرے۔ اس کا نام لے کر اس کو نہ پکارے۔ چلنے میں اس کا ساتھ ہو تو پیچھے پیچھے چلے، اگر کوئی اس کی غیبت کرے یا کسی قسم کی اس کو اذیت پہنچائے تو اپنے والد کی حمایت سے دریغ نہ کرے۔ اس کی تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے۔

دعائے خیر و برکت:

جب والدین کا سایۂ عاطفت سر پر ہو تو اولاد کے لیے لازم ہے کہ اپنے والدین کی زندگی، صحت، عافیت اور سلامتی کے لیے دعائیں مانگیں۔

مثلاً:

○ "اے پروردگار! میرے والدین کے علم، دین، عقل اور عمل میں برکت عطا فرما۔

○ اے رب العالمین! تو ان پر رحم کی نظر کر! جیسے انہوں نے بچپن میں مجھ پر رحم کیا تھا۔

○ اے خداوند قدوس! میرے والدین کی کبرسنی اور بڑھاپے کی منزلوں کو آسان فرما دے۔

○ انہیں اسلام اور ہدایت پر زندہ رکھ۔

○ اور جب انہیں موت آئے تو ایمان کی حالت میں مریں۔"

اور جب والدین کا سایہ سر سے اُٹھ جائے تو ان کے لیے مندرجہ ذیل احادیث کے پیش نظر دعائے مغفرت کرتا رہے تاکہ اگر حقِ خدمت میں کوتاہی رہ گئی ہو تو اس کی تلافی ہو جائے۔

ابو اُسید ساعدی کہتے ہیں کہ ہم ایک دن پیغمبر خدا کے پاس بیٹھے تھے۔ بنی سلمہ کے ایک شخص نے آکر پوچھا "یا رسول اللہؐ! کیا کوئی نیکی یا سلوک باقی ہے کہ میں اپنے والدین کے ساتھ اُن کے مرنے کے بعد کروں؟" فرمایا "ہاں! ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرنا۔" (ابوداؤد)

○ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا "اگر کوئی بندۂ خدا، زندگی میں ماں باپ کا نافرمان رہا ہو اور والدین میں سے کسی ایک یا دو کا انتقال ہو گیا ہو تو اب اس کو یہ چاہیے کہ اپنے والدین کے لیے خدا تعالیٰ سے بخشش کی دعا کرتا رہے حتیٰ کہ خدا اپنی رحمت سے اس کو نیک لوگوں میں لکھ لے۔" (بیہقی)

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل کی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ صرف تین عمل ایسے ہیں جو مرنے کے بعد کام آتے ہیں۔ ایک صدقۂ جاریہ، دوسرا اس کا پھیلایا ہوا علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے، تیسرے صالح اولاد جو اس کے لیے دعائے مغفرت کرتی رہے۔"

خاوند کے فرائض

اسلام نے خاوند پر بہت سے فرائض عاید کیے ہیں یہ اس کی زوجہ کے حقوق بھی کہلاتے ہیں۔ ان میں سے چند پر تفصیلی بحث کی جاتی ہے۔

حق مہر کی ادائی:

حق مہر سے مراد وہ رقم ہے کہ جو حقوق زوجیت کے عوض مرد کے ذمہ عاید ہوتی ہے اور یہ رقم اہل نظر کے نزدیک عورت کی عزت و تکریم کے لیے شارع نے تجویز فرمائی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً (نساء ۲۴) اپنی بیویوں کو حق مہر ادا کرنا تم پر فرض ہے

اور اگر کوئی نافرمان شخص حق مہر ادا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اسے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی طرف سے یہ وعید سنائی گئی ہے،

"جس نے زر مہر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت رکھی کہ وہ ادا نہ کرے گا تو وہ زانی ہے"

حسن سلوک:

عائلی زندگی کو جنت کا نمونہ بنانے کے لیے شوہر کے لیے لازم ہے کہ اپنی بیوی سے اچھا برتاؤ کرے۔ سورۂ نساء میں ارشاد ربانی ہے۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ — اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کرو۔

پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے،

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہے" (ترمذی)

نیز فرمایا، "تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں"

(نسائی)

Marfat.com

ان ونفقہ کی ذمہ داری :

شوہر کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے نان ونفقہ (روٹی کپڑے) کا پورا خیال رکھے۔ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے۔

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ۔ (البقرہ - ۲۳۶)

مالدار پر اس کی طاقت کے مطابق ذمہ داری ہے اور مفلس پر اس کی ہمت کے مطابق

اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث قابلِ توجہ ہیں۔

۱۔ انسان کے اعمال کے پلڑے میں جو چیز سب سے پہلے رکھی جائے گی وہ اس کا اپنے کنبے پر کیا ہوا خرچ ہے۔ (مسلم)

جب بندہ اپنے گھر والوں کے کام سے باہر نکلتا ہے۔ تو اللہ جل شانہٗ اس کے ہر قدم کے بدلے ایک درجہ لکھتا ہے اور جب فارغ ہو جاتا ہے تو اس کی مغفرت کر دیتا ہے۔

(کنز العمال)

عادلانہ سلوک :

اگر کسی شخص کی ایک سے زاید بیویاں ہوں تو اس کا اہم فرض ہے کہ دونوں سے برابری کا سلوک کرے۔ قرآنی حکم ہے :

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (نساء - ۱۲۸)

کسی بیوی کی جانب اتنا نہ جھکو کہ دوسری نظر انداز ہو جائے۔

ارشادِ نبوی ہے :

جو شوہر کسی بیوی کی طرف زیادہ التفات (میلان) کرے گا وہ قیامت کے دن ٹیڑھا اٹھایا جائے گا۔

Marfat.com

یہاں اس امر کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ کوئی انسان دونوں بیویوں سے یکساں تعلق خاطر نہیں رکھ سکتا۔ دل پر کسی کو اختیار نہیں۔ البتہ دونوں کے نان ونفقہ اور دوسرے حقوق یکساں طور پر مرد کے لیے ادا کرنا لازم ہیں۔

ظلم وتعدی سے اجتناب:

شوہر کا اخلاقی فرض ہے کہ اپنی بیوی کو ظلم وتشدد کا نشانہ نہ بنائے اور اس خدائے قہار سے ڈرے جو اس پر کہیں زیادہ اختیار وتصرف رکھتا ہے۔

اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کے دیعاتِ نفس کو بلا عذر شرعی پورا نہیں کرتا تو یہ ظلم کی ایک واضح مثال ہے[1]۔

اسی طرح اگر خاوند اپنی بیوی کو بلا وجہ بار بار طلاق دے اور پہلی یا دوسری طلاق ہونے سے پہلے ہی رجوع کرے تاکہ اس کی زوجہ پریشانِ خاطر رہے تو یہ تعدی کی ایک صورت ہے

مرد کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ اگر اسے عورت سے رغبت نہ رہی ہو تو سیدھے طریقے پر اسے طلاق دیدے مگر نہ ظلم کی راہ اختیار کرے اور نہ تعدی کی روش اپنائے۔

اسی طرح اگر کسی شخص کی بیوی بدکرداری یا نافرمانی کی راہ پر گامزن ہو تو وہ اصلاح و تادیب کے لیے اسے ہلکی مار مار سکتا ہے لیکن نہ تو چہرے پر تھپڑ مارے کہ یہ اشرف الاعضا ہے اور نہ سخت سزا دے جس سے عورت کے جسم پر نشان پڑ جائے۔

اگر شوہر ضرر وتعدی (مار پیٹ) کو معمول بنالے تو عورت کو یہ حق حاصل ہوگا کہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور شوہر سے نجات (خلع) حاصل کرے۔

---

[1] عذر شرعی یہ ہے کہ عورت بیمار ہو یا مرد سفر تجارت یا محاذ جنگ پر مصروف کار ہو۔

Marfat.com

تحمل و درگزر :

بیوی کی شکل و صورت میں اگر کوئی نقص ہو یا گھریلو نظام چلانے میں اس سے لغزشیں سرزد ہوتی ہوں تو خاوند کو چاہیے کہ وہ حال ظرفی سے کام لے اور چشم پوشی و درگزر کو اپنا معمول بنائے اور مرکزِ اعظمؐ کے اس ارشادِ عالی کو خاص طور پر پیشِ نظر رکھے۔

"عورتوں سے اچھا سلوک کرو، عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلیوں میں سب سے اوپر کا حصہ زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے اس کو سیدھا کرو گے تو ٹوٹ جائے گی۔"

اس حدیثِ پاک کا مفہوم یہ ہے کہ عورت متلوّن مزاج ہے اور یہاں پسلی سے پیدا ہونے کا اشارہ بھی اسی طرف ہے۔

بیوی کی تربیت :

شوہر کا ایک بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی (اور بچوں کو بھی) دین کے احکام پر عمل کرنے کی تلقین کرے ؛ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ	اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے
وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا۔ (تحریم-۶)	گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔"

نبی اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے "جب کوئی مرد رات میں اپنی بیوی کو جگاتا ہے اور وہ اٹھ کر دو رکعت نماز پڑھتے ہیں تو شوہر کا نام ذکر کرنے والوں میں اور بیوی کا نام ذکر کرنے والیوں میں لکھ لیا جاتا ہے۔

نیز فرمانِ رسول ہے "تم میں سے ہر شخص اپنی رعایا کا نگہبان ہے اور تم میں ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں پرس کی جائے گی۔ خاوند اپنی بیوی اور اپنے بچوں کا نگران ہے۔" لہٰذا یہ شوہر کو بیوی بچوں کے اخلاق و کردار کی اصلاح و تربیت کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے۔

Marfat.com

زوجہ کے فرائض

اسلام نے بیوی کے فرائض بھی بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں انہیں ہم "خاوند کے حقوق" بھی کہہ سکتے ہیں۔

اطاعت امر:

زوجہ کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ خاوند کی اطاعت اور فرمانبرداری کی روش اختیار کرے متعدد احادیث میں بیوی کو اپنے شوہر کے احکامات اور مطالبات کے سامنے سر جھکانے کی تلقین کی گئی ہے۔

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ اگر غیر اللہ کے سامنے سجدہ جائز ہوتا تو میں حکم کرتا کہ بیوی اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

نسائی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضورؐ نے عورتوں میں سے اس عورت کو افضل قرار دیا کہ جسے (خاوند) دیکھے تو اس کا دل خوش ہو جائے اور جب وہ اس کو حکم دے اس کی اطاعت کرے۔

لیکن اگر شوہر اپنی بیوی سے خدا کی نافرمانی کا تقاضا کرے تو اس کی اطاعت بالکل نہ کرنی چاہیے مثلاً شوہر فرض نماز و روزے سے منع کرے یا پردہ شرعی ترک کرا کے بدکاری کی راہ پر ڈالے تو عورت اس کا حکم نہ مانے۔

لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ — خالق کی نافرمانی میں اطاعت نہیں کی جا سکتی۔

Marfat.com

خاوند کی خوشنودی :

بیوی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے خاوند کی مزاج شناس ہو۔ اس کو خوش رکھے، اسے ناراض نہ کرے۔ احادیثِ نبوی سے پتہ چلتا ہے کہ جو بیوی اپنے خاوند کو راضی رکھے گی اس کی عاقبت سنور جائے گی اور جو اسے ناراض رکھے گی اس کی عاقبت برباد ہو جائے گی۔

○ فرمایا "اگر بیوی اس عالم میں مرے کہ اس کا خاوند اس سے خوش ہو تو وہ جنت میں جائے گی۔" (ترمذی)

○ "اگر عورت اپنے خاوند کی تندخوئی پر تحمل کرے تو اسے آسیہ زوجۂ فرعون کا سا اجر ملیگا۔" (کیمیائے سعادت)

○ "تین آدمیوں کی نماز قبول ہوتی ہے نہ نیکی، ان میں سے ایک وہ عورت ہے جس کا شوہر اس سے ناخوش ہو۔" (بیہقی)

آراستگی و زیبائش :

خاوند کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بیوی کو صاف ستھرا رہنا چاہیے خصوصاً جب اس کے گھر آنے کا وقت ہو جائے تو اسے اپنی شکل و صورت سنوار لینا چاہیے اور شوہر کا خوش سے استقبال کرنا چاہیے۔

○ فرمایا :

"بہترین بیوی وہ ہے کہ جب اسے خاوند دیکھے تو خوش ہو جائے۔"

(نسائی)

○ حضرت انس نے ایک مرتبہ ایک خاتون سے فرمایا "تمہیں اتنی توفیق بھی نہیں کہ اپنے شوہر کو خوش کیا کرو۔"

Marfat.com

اظہارِ تشکر :

بیوی کو اپنے خاوند کے ساتھ سپاس گزاری کا رویہ بھی اختیار کرنا چاہیے کیوں کہ اس کا خاوند اس کی عزت کا محافظ اور اس کی معاشی ضروریات کا کفیل ہے

○ حضرت اسماء اور ان کی سہیلیوں کو مخاطب کر کے حضورِ سرورِ کائنات نے فرمایا :

"تم پر جن کا احسان ہے ان کی ناشکری سے بچو ۔ تم میں سے ایک ماں باپ کے ہاں عرصہ تک بن بیاہی بیٹھی رہتی ہے ۔ پھر خدا اس کو شوہر عطا فرماتا ہے اولاد سے نوازتا ہے پھر بھی وہ شوہر سے خفا ہوتی ہے تو کہہ اٹھتی ہے میں نے تو کبھی تمہاری طرف سے کوئی بھلائی نہیں دیکھی" (الادب المفرد)

○ ایک مرتبہ نبی اکرمؐ نے عورتوں کو بتایا کہ :

میں نے (معراج کی رات) عورتوں کو، مردوں کی نسبت زیادہ تعداد میں جہنم کی آگ میں جلتے دیکھا ہے ۔

عورتوں نے وجہ پوچھی تو جواب میں فرمایا :

"تم اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہو اور حق ناشناس ہو"

عصمت و آبرو کی حفاظت :

بیوی کا اخلاقی فرض ہے کہ اپنے "گوہرِ عصمت" کی حفاظت کرے ۔

○ صحیحین میں روایت ہے :

"عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ خاوند کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر آنے دے"

○ خطبہ حجۃ الوداع میں سید الانبیاءؐ نے ارشاد فرمایا :

"خاوند کا اپنی بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ اس کے بستر کو کسی دوسرے مرد سے پامال

Marfat.com

نہ ہونے دے۔"

"معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ خدا پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے گھر کسی ایسے شخص کو آنے دے جس کا آنا شوہر کو ناگوار ہو اور وہ گھر سے ایسی صورت میں نکلے جب کہ اس کا نکلنا شوہر کو ناگوار ہو۔"

(الترغیب والترہیب)

ابن ماجہ کی روایت ہے، حضورؐ نے فرمایا کہ،

"جب کسی عورت کا خاوند باہر چلا جائے تو وہ اس کے پیچھے اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کے مال و اسباب کی نگرانی میں شوہر کی خیر خواہ اور وفادار رہے۔"

شوہر کے مال کی حفاظت :

مرد اپنی جان جوکھم میں ڈال کر خون پسینہ ایک کر کے روزی کما کر لاتا ہے۔ اور اپنی بیوی کے قدموں میں ڈال دیتا ہے۔ اب اسے چاہیے کہ یہ مال نہایت احتیاط، کفایت شعاری، سلیقہ مندی اور ہوشمندی سے خرچ کرے، اپنے شوہر کو ناروا فرمائشوں سے پریشان نہ کرے، نہ دونوں ہاتھوں سے گھر لٹائے۔ اسی لیے نبی اکرمؐ فرماتے ہیں :

"قریش کی عورتیں کیا ہی خوب عورتیں ہیں۔ بچوں پر نہایت مہربان ہیں اور شوہر کے گھر کی حفاظت کرنے والی ہیں۔" حضور اقدسؐ نے یہاں تک فرما دیا "عورت اپنے شوہر کے مال سے شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ بھی ادا نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گی تو اجر شوہر کو ملے گا اور گناہ عورت پر ہوگا۔"

قرآن مجید نے بیوی کے جملہ فرائض کو ایک بلیغ جملے میں ادا کر دیا ہے :

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ۔

جو نیک عورتیں ہیں وہ اطاعت کرنے والی اور غیب (عصمت) کی حفاظت کرنے والی ہیں۔

Marfat.com

(ج) مکتب و مسجد

مَکتَب

عہدِ نبوی میں نظامِ تعلیم و تربیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل عرب علم و شائستگی سے کوسوں دور تھے تعلیم و تہذیب سے یکسر محروم تھے۔ اسی بناء پر دوسری اقوام انہیں اُمّی (یعنی ان پڑھ اور جاہل) کہہ کر پکارتی تھیں۔

آنحضورؐ کی بعثت کا ایک بڑا مقصد نہ صرف عربوں کو بلکہ ساری دنیا کو علم و تمدن کی دولت سے مالا مال کرنا تھا۔ چنانچہ خدائے قدوس نے عربوں اور عالمِ انسانیت کو خوشخبری دی کہ اُن کی جہالت اور ناشائستگی کا زمانہ ختم ہوا اور انہیں دین و حکمت، عقل و دانش، تہذیب و مدنیت، سکھانے کے لیے محمدؐ کو مبعوث کیا گیا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بے حد کرم و احسان
اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	کیا جب کہ ان میں سے ایک کو اپنا رسول
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ	بنایا جو انہیں اللہ کی آیات سناتا ہے اور
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں
	کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سید العلماء والحکماء محمد مصطفےٰ کو معلم بالشان کا مقام تفویض کیا اسے انہوں نے اپنی طرح انجام دیا اور اس نظام تعلیم و تدریس بابرکت کی [illegible]

فنون اور تہذیب و تمدن کی ایسی رفیع الشان عمارت تعمیر ہوئی جسے لیل و نہار کی گردشیں بھی نہ ڈھا سکیں گی۔

یوں تو سید المرسلین کی بہت سی حیثیتیں تھیں لیکن آپ کو سب سے زیادہ اپنی جو حیثیت عزیز تھی یہی "معلم کتاب و حکمت" ہونا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے ایک دلچسپ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ:

آنحضرتؐ ایک دن مسجد نبوی میں تشریف لائے اور صحابہ کرامؓ کے دو حلقے دیکھے۔ ایک تلاوت و دعا میں مصروف تھا دوسرا درس و تدریس میں مشغول! آنحضورؐ نے پہلے ارشاد فرمایا "دونوں اچھے کام میں مشغول ہیں" پھر اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا کہہ کر علمی حلقے میں بیٹھ گئے۔ (دارمی)

سب سے پہلے ہم یہ دیکھیں کہ جو کتاب عظیم، انسانیت کے سب سے بڑے محسن و معلم نے پیش کی تھی وہ علم کے بارے میں اور اس کے مقاصد کے بارے میں ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے۔

علم کی ضرورت و اہمیت:

منتخبہ ذیل آیات علم کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کو اجاگر کرتی ہیں،

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰہٰ - ۱۴) — (اے محمدؐ) فرما دیں کہ اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (زمر - ۹) — کیا عالم اور جاہل دونوں برابر ہو سکتے ہیں

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (نحل - ۴۳) — اگر تم کو علم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لیا کرو

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ — اللہ تعالیٰ تم میں سے مومنین اور اہل علم

وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ — کے درجے بلند کرے گا۔
(المجادلہ — ۱۱)

علم کے مقاصد:

قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ انسان علم کو عطیۂ الٰہی سمجھے، علم کو خوف الٰہی کا وسیلہ بنائے اور علم کے ذریعہ تزکیۂ نفس کرے۔ یہی علم کے اہم ترین مقاصد ہیں۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا — اور ہم نے انسان کو ساری چیزوں کے نام
(البقرۃ — ۳۱) — (علم الاشیاء) سکھا دیے۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ — اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو صحیح معنوں میں
الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر — ۲۸) — عالم ہوں۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ — اے اللہ ایسا پیغمبر بھیج جو ان پر تیری آیات
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ — تلاوت کرے، کتاب کی تعلیم دے
(البقرۃ — ۱۲۹) — حکمت سکھائے اور تزکیۂ نفوس فرمائے

آیئے اب ہم آپ کو یہ بتلائیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اور ارباب علم کی فضیلت نظری طور پر خود کیا متعین فرمائی ہے؟

علم کی فضیلت کے بارے میں چند ارشادات نبوی ملاحظہ ہوں:

فرمایا:

"علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔
علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔" — بیہقی

"ہر مسلمان (مرد و زن) پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔" — بیہقی

"علم کا حاصل کرنا، اس پر عمل کرنا اور اس کی اشاعت کرنا تم پر فرض ہے"

Marfat.com

ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک علم حاصل کرو۔" (مشکوٰۃ)

عالم اور متعلم کے بارے میں ہادیٔ اسلام نے فرمایا:

"جس سے علم سیکھو اس کی عزت کرو۔" (ترمذی)

"بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور یہ یقین جانو کہ نبیوں نے (کسی کو) دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ صرف علم کا وارث بنایا۔" (ترمذی)

"خیر سکھانے والے (معلم خیر) کے لیے اللہ اور اس کے فرشتے، آسمان والے اور زمین والے، یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں تک دعائے رحمت کرتی ہیں۔" (ترمذی)

"قیامت کے روز تین جماعتیں شفاعت کریں گی۔ انبیاء، علماء، شہداء۔"

(ابن ماجہ)

"عالم اور متعلم دونوں اجر و ثواب میں برابر کے شریک ہیں۔" (ابن ماجہ)

طالب علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے سید العلماء نے فرمایا:

"جو علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلے۔ وہ اللہ کی راہ (جہاد) میں ہے۔ جب تک لوٹ نہ آئے۔" (ابوداؤد)

"طالب علم کی راحت کے لیے فرشتے اس کے قدموں میں پر بچھاتے ہیں۔"

(ابوداؤد)

"طالب علم، حصولِ علم کی حالت میں مرتا ہے تو شہید مرتا ہے۔" (مشکوٰۃ)

"جس نے ایک طالب علم کی عزت کی۔ اس نے ستر شہیدوں کی عزت کی۔"

(مشکوٰۃ)

جہالت پر علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے "معلم کتاب و حکمت" نے ارشاد فرمایا:

"عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کو

Marfat.com

تمام ستاروں پر ہوتی ہے۔" (ترمذی)

"عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ مسلمان پر ہے۔"

(ترمذی)

"جو عالم فرض پڑھ کر لوگوں کو خیر سکھانے کے لیے بیٹھ جاتا ہے اس کی فضیلت اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم پر ہے۔" (مشکوٰۃ)

"علم میں اضافہ کرنا عبادت کی کثرت سے افضل ہے۔ دینداری کی جڑ پرہیزگاری (ورع) ہے۔" (بیہقی)

"شیطان پر ایک ہزار عابدوں کی بجائے ایک عالم بھاری ہے۔" (سیوطی)

علم کے پست مقاصد کے بارے میں آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا:

"علم اس لیے نہ حاصل کرو کہ علماء پر فخر جتلاؤ اور مجلس میں اونچی جگہ پر بیٹھو۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کے لیے دوزخ ہے۔"

"جس شخص نے علم اس غرض سے حاصل کیا کہ وہ اس سے علماء سے مناظرہ کرے گا یا سفہاء سے جھگڑے گا، یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔"

"جس شخص نے وہ علم سیکھا جس سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے لیکن اس غرض سے سیکھا کہ وہ اس سے دنیا کی متاع حاصل کرے گا تو قیامت کے دن اسکو جنت کی خوشبو میسر نہ آسکے گی۔"

مزید برآں مثبت طور پر علم کے مقاصدِ عالیہ بھی خاتم الانبیاء نے خود ہی متعین فرما دیے:

"جو کوئی میرا قول اس لیے نقل کرے کہ اللہ کا دین سربلند ہو اس کا مقام جنت ہے۔"

Marfat.com

"علم سیکھنے کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔" (ابوداؤد)

"علم حاصل کرو کیوں کہ اللہ کے لیے علم کی تحصیل خشیتِ الٰہی ہے علم کی طلب عبادت ہے اور علم کا مذاکرہ تسبیح ہے۔"

"اللہ تعالیٰ کو اپنے جس بندے کی بھلائی منظور ہوتی ہے اس میں تین وصف پیدا کر دیتا ہے۔

دین کا فہم، دنیا سے بے زاری اور اپنے عیوب کی پرکھ۔

یہاں ماہر تعلیم علامہ برہان الدین زرنوجی کا ایک اقتباس پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں انہوں نے تعلیم کے مقاصد پر بحث کی ہے۔

"علم حاصل کرنے سے طالب علم کی نیت اللہ تعالیٰ کی رضا ہونا چاہیے اور یہ بھی نیت کرے کہ جہالت کو اپنے نفس سے دور کروں گا نیز علم کے ذریعے دین کو زندہ رکھنے اور اسلام کو باقی رکھنے کی بھی نیت کرے اور علم حاصل کرنے میں یہ نیت بھی کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو عقل عنایت فرمائی ہے اور میرا بدن تندرست رکھا ہے اس کا شکر ادا کر رہا ہوں۔ علم سے یہ نیت نہ رکھے کہ لوگ میری طرف متوجہ ہوں گے اور دنیا کھنچ کر آئے گی اور حکمرانوں کے نزدیک علم کے ذریعہ عزت حاصل ہوگی۔"

اسلامی نظامِ تعلیم کی اُصولی نوعیت

یہاں ہم عہد نبوی کے نظام تعلیم کی نمایاں خصوصیات بیان کریں گے تاکہ اس کی اصولی نوعیت اور اس کے خدوخال کو سمجھا جا سکے بلاشبہ دنیا کے تعلیمی نظاموں میں اسلامی نظام تعلیم ممتاز ہے۔

Marfat.com

صحیح مقصد کا تعین ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عرفان الٰہی

اس کارگاہِ ہستی میں بہت سے تعلیمی نظام رائج رہے ہیں لیکن ان میں سے بعض تعلیم نظام وہ تھے جن کا نہ کوئی واضح مقصد تھا، نہ متعین نصب العین! پھر دنیا کے اکثر و بیشتر نظام ہائے تعلیم میں صرف مادی و حیوانی مقاصد مدِ نظر رہے ہیں۔ سید الکونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے دور میں تعلیمی نظام کے مقاصد متعین فرما دیے بلکہ اپنے پیروکاروں کو تعلیم کے اخلاقی و روحانی مقاصد سے بھی آشنا کر دیا۔

اسلام کے تعلیمی نظام میں مقصود نہ صرف دولت دنیا ہے۔ نہ علمی تفاخر، نہ شہرت و مباہات۔ پیغمبر اسلامؐ نے جن مقاصد محمودہ کی ترغیب دلائی وہ یہ تھے۔

خدا کی ناراضی کا ڈر (خشیتِ الٰہی) خدا کی رضا کی طلب، فرائض دینی کا علم اور ان کی ادائی کا اہتمام، تزکیۂ نفس یا تعمیر کردار، دنیا سے بے نیازی اور اللہ تعالیٰ کے دین کا احیاء وغیرہ۔

دنیا کے تعلیمی نظاموں میں یہ امر ہمیشہ مشکوک رہا کہ تعلیم کا بنیادی مقصد کیا ہے؟ بہت سے مقاصد کی فہرست میں کسے سرِ عنوان بنایا جائے۔ تعلیم کی غایت انتہائی ۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا ہے؟

سید الکونینؐ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ آج تک عقلاء، فلاسفہ، ماہرینِ تعلیم اور دانش ور جس مسئلے کو طے کرنے میں حیران و سرگرداں ہیں اُسے روزِ اوّل ہی طے فرما دیا اور وہ یہ کہ خشیتِ الٰہی اور رضائے الٰہی بنیادی مقاصد تعلیم ہیں۔ رہے دوسرے مقاصد تو وہ ضمنی اور ثانوی اہمیت رکھتے ہیں۔

سرورِ کائنات نے ایک مرتبہ واضح طور پر ارشاد فرمایا:

"علم کا سکہ خشیتِ الٰہی ہے"

Marfat.com

ایک دوسرے موقع پر صراحت فرمائی،

"علم سیکھنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے"

معلوم رہے کہ خشیت الٰہی اور رضائے الٰہی دونوں ایک حقیقت (یعنی عرفان الٰہی) کے دو پہلو ہیں، ایک اس کی ناراضی کا خوف، دوسرے اس کی رضا کے حصول کی آرزو:

نسلی تعصبات سے پاک نظامِ تعلیم:

قدیم ہندوستان کی تاریخ میں صرف برہمن کو تعلیم و تعلم کا کلی استحقاق حاصل تھا یہاں تک کہ وید مقدس کا کوئی فقرہ اگر کسی شودر کے کان میں پڑ جاتا تو اس میں پگھلا ہوا سیسہ چلا دیا جاتا۔ عصرِ حاضر میں امریکہ کی نام نہاد ترقی یافتہ مملکت کی بیس ریاستوں میں سیاہ فام یا سیاہ فام قوموں کو اجازت نہیں کہ وہ سفید فام اقوام کے ساتھ ایک ہی مدرسے یا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر سکیں لیکن عہدِ نبوی کے نظامِ تعلیم کی یہ شان تھی کہ یہ ہر قسم کے نسلی تعصبات سے پاک تھا جہاں مسجدِ نبوی میں ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے زعمائے قریش (عرب) تعلیم پاتے تھے وہاں سلمان فارسیؓ، بلال حبشیؓ اور صہیب رومیؓ علم و عرفان کی دولت سے بہرہ مند ہو رہے تھے۔

تعلیم کا عوامی تصور:

ایتھنز کے نظامِ تعلیم پر نظر ڈالی جائے! یہاں صرف آزاد مرد، علم کے اجارہ دار تھے عورتیں، بچے، لونڈی، غلام سب دولتِ علم سے محروم تھے۔ ہندوستان میں بھی آریہ جاتی کے برہمن مرد تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان کی عورتیں بچے بھی تعلیم سے بہرہ مند نہ تھے۔ بعثتِ نبوی کے وقت عرب میں پڑھے لکھے افراد کی تعداد بھی بڑی محدود تھی۔ خود یورپ میں پندرہویں صدی میں جا کر ہر تعلیم کامینس (COMENIUS) نے آواز اٹھائی کہ تعلیم ہر شخص کا پیدائشی حق ہے۔ سیدنا کریمؐ نے تقریباً ایک ہزار برس پہلے تحصیل علم کو ہر مسلمان (مرد و عورت)

Marfat.com

کا مذہبی فریضہ قرار دے دیا تھا۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ

علمی بے تعصبی :

ازمنۂ قدیم میں دنیا کی اکثر و بیشتر اقوام کسی دوسری قوم کے علماء اور دانش وروں کے افکارِ عالیہ سے علمی استفادہ کو پسند نہ کرتی تھیں اور دوسری قوموں کی زبانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ عصرِ حاضر میں بھی وطنیت و قومیت کے فتنے نے جہاں قوموں اور نسلوں کو اپنے علوم و فنون پر فخر کرنا سکھایا ہے وہاں انہیں دوسری قوموں کے علوم اور ادبیات سے بے تعلق و بے نیاز کر رکھا ہے۔

لیکن سید الانبیاء نے اپنی اُمت کو یہ تعلیم دی کہ "حکمت کا کلمہ مومن کی گمشدہ میراث ہے جہاں کہیں اس کو پائے اخذ کرے۔ اور یہ محض نظری تعلیم نہ تھی بلکہ عملی مثالیں بھی عہدِ نبوی میں ملتی ہیں کہ :

ا۔ سید المرسلینؐ نے انصار کے بچوں کو (بدر کے) غیر مسلم جنگی قیدیوں سے تعلیم سیکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

ب۔ اسی طرح کتبِ سیرت میں یہ واقعہ درج ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنے سیکرٹری (SECRETARY) حضرت زید بن ثابتؓ کو دوسری اقوام کی زبانیں سیکھنے کی ترغیب دلائی۔

حفظ و کتابت دونوں پر توجہ :

اُس دور کے طرزِ تعلیم میں حافظے پر زیادہ اعتماد کیا جاتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ تحریر و کتابت کی طرف بھی عہدِ نبوی میں توجہ دی جانے لگی جس کا رواج آج کی دنیا میں بہت زیادہ ہے۔

Marfat.com

علم و عمل کا ربطِ باہم :

دنیا کے قدیم و جدید تعلیمی نظاموں پر اسلام کے نظامِ تعلیم کو اس پہلو سے بھی فوقیت ہے کہ اس نے علم اور عمل کے باہمی ربط و تعلق پر زور دیا مثلاً :

"سخت عذاب اس عالم پر ہوگا جس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اُٹھایا"

(الحدیث)

"علم نافع کی آرزو کرو۔ اور بے فائدہ علم سے پناہ مانگو" (الحدیث)

"علم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو گزر کر دل میں گھر کر لیتا ہے۔ یہی نفع بخش علم ہے۔ دوسرا وہ جو زبان پر ہی رہتا ہے۔ وہ اللہ کی عدالت میں ابنِ آدم کے خلاف حجت بنے گا۔ (الحدیث)

حصولِ علم کے لیے سفر:

سیدالکونینؐ نے تحصیل علم کے لیے صحابہ کرام اور عامۃ المسلمین کو سفر کرنے کی ترغیب دی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلا وہ واپس آنے تک اللہ کے راستے میں ہے"

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ کس طرح متعدد قبائل کے افراد سفر کر کے اکتسابِ علم کے لیے مرکزی دار العلوم (مسجد نبوی) میں جمع ہوتے تھے۔

مسلمانوں میں حصولِ علم کے لیے سفر کا ذوق و شوق عہد نبوی سے ہی چلا آتا ہے جو بعد میں تحصیلِ علم حدیث سیکھنے کے لیے صحابہ کرامؓ اور علمائے حق نے بڑے طویل سفر کیے۔

Marfat.com

نصابِ تعلیم :

اُس دور کے نصابِ تعلیم کے بارے میں ہمارے پاس تاریخی مواد بہت کم ہے البتہ یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ دینی علوم کے پہلو بہ پہلو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے دوسرے علوم و فنون مثلاً :

علم ریاضی ، مبادیٔ طب ، علم ہیئت یا علم فلکیات ، علم انساب ، علم تجوید ، اور فنِ خطاطی جیسے علوم مفیدہ کو سیکھنے کی یا تو اجازت دی یا ان کی تحصیل کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

علاوہ ازیں جسمانی صحت کو بحال رکھنے کے لیے نشانہ بازی ، شہ سواری ، پیراکی اور کشتی کا فن سیکھنے کی اجازت دی اگرچہ ان جملہ مضامین کی بیک وقت تعلیم کا کسی درس گاہ میں بھی انتظام نہ تھا۔

یہاں یہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی یہ طے فرما دیا تھا کہ مسلمانوں کے نظامِ تعلیم و تدریس میں اولیت کن مضامین کو حاصل ہوگی ؛ اسی طرح نصابِ تعلیم میں علوم کی اضافی اہمیت (RELATIVE IMPORTANCE) کا معاملہ ہمارے ہاں شروع میں ہی طے ہو گیا تھا۔

ابوداؤد میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصل علم تین چیزوں کا علم ہے۔ آیت محکمہ ، سنت قائمہ اور فریضہ عادلہ یا

اَلْعِلْمُ ثَلٰثَةٌ اٰيَةٌ مُّحْكَمَةٌ اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ۔

اس حدیث پاک میں آیت محکمہ سے مراد آیاتِ قرآنی ہیں۔ سنت قائمہ کے معنی ہم کو کی احادیث آتی ہیں اور فریضہ عادلہ سے مراد فقہ یا فرائض و ضیہ ہیں۔ ان تینوں علوم کو قرآن علم کو افضل ترین قرار دیا گیا۔

Marfat.com

ارشادِ نبوی ہے :

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ	تم میں سے افضل وہ ہے جو قرآن مجید سیکھے اور سکھائے۔

تعلیم نسواں :

عہد نبوی میں تعلیم کے فروغ کے لیے آنحضرتؐ کی ازواجِ مطہرات آنحضورؐ کا ہاتھ بٹاتی تھیں حضرت ام سلمہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور جناب عائشہ رضی اللہ عنہا تو اپنے وقت کی سب سے بڑی معلمہ تھیں جن کے بارے میں خود لسانِ نبوت پر یہ جملہ جاری ہوا۔

"آدھا علم عائشہؓ سے حاصل کرو"

حضرت عائشہؓ کے علمی مرتبے کے بارے میں عظیم محدث امام زہری کا خیال ہے :

"اگر تمام صحابہؓ کا علم ایک پلڑے میں ہو اور عائشہؓ کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو عائشہ کے علم کا پلڑا بھاری رہے گا"

لیکن یہ معلوم رہے کہ اسلام نے مخلوط نظامِ تعلیم کی روایت کو کسی مرحلے پر نہیں اپنایا۔ آنحضورؐ نے تو عورتوں کو نمازِ جمعہ، نمازِ جنازہ اور جہاد جیسے اہم فرائض سے بھی مستثنیٰ قرار دے دیا تھا تاکہ مرد و زن کا اختلاط نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضورؐ نے عورتوں کے اجتماع کے لیے الگ مخصوص دن مقرر فرما دیا اور یہ بدھ کا دن تھا۔ اس بارے میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ مسجدِ نبوی میں عورتوں کے داخلے کے لیے دروازہ بھی الگ تھا۔ مسجدِ نبوی کا یہ دروازہ اب تک "باب النساء" کے نام سے موسوم ہے۔

امہات المومنین کے علاوہ صحابیات کو بھی علمِ دین سیکھنے کا بے حد شوق تھا ان کے ذوق و شوق کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جو صحیح بخاری میں ابو سعید سے مروی ہے کہ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابیہ حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ کی باتیں

Marfat.com

مردوں نے خوب حاصل کر لی ہیں (اور ہم محروم رہی جاتی ہیں) لہذا اپنی طرف سے ہمارے لیے ایک دن مقرر فرمائیں جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ ان معلومات میں سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہیں ہمیں بہرہ مند کریں۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا "اچھا فلاں فلاں دن اور فلاں جگہ پر تم جمع ہو جانا" چنانچہ مقررہ دن اور جگہ پر صحابیات جمع ہو گئیں۔ آنحضرتؐ وہاں تشریف لے گئے اور ان کو اللہ کے دیے ہوئے علوم میں سے بہت کچھ بتایا"

اسی طرح بخاری شریف میں "باب کتاب العلم" میں حضرت عائشہؓ کی زبان مبارک سے انصاری خواتین کی مدح میں ایک جملہ درج ہے:

"اچھی عورتیں ہیں انصار کی عورتیں کہ دینی معلومات حاصل کرنے میں انہوں نے کبھی حجاب نہیں کیا" (چہل احادیث صفحہ ۱۰۰)

نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ یَمْنَعْهُنَّ الْحَیَاءُ اَنْ یَتَفَقَّهْنَ فِی الدِّیْنِ۔

عہد نبوی میں شریف زادیوں کے علاوہ لونڈیوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی تدبیر کی گئی چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

"جس کے پاس لونڈی ہو اور وہ اسے اچھی تعلیم دے اور اچھی تربیت کرے پھر اس کو آزاد کر کے باضابطہ نکاح کرے تو اسے دوگنا ثواب ہے"

Marfat.com

اُستاد و شاگرد کے حقوق و فرائض

اساتذۂ کرام کے فرائض

محبت و شفقت

معلّم کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آئے۔ رحمۃ للعالمینؐ نے صحابہ کرام کو تاکید فرمائی تھی "لوگ تمہارے پاس زمین کے دور دراز گوشوں سے دین کا علم حاصل کرنے کے لیے آئیں گے۔ پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے اچھا سلوک کرنا"

اسی طرح معلّمین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کی تھی "علم سکھاؤ اور سختی نہ کرو، معلّم شفیق، سخت گیر استاد سے بہتر ہے"۔ نیز تاکید فرمائی:

"لوگوں سے اُن کے فہم اور ذہنی استعدادوں کے مطابق کلام کرو"

تعلیم کا حکیمانہ انداز:

اپنے شاگردوں سے محبت و رافت کا اقتضاء یہ بھی ہے کہ معلّمین اپنے شاگردوں کو حکمت آمیز پیرائے میں تعلیم دیں تاکہ طلباء میں تعلیم کا شوق باقی رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ [illegible] کو وعظ کیا کرتے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت روزانہ وعظ فرمایا کریں۔ فرمایا میں تم [illegible] چاہتا اور میں تمہارا ایسا ہی خیال رکھتا ہوں جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا

Marfat.com

خیال فرماتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ	لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف حکمت
بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ	اور اچھے وعظ سے راغب کرو۔

طلباء کی ذہنی استعداد کا لحاظ:

معلم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ شاگردوں کی ذہنی استعداد کا پورا پورا لحاظ رکھے۔ سید الکونین کا ارشاد عالی ہے "لوگوں سے ان کے فہم کے مطابق بات چیت کرو۔"

اس ضمن میں امام غزالی کا یہ ناصحانہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب شاگرد کا حال معلوم ہو جائے کہ کوتاہ بین اور کم عقل ہے تو اسے استاد یہ کبھی نہ کہے کہ اس کے علاوہ کوئی دقیق (گہری) بات بھی ہے جو ہم نے تم کو نہیں بتلائی۔ کیوں کہ ہر شخص کو اپنی عقل و ذہانت پر غیر معمولی اعتماد ہوتا ہے۔

نیز معلم اپنے غبی شاگردوں کو زیادہ سخت سست نہ کہے کہ جس سے اس کی عزت نفس مجروح ہو جائے۔

تقرب خداوندی کی طلب:

مناسب ہے کہ ہر استاد طالب علم کو آخرت کے علوم سکھانے والا ہو یا دنیا کے علوم آخرت کی فوز و فلاح کے نقطۂ نظر سے پڑھانے والا ہو۔ اُسے لازم ہے کہ طالب علم کے دل میں دنیا سے بے رغبتی پیدا کر دے اور اسے آخرت کی کامیابی کے لیے فکر مند کرے پھر علوم سکھاتے وقت معلم کو اپنے مشاہرے یا معاوضے پر نظر نہ رکھنی چاہیے بلکہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہنا چاہیے۔

Marfat.com

اخلاقی تربیت :

معلم کا ایک اہم فرض یہ ہے کہ وہ طالب علم کے اخلاق و کردار کو سنوارنے اور اس مقصد کے لیے شاگرد کو نصیحت کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھے۔ ہر استاد اپنے شاگرد کی بُری عادتوں اور اخلاقی کمزوریوں پر کڑی نظر رکھے اور مہر و محبت سے ان کو رفع کرنے کی کوشش کرے جیسے ماہر معالج اپنے مریض کی بیماریوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ استاد اس سلسلہ میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور طریق اصلاح و تربیت پر نظر رکھے جنہیں تاریخ عالم میں نفوس انسانی کی اصلاح میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔

رواداری اور عالی ظرفی :

استاد کا یہ بھی فرض ہے کہ طالب علم کے دل میں اپنے مضمون کا صحیح ذوق پیدا کرے۔ نیز اس کے سامنے دیگر علوم و فنون کی بے وقعتی ظاہر نہ کرے۔

مثلاً زبان و ادب کا معلم کبھی علم فقہ کی برائی نہ کرے یا انگریزی و حساب کا استاد اسلامیات یا دینیات کے مضمون کو صحیح نہ ٹھیرائے۔

کوئی استاد کسی شاگرد کی زبان دوسرے اُستاد کی برائی نہ سُنے بلکہ اپنے شاگرد کو ٹوک دے اور خود بھی اپنے شاگردوں کے سامنے دوسرے اُستادوں کی تحقیر و تذلیل نہ کرے۔ البتہ اگر کوئی غیر ذمہ دار اُستاد اسلام یا نظریۂ پاکستان کے خلاف زہر افشانی کرے یا طلباء میں فسق و فجور پھیلائے تو ایسے اُستاد کے شر سے نئی پود کو محفوظ رکھنے کے لیے محتاط انداز میں مذکورہ استاد کے غلط افکار و اعمال سے بچنے کی طلباء کو تلقین کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

کم علمی اور بے بضاعتی کا اقرار :

معلم کو اپنے مضمون پر پوری دسترس ہونا چاہیے اس کے ساتھ ہی ساتھ استاد کو ہمیشہ راست گفتاری سے کام لینا چاہیے اور جو مسئلہ معلوم نہ ہو اس کے بارے میں صاف کہہ دینا چاہیے کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ (لا اعلم) اس مسئلہ کو ہم خود سوچ کر بتائیں گے یا دوسرے سے پوچھ کر بتائیں گے۔

حدیث نبوی ہے :

"اگر کسی نے بلا علم کے مسئلہ بتا دیا تو اس کا وبال بتانے والے پر ہوگا۔"

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ بلا تحقیق، کسی سوال کا جواب دینے کے بڑے مفاسد ہیں مثلاً :

"اگر طالب علم کو علم ہو گیا کہ اُستاد نے غلط سلط بتا دیا تو اس سے دل میں نفرت پیدا ہو گی جس سے استادی کے حقوق ادا کرنا دشوار ہوگا اور اگر نہ پتہ لگا تو بے چارہ طالب علم عمر بھر جہل میں مبتلا رہا۔"

قول و عمل میں مطابقت :

معلم کے لیے سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ وہ عالم باعمل ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے قول و فعل میں تضاد ہو۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے :

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ تم اس بات کی نصیحت کیوں کرتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔

فارسی ادب کا محاورہ ہے۔ "دیگراں را نصیحت، خود میاں فضیحت"

Marfat.com

سادہ طرزِ زندگی:

استاد کو فخر و خود نمائی ترک کر کے سادہ لباس پہننا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"سادہ لباس پہننا ایمان کی علامت ہے۔"

ایک دوسری حدیث ہے:

"جس نے دکھاوے کے لیے کپڑا پہنا اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنایا جائے گا۔"

تاہم استاد کو صاف ستھرا اور اُجلا لباس پہننا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو میلے کچیلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا "کیا اس کے پاس کچھ نہ تھا جس سے وہ اپنے کپڑے دھو کر صاف کر لیتا۔"

ایک گرد آلود بکھرے بالوں والے شخص کو دیکھ کر فرمایا:

"کیا وہ اتنا بھی نہیں کر سکتا کہ اپنے بالوں کو درست رکھے۔"

اسی طرح فرمایا:

"اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اگر اس نے اپنے کسی بندے کو اپنی نعمتوں سے بہرہ ور کیا ہے تو ان نعمتوں کا اثر اس پر نمایاں ہو۔"

پس معلم کا لباس سادہ بھی ہونا چاہیے اور صاف ستھرا بھی۔

Marfat.com

شاگرد یا طالب علم کے فرائض

طالب علم کے فرائض دو قسم کے ہیں۔ ایک استاد کی ذات سے متعلق، دوسرے علوم کے بارے میں۔ پہلے ہم اُن کے اساتذہ کے بارے میں مزید فرائض بیان کریں گے۔

ادب و احترام:

شاگرد کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے استاد کا احترام و اکرام کرے۔ سید الاتقیاءؒ کا ارشاد ہے،

"علم سیکھو اور اس کے لیے طمانیت و وقار اختیار کرو اور جس سے علم سیکھو اس سے تواضع و ادب سے پیش آؤ"

نیز فرمایا:

"جس نے کسی کو کتاب اللہ کی تعلیم دی۔ وہ اس کا آقا و مولیٰ ہے"

مولانا اشرف علی تھانوی نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعہ سے اُستاد کے اپنے شاگردوں پر درج ذیل حقوق ثابت کیے ہیں:

اوّل: شاگرد اُستاد کی خدمت میں حاضر ہوا کرے۔

دوم: اگر استاد کسی اعتبار سے شاگرد سے کم ہو (مثلاً دولت و وجاہت میں) تب بھی اس کی اتباع کرے۔

سوم: جس بات کے پوچھنے سے استاد منع کرے نہ پوچھے۔

چہارم: اگر استاد کے مزاج کے خلاف (سہواً) کوئی بات ہو جائے تو معذرت کرے۔

Marfat.com

پنجم : اُستاد کی علالت طبع (بیماری) کے وقت سبق پڑھنا چھوڑ دے۔

علامہ برہان الدین زرنوجی نے تعلیمِ علم کے یہ سات طریقے بیان کیے ہیں کہ وہ ان اُمور کا لحاظ رکھے۔

- راستہ چلتے وقت استاد کے آگے نہ چلے۔
- اُستاد کی جائے نشست (کرسی) وغیرہ پر نہ بیٹھے۔
- اُستاد کی اجازت کے بغیر کلام کا آغاز نہ کرے۔
- اُستاد کے سامنے دراز کلامی (لمبی چوڑی باتوں) سے بچے۔
- اُستاد کی پریشانی کا سبب نہ بنے۔
- اس وقت کا خاص خیال رکھے جو استاد نے درس کے لیے مقرر کر دیا ہے۔
- اُستاد کے آنے کا انتظار کرے اور صبر سے کام لے۔

علامہ موصوف نے اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے:

- "جس نے مجھ کو ایک حرف کی بھی تعلیم دی۔ میں اس کا غلام ہوں خواہ وہ مجھے بیچ ڈالے یا غلام بنا کر رکھ چھوڑے۔"

گوش بر آواز ہونا (توجہ سے سننا):

تعلیم و تعلم کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ شاگرد استاد کی سامنے چپ بیٹھے شور و غل نہ کرے۔

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ کے وقت حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں کو چپ کرا دو۔ جس سے معلوم ہوا کہ استاد کی تقریر کے وقت طالب علم کو بالکل خاموش رہنا چاہیے۔

عبداللہ بن مبارک کا قول ہے:

Marfat.com

"علم نیت سے شروع ہوتا ہے پھر توجہ کے ساتھ سننا ہے پھر فہم ہے، پھر حفظ ہے، پھر عمل ہے، پھر اس کی اشاعت ہے۔

حُسنِ اعتماد اور سپردگی:

تعلیم کے دوران معلّمین اور کتابوں دونوں کے انتخاب میں طالبِ علم کو اپنے معلّم پر پورا پورا اعتماد کرنا چاہیے۔

امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ کوئی طالبِ علم اپنے علم پر غرور نہ کرے، نہ استاد پر حکم چلائے بلکہ اپنے معاملہ کو ہر حال میں بالکل اس کے اختیار پر چھوڑ دے اور معلّم کی نصیحت کو اس طرح مانے، جس طرح کوئی جاہل بیمار شفیق و حاذق طبیب کی بات مانتا ہے۔

علامہ برہان الدین زرنوجی زیادہ واضح الفاظ میں اسی نکتہ کو بیان کرتے ہیں۔

"طالبِ علم کو چاہیے کہ خاص قسم کے علم و فن کو اپنی رائے سے اختیار نہ کرے"

اور استاد کی رائے پر اعتماد کرے۔ اس بارے میں علامہ موصوف نے ایک دلچسپ مثال بیان کی ہے کہ محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ اپنے استاد امام محمد بن الحسنؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فقہ پڑھنا چاہی۔ انھوں نے امام بخاریؒ کا مزاج سمجھ کر فرمایا، جاؤ تم علم حدیث حاصل کرو۔ چنانچہ انھوں نے علم حدیث حاصل کیا اور تمام ائمہ حدیث کے سرتاج و سرخیل بن گئے۔

عُذر خواہی:

اگر استاد کسی سبب ناراض ہو جائے تو طالبِ علم کے لیے لازم ہے کہ وہ عذر خواہی کرے اور استاد کی ناراضگی کو دور کرنے کی تدبیر کرے۔ اس سلسلے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کا ایک نسخہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور اس کو پڑھنا شروع کیا جس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور متغیر ہوا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اے عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کو دیکھیے کہ ناخوشی کے آثار پائے جاتے ہیں" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھتے ہی فرمایا، "میں اللہ اور اللہ کے رسول کے غصہ سے پناہ مانگتا ہوں"

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر استاد کسی بات پر غصہ کرے تو شاگرد کو صبر کرنا لازم ہے۔

اس ضمن میں علامہ برہان الدین زرنوجی کا یہ جملہ قابل توجہ ہے۔

"چاپلوسی اور تملق مذموم ہے مگر طلب علم میں تملق جائز اور محمود ہے" یعنی استاد کی خوشامد تملق کرنے میں کسی شاگرد کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

دور از کار سوالات کرنے سے ممانعت:

شریعت مطہرہ نے شاگرد کو اپنے معلم سے اور مرید کو اپنے مرشد سے مناسب اور موزوں سوالات پوچھنے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام نبی اکرمؐ سے سوالات پوچھا کرتے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس سے لوگوں نے سوال کیا۔ آپ نے اتنا علم کس طرح حاصل کیا؟ تو انھوں نے جواب دیا بہت زیادہ سوال پوچھنے والی زبان سے، اور عقل والے دل سے۔ متعلم کو اپنے معلم سے غیر ضروری سوالات نہ پوچھنا چاہیں۔ حضور اقدسؐ نے تمام لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے اور استاد کی شان تو دوسروں سے کہیں بڑھ کر ہے اسے مغالطے میں ڈالنا تو کہیں زیادہ نازیبا فعل ہے۔

معلم کی خدمت گزاری:

بعض لوگ اپنے استاد کی تعظیم و تکریم کا پورا خیال نہیں کرتے حالاں کہ استاد کا احترام اور خدمت کا شرف حاصل ہونا قابل فخر بات ہے۔ قاضی امام فخرالدین ارسابندی جو مرو (ایران) کے عظیم المرتبت

Marfat.com

فاضل تھے اور علماء اور بادشاہ سب کے نزدیک معزز اور محترم تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جو عزت و شان پائی ہے اس کا سبب اپنے استاد قاضی ابو زید کی خدمت گزاری ہے۔ میں تو ان کے لیے کھانا تک پکا دیا کرتا تھا حالاں کہ خود شریک طعام نہ ہوتا تھا۔

دُعائے خیر:

اُستاد اگر زندہ ہو تو اس کے لیے دعائے خیر کی جائے اور اگر فوت ہو چکا ہو تو اس کے لیے دعائے مغفرت کی جائے۔ ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو شخص تم پر احسان کرے تم اس کا بدلہ چکا دو، ورنہ کم سے کم اپنے محسن کے لیے دُعا ضرور کرو۔ چونکہ اچھی تعلیم و تربیت اُستاد کا اپنے شاگرد پر سب سے بڑا احسان ہوتا ہے اس لیے شاگرد کو استاد کے لیے دعائے خیر کرتے رہنا چاہیے۔

یہاں تک ہم نے طالب علم کے صرف ان فرائض پر بحث کی ہے جو استاد کے بارے میں اُس پر لازم ہیں اور جنہیں حقوق معلمین بھی کہا جا سکتا ہے۔ اب ہم طلباء کے ان فرائض کو بیان کریں گے جو تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں ہر طالب علم پر عاید ہوتے ہیں اور جن کی تفصیل احیاء العلوم میں امام غزالیؒ نے بیان فرمائی ہے۔

Marfat.com

مساجد کی اہمیت

دنیا بھر کی مساجد میں تین مسجدوں کو خاص تقدس حاصل ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کے لیے رختِ سفر نہ باندھو۔ ایک مسجد حرام (خانہ کعبہ)، دوسری مسجد نبوی اور تیسری مسجد اقصیٰ"۔

اس حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ ان تینوں مساجد کو دیکھنا ہی عبادت ہے۔ رہیں دوسری مساجد، تو ان میں عبادت کی جائے گی تو اجر و ثواب ہوگا۔ ان کی محض زیارت باعثِ ثواب نہیں۔

ہوسکتا ہے کہ تعمیری خوبیوں کے لحاظ سے جامع مسجد اصفہان، جامع مسجد دہلی اور لاہور کی بادشاہی مسجد بہت اعلیٰ ہوں، لیکن روحانی تقدس کے اعتبار سے انہیں وہ درجہ حاصل نہیں جو مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کو حاصل ہے۔

مسجد کے فضائل (آیاتِ قرآنی)

☆ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (التوبہ ۔ ۱۸)
اللہ کی مسجدوں کی تعمیر اور آبادی وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

☆ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ۔ (جن ۔ ۱۸)
بیشک مساجد اللہ کے لیے ہیں۔ سو تم اس کے ساتھ کسی دوسرے کو مت پکارو۔

☆ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ ۔ (النور ۔ ۳۶)
اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اس کے گھروں (مساجد) میں اسی کا نام پکارا جائے اور اسی کا نام بلند کیا جائے۔

Marfat.com

مسجد کی خدمت کرنے کے فضائل: (احادیث نبوی)

۱۔ جو شخص اللہ کے لیے مسجد بنائے، اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دے گا۔"
(بخاری و مسلم)

۲۔ جو شخص مسجد کی آبادی کی کوشش کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے آباد کرے گا۔"
(طبرانی)

۳۔ جس شخص کو مسجد سے محبت کرتے اور اس کی خدمت کرتے دیکھو، اس کے مؤمن ہونے کی شہادت دو۔"
(ترمذی)

۴۔ جب تم کسی شخص کو مسجد میں آنے جانے کا عادی پاؤ تو اس کے ایمان کے گواہ بن جاؤ۔
(ترمذی)

۵۔ اندھیروں میں مسجدوں کی طرف پیدل آنے والوں کو قیامت کی روشنی کی بشارت دو۔"
(ابوداؤد)

۶۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا، ان میں سے ایک وہ ہو گا کہ جب وہ مسجد سے نکلتا ہے تو واپسی تک اس کا دھیان اسی طرف لگا رہتا ہے۔"
(مشکوٰۃ)

۷۔ جو شخص پاک صاف ہو کر اللہ کے گھر کی طرف روانہ ہوا اس کا ہر قدم باعث ثواب ہے۔ ایک قدم اُٹھانے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، دوسرا قدم اُٹھانے سے درجے بلند ہو جاتے ہیں۔"
(مسلم)

۸۔ جو میری اس مسجد (نبوی) میں اچھی نیت سے آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کی مانند ہے۔"
(مشکوٰۃ)

***

Marfat.com

مسجدوں کی شان :

(احادیث نبوی کی رو سے)

۱۔ مسجدیں خانۂ خدا ہیں اور یہ جس کا مسکن ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے مہربانی، آرام اور پل صراط سے گزار کر جنت میں پہنچانے کی ضمانت دیتا ہے۔

۲۔ مسجدیں آخرت کے بازار ہیں۔

۳۔ مسجدیں جنت کے باغات ہیں۔

۴۔ دنیا کے بدترین مقامات بازاریں اور بہترین جگہ مسجدیں ہیں۔

مسجد کا تاریخی کردار

۱۔ دَارُ العِبَادَۃ : عبادت گاہ :

مسجد کی تعمیر کا اولین اور اہم ترین مقصد یہ ہے کہ وہاں عبادت اور ذکر الٰہی کیا جائے، بحوالے آیت :

اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۔ (جن - ۱۸)	مسجدوں کو اللہ کی یاد کے لیے مخصوص کر لو۔ (مفہوم)

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا جائز نہیں۔

ابوبکر جصاص، احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔ "یہ آیت بتاتی ہے کہ مسجدوں کو دنیاوی کاموں سے پاک صاف رکھنا واجب ہے جیسے خرید و فروخت، دستکاری، نیز دوسری بے فائدہ

Marfat.com

نادانی کی باتیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ مسجد میں باقاعدگی سے تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے حافظ ابن قیم "زاد المعاد" میں لکھتے ہیں کہ آپ فرض نمازیں مسجد میں ادا فرماتے۔ الا یہ کہ کوئی ایسی مجبوری پیش آجائے، جو مانع ہوتی جیسے سفر اور بیماری وغیرہ۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اعلان کروا دیا تھا کہ لوگوں کو کہہ دو کہ وہ پابندی کے ساتھ مسجد میں (عبادت کے لیے) آیا کریں ورنہ میں ایسے اشخاص اسود کروں گا جو ان کے سر قلم کر دیں۔

ڈاکٹر احمد شلبی نے بجا طور پر اپنی محققانہ تالیف "تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ" میں لکھا ہے:

"مساجد اس زمانے میں سیاست کے مراکز تھیں، انصاف کی عدالتیں تھیں، تعلیمی درس گاہیں تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عبادت گاہیں تھیں۔

ب۔ دار العلم: درس گاہ:

عہد رسالت میں مسجد نبوی اسلام کی سب سے بڑی دینی درس گاہ تھی اور صفہ اس مسجد کے ساتھ دار الاقامۃ کا کام دیتا تھا گو علامہ سبکی اور علامہ ابن خلکان کا اس امر میں اختلاف ہے کہ پہلے پہل کون سا دار العلوم قائم ہوا مگر دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے الگ مدارس بنانے کا کوئی رواج نہ تھا۔ مسجدیں عبادت گاہیں بھی تھیں اور درس گاہیں بھی۔ مولانا عبدالحی (ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء) اپنی تالیف "یاد ایام" میں لکھتے ہیں۔

"جس طرح اس زمانے میں مدارس کے واسطے جداگانہ عمارتوں کے بنانے اور ساز و سامان پر بے اندازہ روپیہ صرف کرنے کا دستور ہے۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں کبھی نہیں رہا۔ جس طرح اسلام کی پاک تعلیم ہم کو سادہ زندگی اختیار کرنے

کی ہدایت کرتی ہے اور مرنے جینے میں بھی سادگی ملحوظ رکھتی ہے اسی طرح ہماری تعلیم بھی سادہ طریقے سے ہوتی تھی۔ ہادی برحق روحی فداہ نے خاکِ پاک مدینہ میں جو پہلی عمارت بنائی تھی اور جس کو مسجدِ نبوی کہتے ہیں، وہ ہمارا پہلا مدرسہ ہے اس کے بعد جتنی دنیا میں مسجدیں تیار ہوئیں انہیں آپ مدارس سے تعبیر کر سکتے ہیں۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے مسجدوں سے الگ تعلیمی درس گاہیں کیوں قائم کیں؟ مورخین نے اس کے یہ بنیادی وجوہ بیان کیے ہیں۔

اوّل :۔ فروغ اسلام کے ساتھ ساتھ طلباء کی تعداد مسلسل بڑھتی گئی اور تعلیمی حلقوں کی مساجد میں تعداد بھی بڑھتی رہی حلقوں کے بڑھجانے اور تعلیم کے شور و شغب کے باعث الگ تعلیمی ادارے قائم کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔

دوم :۔ جب تعلیم کو ترقی نصیب ہوئی، نئے نئے مضامین کا اضافہ ہوا خصوصاً مباحثے اور مناظرے ہونے لگے اور مسجد کی خاموشی اور تقدس کے مجروح ہونے کا اندیشہ پیدا ہوا تو الگ درس گاہیں قائم کرنے کی تدبیر نکالی گئی۔

ج۔ دارالاجتماع :مرکز ملت :

مسجدوں کے ذریعہ مسلمانوں کی ایسی شیرازہ بندی کی گئی کہ جس کی مثال تاریخ عالم میں دوسری نہیں ملتی۔

اہل محلہ میں محبت و اتحاد پیدا کرنے کے لیے پانچ مرتبہ روزانہ محلہ کی مسجد میں جمع ہو کر عبادت کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

اہل شہر میں محبت و انسیت بڑھانے کے لیے جمعہ کے روز جامع مسجد میں اکٹھا ہونے کو ضروری قرار دے دیا گیا۔

اہل شہر اور قریبی دیہاتوں میں تعارف اور مودت پیدا کرنے کے لیے نمازِ عیدین کی ادائیگی

Marfat.com

شہر سے باہر کسی کھلے مقام پر تجویز کی گئی۔

تمام دنیا کے مسلمانوں کو دینِ واحد کے رشتے میں پرونے کے لیے صاحب استطاعت لوگوں پر عمر بھر میں ایک مرتبہ خانہ کعبہ (مسجد ابراہیمی) میں جمع ہونا فرض قرار دے دیا گیا۔

اس قدرتی اور تدریجی (مرحلہ وار) نظامِ اجتماع کی حکمتیں اہل بصیرت پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

چنانچہ ابن العربی احکام القرآن میں اسی نکتے کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلاتے ہیں:

"نظمِ جماعت کی غرض و غایت یہ ہے کہ دلوں میں ارتباط، اطاعت میں یک رنگی اور ملت کی شیرازہ بندی قائم رہے تاکہ باہم انس و محبت پیدا ہو اور کینہ و نفرت اور دنائت سے دل پاک صاف رہیں۔"

د۔ دارالشوریٰ:

قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کر لیا کریں۔ اسی طرح صحابہ کرام کے بارے میں قرآن مجید ناطق ہے کہ وہ اپنے معاملات مشورے سے طے کیا کرتے تھے۔ عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے ادوار میں مسجدِ نبوی میں کئی مرتبہ شوریٰ کے اجلاس منعقد ہوئے۔ چنانچہ مورخین نے تصریح کی ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مسجدِ نبوی میں ہی مشورہ لیا۔

چاروں خلفاء کی تقرری اور انتخاب کا اعلان مسجدِ نبوی میں ہوتا رہا۔ خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے منتخب ہونے کا اعلان، علامہ زمخشری کے بیان کے مطابق مسجدِ نبوی میں ہی ہوا تھا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رائے عامہ کی جب تکرار ہوئی اور صحابہؓ نے ان سے اصرار کیا کہ وہ خلافت کی ذمہ داری کو قبول کریں تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"اگر یہی فیصلہ ہے تو منصب امامت کا قطعی فیصلہ مسجد نبوی میں ہوگا۔ آپ مجھے

Marfat.com

حکومت کا جو کام سپرد کر رہے ہیں وہ لوگوں کی نظروں سے چھپ کر نہ ہوگا۔ اور میرے متعلق جو بھی طے ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی مرضیٔ عامہ سے ہوگا۔"

بعد ازاں سب لوگ مسجد نبوی میں جمع ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

علامہ اقبال نے اپنے مضمون "خلافتِ اسلامیہ" میں اسی پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مسجد مسلمانوں کی کونسل چیمبر یا دیوان عام ہے مسجد میں نماز باجماعت اور روزانہ عبادت کا مسئلہ ملتِ اسلامیہ کی سیاسی زندگی کے ساتھ اس طریق پر جذب و متحد ہے کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مذہبی اور معاشرتی امور کو الگ رکھتے ہوئے مسجد کا تعمیر کرنا اس غرض پر مبنی ہے کہ مسلمان جس وقت چاہیں مسجد میں فوراً اکٹھے ہو کر حکومتِ خلافت کے طرزِ عمل پر جرح و قدح کر سکیں۔"

۶۔ دار العدل: عدالت:

صحیح بخاری کے باب کتاب الخصومات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قانونی مسائل کا فیصلہ مسجد میں فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً بنی مخزوم کی فاطمہ کے چوری کرنے پر سزا کا فیصلہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ہی سنایا۔ اسی طرح کا محدث طبرانی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے:

"رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص عرض گزار ہوا۔ یا حضرت! مجھ پر حد جاری فرمائیے۔" اور جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس نے اپنی بدکاری کا اقرار کر لیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم دے دیا کہ اسے لے

Marfat.com

چلو اور کوڑے لگاؤ۔

اس کے بعد خلفائے راشدین مسجدِ نبوی میں ہی فصلِ مقدمات کرتے رہے بقولِ ابوبکر رازی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے متعدد مقدموں کے فیصلے مسجد میں کیے۔ ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق ان کے دور میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں ہی بحیثیت منصف فیصلے کیا کرتے تھے مورخ طبری نے لکھا ہے کہ:

سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت شریح، امام شعبی، یہ سب اکابرین قضاۃ مساجد میں ہی اپنے فیصلے سناتے رہے۔

اسی لیے تمام فقہا کا اجماع ہے کہ قضا، عبادات میں سے ہے لہٰذا قضا مسجد میں نماز کی طرح جائز اور مشروع ہے۔

علاوہ ازیں عہد نبوی میں مسجد سے ہی جیل خانے (دارالحبس) کا کام لیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ سعادت میں ثمامہ بن اثال گرفتار ہو کر آئے اور ان کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔

علامہ شبلی کی تحقیق کے مطابق مجرموں کی تعداد کی کثرت کے پیشِ نظر عہد فاروقی میں الگ جیل خانے قائم کیے گئے۔ لیکن بعض مورخین کی رائے ہے کہ باضابطہ الگ جیل خانے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قائم ہوئے۔ تاہم یہ امر سب کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ عہد نبوی اور دورِ صدیقی میں مسجد سے جیل خانے (دارالحبس) کا کام لیا گیا تھا۔

۵۔ دارالتبلیغ: تربیت گاہ:

مسجدیں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا مرکز بھی تھیں۔ اسی جگہ مختلف علاقوں سے وفود حاضر ہو کر اکتسابِ فیض کرتے اور یہیں سے مبلغین تربیت پا کر نکلتے اور مختلف قبائل میں جا کر اسلام کی دعوت پھیلاتے۔

Marfat.com

محدثین اور سیرت نگاروں نے بنو عامر، بنو تمیم، اور بعض دوسرے قبائل کے وفود کا ذکر کیا ہے جو آنحضورؐ سے اسلام کا علم و فہم حاصل کرنے کے لیے آئے۔

اسی طرح اہل یمن، اہل نجران اور قبائل قارہ اور عضل کو دعوتِ دین دینے کے لیے جو مبلغین گئے وہ اسی مسجد نبوی کے تربیت یافتہ تھے۔

مورخ یعقوبی سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ، کوفہ، شام اور مصر کے گورنروں کو ہدایات بھیج دی تھیں کہ ہر شہر میں ایک جامع مسجد تعمیر کی جائے تاکہ لوگ جمعہ کی نماز وہاں پڑھا کریں اور ضمناً یہ بات بھی اُن کے پیش نظر ہو گی کہ جامع مساجد کے قیام سے زیادہ وسیع پیمانہ پر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام ہو سکے گا۔

بلکہ ابن ہشام اور مورخ طبری نے تو لکھا ہے کہ افواج کی تربیت بھی مسجد میں ہی ہوتی تھی یہیں جنگی مجالس کا انعقاد ہوتا اور یہیں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین افواج کو روانہ فرمایا کرتے۔ اس اعتبار سے مسجد تربیت گاہ افواج (دار العسکر) بھی تھی۔

دار الشریعۃ اور دار الامارۃ :

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں بیرونی ملکوں سے خط و کتابت کا کام عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھا۔ کتابت وحی کے فرائض زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انجام دیتے تھے۔ لوگوں سے لین دین کے معاملات مغیرہ بن شعبہ اور حصین بن نمیر حیطۂ کتابت میں لاتے تھے۔ سرکاری معاملات قلم بند کرنے کا کام خالد بن سعید اور معاویہ بن ابو سفیان کے ذمے تھا۔ اموال غنیمت کی وصولی اور تقسیم کی ذمہ داری اصولی طور پر معقیب بن ابی فاطمہ کو سونپی گئی تھی حنظلہ بن ربیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاجب (سیکرٹری) بھی تھے اور مُہر نبوی کے محافظ بھی تھے مگر اس وقت تک سے کوئی سرکاری عمارت نہ بنی تھی۔ یہی مسجد نبوی تھی جس میں پورا سیکرٹریٹ کا کام کرتا تھا۔

Marfat.com

(د) اسلامی معاشرہ: حقوق و فرائض

رشتہ داروں کے حقوق

والدین کے بعد سب سے اہم حق رشتہ داروں کا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

النساء - ۲۵

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى

اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا ساتھی نہ بناؤ۔ اور ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

بہز بن حکیم کی روایت ہے۔ کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک (نیکی) کروں؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نے عرض کیا۔ پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نے کہا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ۔ پھر ارشاد فرمایا۔ ان کے ساتھ نیکی کرو جو تم میں سے زیادہ قریب ہیں۔ یعنی قریبی رشتہ دار۔

تبلیغ دین کا حق:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب العزت نے حکم دیا تھا کہ

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۔ اپنے رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈرایئے۔

(الشعراء - ۲۱۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سب سے پہلے خاندان کو اپنے گھر بلا کر دعوت اسلام دی۔

Marfat.com

پس اسوہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے۔ کہ کسی شخص پر اس کے عزیزوں کا یہ اولین حق ہے۔ کہ وہ ان تک دین کا صحیح علم پہنچائے۔ اور ان کی اخلاقی تربیت کرے۔

مالی امداد کا حق:

ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی۔ (البقرۃ ۱۷۷) یعنی نیکی یہ ہے۔ کہ خدا کی محبت سے سرشار ہو کر اپنے رشتہ داروں پر مال خرچ کرو۔

والدین کے بعد وہی ہماری مالی امداد کے مستحق ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (البقرۃ ۲۱۵) کہہ دیجئے۔ کہ جو مال بھی تم خرچ کرو۔ اس کے مستحق تمہارے ماں باپ اور رشتہ دار ہیں۔

غور فرمایئے۔ اس آیت کریمہ میں والدین کے ساتھ ہی رشتہ داروں کو مالی امداد کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ کہ رشتہ دار پر مال خرچ کرنے کا دوہرا اجر ہے۔ ایک تو صدقے کا۔ اور دوسرا رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے کا۔

(ریاض الصالحین)

ایک مرتبہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ اور اپنی بہت قیمتی جائداد (باغ) پیش کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مشورہ دیا۔ کہ اپنی یہ جائداد رشتہ داروں پر تقسیم کر دو۔ (بخاری)

میراث کا حق:

اللہ جل شانہٗ نے جو قوانینِ وراثت مقرر فرمائے ہیں۔ ان کی رُو سے کسی شخص کے مرنے کے بعد پہلے اس کی جائداد اس کے قریبی رشتہ داروں میں ہی تقسیم ہوتی ہے۔ مثلاً باپ، دادا، اخیافی بھائی، شوہر، اور عورتوں میں سے والدہ، زوجہ، بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن، اخیافی بہن اور جدّہ صحیحہ جیسے دادی، پردادی، اس طرح میت پر قریبی رشتہ داروں کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔ اس کے بعد کہیں دوسرں کی باری آتی ہے۔

سورۃ نساء میں میت کے وارثوں کو یہ تلقین کی گئی ہے۔ کہ جب میراث تقسیم ہو اور ترکہ سے محروم رشتہ دار اور یتیم و مسکین لوگ آئیں تو وہ عالی ظرفی سے کام لیتے ہوئے انہیں کچھ تھوڑا بہت دے دیں۔ اگرچہ از روئے شرع میراث میں ان کا حصّہ نہیں! یہ ہے رشتہ داروں کے حقوق کا احترام شرع اسلام میں۔

حُسنِ سلوک کا حق:

شریعت اسلامی نے اپنے پیروکاروں کو یہ تعلیم دی ہے۔ کہ اپنے رشتہ داروں کی بدسلوکیوں کے باوجود ان سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ یارسول اللہؐ میرے چند رشتہ دار عجیب طبیعت کے ہیں۔ میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ میں ان سے نیکی کرتا ہوں۔ وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں۔ میں برداشت کرتا ہوں۔ اور وہ مجھ سے جہالت سے پیش آتے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تو فی الواقع

ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ تو کہتا ہے۔ تو گویا تو ان کے منہ میں راکھ ڈالتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ تیری ان پر مدد کرے گا۔ جب تک تو اس وصف پر قائم رہے گا۔

○ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کرنے والے کی پہچان یوں بتلائی ہے کہ جو شخص (اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ان کے احسان کا) بدلہ دیتا ہے وہ صلہ رحم کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ کامل صلہ رحمی کرنے والا ہے۔ کہ جب اس کے حق قرابت کی رعایت نہ کی جائے۔ تو بھی وہ برابر صلہ رحمی کرتا ہے۔

(صحیح بخاری)

○ حدیث نبوی ہے۔ اپنے قریبی عزیزوں کے ساتھ اعانت کرنا (جو دشمنی کرتے ہوں) سب سے بڑا صدقہ ہے۔ (امام غزالی۔ کیمیائے سعادت)

○ ارشاد نبوی ہے۔ کہ سب سے بڑا ثواب اس میں ہے۔ کہ جو کوئی تجھ سے قطع تعلق کرے۔ تو اس سے ملے۔ جو تجھ کو محروم کرے۔ تو اس کے ساتھ بخشش کا سلوک کرے۔ اور جو تجھ پر ظلم کرے۔ تو اس پر ترس کھائے۔

(کیمیائے سعادت امام غزالی)

○ کنز العمال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد درج ہے۔ اپنے رشتہ قرابت کو تازہ کرتے رہو۔ چاہے سلام کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔

(الحدیث)

صلۂ رحمی کا اجر:

حضرت انس فرماتے ہیں۔ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات کو عزیز رکھتا ہے۔ کہ خدا اس کی روزی میں برکت دے تو وہ اپنے رشتہ داروں

Marfat.com

کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی

○ "یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسی بات بتایئے۔ جو مجھے جنت میں لے جائے"

○ فرمایا "خدا کی بندگی کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ نماز پوری طرح ادا کرو۔ زکوٰۃ دو۔ اور قرابت کا حق ادا کرو۔" (صحیح بخاری)

مشکوٰۃ کے باب البرّ والصلہ میں یہ روایت ہے کہ۔

○ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے۔ جو اپنے خاندان کی مدافعت کرتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جو شخص عام غریبوں کو صدقہ دے گا۔ اسے ایک درجہ ثواب ملے گا۔ لیکن جو اپنے قرابت داروں کی مالی امداد کرے گا۔ اسے دوگنا ثواب ملے گا۔ (ترمذی)

حقوق نہ ادا کرنے والوں کا انجام:

صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ

○ قرابت داری رحمان کے آثارِ رحمت میں سے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جو یہ رشتہ نبھاتا ہے۔ میں اس کو نوازتا ہوں۔ اور جو اسے قطع کرتا ہے۔ میں اس سے الگ ہو جاتا ہوں۔

صحیحین میں جبیر بن مطعم کی زبانی روایت ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "پاسِ قرابت نہ رکھنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔"

کنز العمال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد درج ہے:

"قرابت قطع کرنے والے کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔"

Marfat.com

ہمسائے کے حقوق

ہمسایہ کے مفہوم میں توسیع :

ظہور اسلام سے پہلے عربوں میں پڑوس اور ہمسائیگی کے حقوق کا بڑا پاس و لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اگر کسی کے پڑوسی پر ظلم ہو جاتا تو وہ اس کی خاطر لڑنے مرنے اور جان تک نچھاور کر دینے پر تیار ہو جاتا۔ اسلام نے نہ صرف اس جذبے کو پسندیدہ قرار دیا۔ بلکہ اسے پہلے سے زیادہ قوی تر بنا دیا۔ مزید برآں اسلام نے ان لوگوں کو بھی پڑوسی قرار دیا ہے جنہیں عرب عام طور سے پڑوسی یا ہمسایہ نہ سمجھتے تھے۔

علامہ شبلی کے الفاظ میں ہمسایہ کے مفہوم میں،

○ "ایک سفر کے دو رفیق، ایک مدرسہ کے دو طالب علم، ایک کارخانہ کے دو ملازم، ایک استاد کے دو شاگرد، ایک دکان کے دو شریک داخل ہیں، کہ یہ بھی درحقیقت ایک طرح کی ہمسائیگی ہے۔"

اس طرح اسلام نے ہمسائے کے مفہوم کو وسیع سے وسیع تر بنا دیا ہے جس کے دائرے میں ہم جماعت، ہم سفر اور رفقائے کار سب آجاتے ہیں۔

حُسنِ سلوک اور خیر خواہی کا جذبہ :

○ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کے نزدیک بہترین دوست وہ ہے۔ جو اپنے دوستوں کے حق میں بہتر ثابت ہو۔ اور خدا کے نزدیک بہتر ہمسایہ وہ ہے۔ جو اپنے ہمسائے

Marfat.com

کے لیے بہتر ثابت ہو۔ (ترمذی)

○ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے اچھے برے عمل کا علم کیوں کر ہو سکتا ہے۔؟ پیغمبرؐ نے فرمایا۔ جب تو اپنے ہمسایوں کو کہتا سنے۔ کہ تو نے اچھائی کی ہے۔ تو جان لے کہ میں نے اچھا عمل کیا ہے۔ اور اگر وہ یہ رائے دیں۔ کہ تو نے بدی کی ہے تو سمجھ لے کہ بے شک تُو نے بُرا عمل کیا ہے۔ (ابن ماجہ)

○ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پانچ اہم نصیحتیں کیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی۔ کہ "اپنے پڑوسی کے ساتھ نیکی کر، تو کامل مومن ہو جائے گا"۔ (ترمذی)

○ صحیح مسلم میں سید الانبیاء کا ارشاد گرامی ہے۔ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اپنے پڑوسی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

○ بیہقی میں روایت آئی ہے "جس کو یہ پسند ہو۔ کہ خدا اور اس کا رسول اس کو عزیز رکھے، یا جسے خدا و رسول کی محبت کا دعویٰ ہو تو اس کو چاہیے۔ کہ وہ اپنے پڑوسی کا پورا پورا خیال رکھے۔"

○ بیہقی میں روایت ہے۔ "جو شخص سیر ہو کر کھانا کھالے۔ اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو تو وہ مومن نہیں ہے۔"

تحائف و ھدایا کا تبادلہ:

پڑوسیوں میں خیر سگالی کے جذبات کو فروغ دینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ نے تحفے تحائف بھیجنے پر زور دیا ہے۔

Marfat.com

○ ارشاد نبوی ہے۔ ایک دوسرے کو تحفے بھیجا کرو۔ اس سے باہم محبت بڑھے گی۔
بخاری شریف میں حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی بڑھا دو اور اپنے پڑوسی کی خبر گیری کرو۔"

○ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں۔ میں ان میں سے کس کو ہدیہ بھیجوں؟ فرمایا جس کا دروازہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو۔"
(صحیح بخاری)

○ صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے (بلکہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے) اگرچہ بکری کا ایک کھُر ہی کیوں نہ بھیجے۔

○ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ کے ہاں بکری ذبح کی گئی۔ تو انہوں نے اپنے اہلِ خانہ سے پوچھا۔ تم نے اس بکری میں سے یہودی پڑوسی کو کچھ بھیجا ہے یا نہیں؟ جواب ملا۔ نہیں! فرمایا "اس بکری میں سے کچھ ضرور بھیج دو۔ کیونکہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ کہ جبرائیل علیہ السلام مجھے ہمسایوں کے ساتھ (سلوک کرنے کا) اتنا تاکیدی حکم دیتے رہے۔ کہ مجھے گمان گذرا۔ کہ وہ کہیں ہمسائے کو وارث میں حق دار ہی نہ ٹھہرا دیں۔"

اس عنوان کے تحت جملہ احادیث پر نظر ڈالیئے۔ کہ نہ صرف تحفے اور ہدیے بھیجنے کی مردوں کو تلقین کی گئی بلکہ عورتوں کو بھی اس کی نصیحت کی گئی۔ پھر مسلمانوں کے ساتھ ہی غیر مسلموں کے ساتھ بھی خیر سگالی کے تعلقات رکھنے کا درس دیا گیا اور یہ بھی طے کر دیا گیا ہے کہ کون ہمسایہ ہے جس سے سلوک کا حق دار ہے؟

Marfat.com

ایذا رسانی سے پرہیز:

○ امام احمد بن حنبل نے روایت نقل کی ہے۔ کہ قیامت کے دن سب سے پہلے بارگاہ الٰہی میں دو ایسے شخص مدعی اور مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہوں گے جو آپس میں پڑوسی ہوں گے۔

○ صحیحین میں روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہ کے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا" صحابہ کرام نے پوچھا "کون یا رسول اللہ؟" فرمایا "وہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں"

○ صحیح بخاری میں ایک اور حدیث درج ہے۔ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص خدا اور روز جزاء (آخرت) پر ایمان رکھتا ہو۔ وہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ دے"

اس ضمن میں ہم عہد نبوی کے دو عبرت آموز واقعات نقل کرتے ہیں۔

(۱) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو خواتین کا ذکر گیا۔

کہ ایک عورت سات بھر نمازیں پڑھتی اور دن میں روزے رکھتی۔ صدقہ وخیرات کرتی۔ مگر زبان سے پڑوسیوں کو ستاتی۔

دوسری عورت وہ تھی جو صرف فرض نمازیں پڑھ لیتی۔ معمولی صدقہ دے دیتی۔ مگر کسی کو نہ ستاتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی عورت کے بارے فرمایا۔ اس میں کوئی نیکی نہیں۔ اور دوسری کے بارے میں فرمایا "وہ جنتی ہے" (ادب المفرد)

(۲) ایک صحابی نے آنحضورؐ سے اپنے پڑوسی کی تین مرتبہ شکایت کی۔ تیسری مرتبہ آپؐ نے فرمایا۔ "جا کر تم اپنے گھر کا سامان راستے میں ڈال دو۔ صحابی نے تعمیل امر کی۔ آنے

Marfat.com

جانے والوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے ساری حقیقتِ حال بتادی۔ سب لوگوں نے ان کے پڑوسی کو بُرا بھلا کہا۔ یہ دیکھ کر وہ پڑوسی اتنا نادم ہوا۔ کہ صحابی موصوف کو راضی کر کے گھر لے گیا اور وعدہ کیا کہ آئندہ انہیں ہرگز نہ ستائے گا۔

سچ کہا تھا۔ فخرِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

○ "زنا حرام ہے۔ لیکن دس بدکاریوں سے بڑھ کر جرم یہ ہے۔ کہ اپنے پڑوسی کی عورت سے بدکاری کرے۔ چوری حرام ہے۔ لیکن دس گھروں میں چوری کرنے سے بڑھ کر جرم یہ ہے۔ کہ کوئی اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چُرالے۔ (ادب المفرد)

آخر میں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں جس میں پڑوسی کے متعدد حقوق بڑی خوب صورتی اور جامعیت سے یکجا بیان ہوئے ہیں۔

فرمایا حضور اقدسؐ نے پڑوسی کی بابت۔

○ اگر وہ تمہاری اعانت کا طالب ہو تو اس کا ہاتھ بٹاؤ۔

○ اگر تم سے مدد چاہے تو اس کی اعانت کرو۔

○ اگر تم سے قرض مانگے۔ تو اسے قرض دو۔

○ اگر وہ محتاج ہو تو اس کی مالی امداد کرو۔

○ اگر بیمار ہو تو تیمارداری کرو۔

○ اگر مرجائے تو کفن دفن میں شرکت کرو۔

○ اگر اسے بھلائی پہنچے تو مبارک باد دو۔

○ اگر وہ مصیبت میں گھرا ہو تو اظہارِ ہمدردی کرو۔

○ اگر مکان بناؤ تو عمارت بلند و بالا کر کے اس کی ہوا مت روکو۔ ہاں اگر پڑوسی اجازت دے دے تو عمارت اونچی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

○ اسے ایذا مت دو۔

Marfat.com

- اگر کوئی پھل خرید کر لاؤ۔ تو اسے بھی بھیج دو یا ورنہ پھل رازداری سے گھر پر لاؤ۔
- اگر کھانا پکاؤ۔ تو سالن قدر سے زیادہ پکا لو اور کچھ اسے بھی بھیج دو۔ (احیاء علوم الدین)

امام غزالیؒ نے ہمسائے کے مندرجہ ذیل حقوق بیان فرماتے ہیں۔

- جب تم میں سے کوئی اپنے ہمسایہ سے ملے تو اسے پہلے سلام کہے۔
- اس کے ساتھ طویل گفتگو سے پرہیز کرے۔
- اس کی بیمار پرسی کرے اور مصیبت کے وقت اسے تسلی دے۔
- رنج و غم میں اس کا ساتھ نہ چھوڑے۔
- خوشی کے موقعہ پر مبارکباد دے۔
- اس کی غلطیوں سے درگزر کرے۔
- اس کے گھر میں اپنی چھت سے نظر نہ ڈالے۔
- اسے اپنے گھر کی دیوار پر شہتیر رکھنے اور پرنالہ لگانے سے نہ روکے۔
- اس کے گھر میں جانے کا راستہ تنگ نہ کرے۔
- ہمسایہ جو کچھ اپنے گھر میں لائے۔ اس کا کھوج نہ لگائے۔
- اس کے عیوب سے چشم پوشی کرے۔
- حوادث روزگار میں اس کی بھرپور مدد کرے۔
- جب وہ گھر پر موجود نہ ہو تو اس کے مکان کی حفاظت و نگرانی کرے۔
- کسی سے اس کی برائی نہ سنے۔
- اس کے اہل خانہ پر نظر نہ ڈالے۔
- اس کے بچوں سے نرمی سے گفتگو کرے۔
- پڑوسی کو دین و دنیا کی جو باتیں معلوم نہ ہوں وہ اسے از خود ٹھیک بتا دے

(احیائے علوم الدین)

Marfat.com

شہریوں کے حقوق

مغربی دنیا میں شہریوں یا رعایا کے حقوق کا تصور دو تین صدیوں سے زیادہ پرانی اپنی کوئی تاریخ نہیں رکھتا۔ ۱۷۸۹ء میں فرانس کے انقلاب کے بعد منشور حقوق انسانی مرتب و مدوّن ہوا۔ اسی طرح ۱۹۴۸ء میں پہلی مرتبہ امریکہ کی ریاستوں نے انسانی حقوق و فرائض کا ایک منشور منظور کیا گیا ہے۔

لیکن ان دونوں منشورات سے بہت پہلے قرآن مجید اور احادیث میں شہریوں کے حقوق و فرائض واضح کر دیے گئے تھے۔ جن کی مزید شرح میثاقِ مدینہ اور خطبہ حج الوداع سے ہوتی ہے۔ پہلی قانونی دستاویز میں تو غیر مسلموں کے حقوق و فرائض کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور مابعد کے ملوک و سلاطین نے ان حقوق کی ادائیگی اور پاسبانی کی جو مثالیں پیش کی ہیں۔ ان کی نظیر تاریخ عالم میں ہمیں کہیں نہیں ملتی۔ مسلمان مفکرین سیاست نے بھی اس عنوان پر خیال افروز مباحث قلم بند کیے ہیں۔ انہی ماخذوں کی روشنی میں ہم رعایا کے حقوق یا شہریوں کے حقوق بیان کریں گے

بنیادی ضروریات کی فراہمی کا حق:

اسلام اپنے نظم مملکت میں انسانوں کی بنیادی ضروریات (مثلاً گھر، لباس اور خوراک) تینوں کی ضمانت دیتا ہے۔ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"ابن آدم کا بنیادی حق یہ ہے۔ کہ اس کے لیے ایک گھر ہو جس میں وہ رہ سکے کپڑا ہو جس سے وہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکے۔ اور کھانے کے لیے روٹی اور پینے کے لیے پانی ہو"

(ترمذی)

Marfat.com

ایسی ہی انسانیت نواز تعلیمات کی روشنی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں انصار و مہاجرین اور دوسرے مجاہدین کے وظائف مقرر کیے۔ تاکہ وہ جہاد کے فرض کو یکسوئی سے ادا کر سکیں۔ غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور مفلسوں کے روزینے جاری کیے گئے۔ دودھ پیتے بچوں کے بھی وظائف مقرر ہوئے۔ اور لاوارث بچوں کی خبر گیری کا بھی بندوبست کیا گیا۔ وہ کہا کرتے تھے۔

○ "اگر دولت میں اضافہ ہو گیا تو میں مسلمانوں کو مالا مال کر دوں گا۔ ان کے لیے اجناس تول کر دوں گا۔ اور انہیں علی الحساب دوں گا۔"

○ "اگر میں زندہ رہ گیا تو ایک چرواہے کو بھی اس سے پہلے۔ کہ اس کا چہرہ اپنے مقررہ عطیہ کے نہ ملنے سے سرخ ہو جائے۔ اس کا حق بیت المال سے مل جایا کرے گا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

○ "اللہ تعالیٰ نے اہل دولت پر ان کے غریب بھائیوں کی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنا فرض کر دیا ہے۔ پس اگر وہ بھوکے، ننگے یا بدحال ہوں گے۔ محض اس بنا پر کہ اہل ثروت اپنا فرض ادا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی باز پرس کرے گا۔ اور اس کوتاہی پر اُن کو عذاب دے گا۔"

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں۔

○ "اور ہر بستی کے دولت مند افراد کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں۔ اور اگر مال سے (بیت المال کی آمدنی سے) ان غریبوں کی معاشی کفالت نہ ہو سکے۔ تو خلیفہ دولتمند افراد کو ان کی کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ ضروری ہے۔ کہ اُن کی ضروریات کے مطابق روٹی مہیا ہو پہننے کے لیے گرمی اور سردی موسموں

Marfat.com

موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جس میں وہ اپنا سر چھپا سکیں۔"

تنقید کا حق:

خلفائے راشدین نے نہ صرف عوام کو تنقید کا حق دیا۔ بلکہ اپنی حکمت و تدبیر سے ان میں تنقید کا شعور بھی بیدار کیا۔

پہلے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

○ "میں جب تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروں۔ تم میری اطاعت کرو۔ جب میں اللہ کی نافرمانی کروں تو تمہارے اوپر میری اطاعت ضروری نہیں ..... میں تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں جب تم دیکھو کہ میں سیدھے راستہ پر چل رہا ہوں تو میری پیروی کرو۔ اور اگر دیکھو کہ میں ٹیڑھا ہو گیا ہوں تو مجھے سیدھا کر دو۔"

(الامامہ والسیاسۃ / ابن قتیبہ)

دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک خطبے میں فرمایا۔

○ "لوگو! تم میرے نفس کے مقابلہ میں میری مدد اس طرح کر سکتے ہو۔ کہ مجھے بھلائی کا حکم دو۔ برائی سے روک دو۔ نیز خدا نے تمہاری، جو ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے۔ اس کے بارے میں میری خیر خواہی (مجھے نصیحت) کرتے رہو۔"

(ابن قتیبہ)

ایک شخص نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بار بار کہا۔ "اے عمرؓ اللہ سے ڈرو! ایک دوسرے شخص نے اسے ٹوکا۔ کہ اب بس بھی کرو۔ بہت ہو چکا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اسے کہنے دو۔ اگر یہ ہم کو ناصحانہ باتیں نہ کہیں۔ تو ان میں کوئی خوبی نہیں۔ اور اگر ہم ان کی نصیحت کو قبول

Marfat.com

نہ کریں تو ہم میں کوئی خوبی نہیں"

سب سے زیادہ رعایا کی سخت تنقیدوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سابقہ پیش آیا۔ لیکن انہوں نے کبھی کسی کا منہ زبردستی بند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ مخالفین کے اعتراضات کے جواب میں اپنی بر سرِ عام صفائی پیش کی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی رعایا کو اس حد تک آزادی رائے دے رکھی تھی کہ پانچ افراد ان کے زمانے میں گرفتار کر کے لائے گئے۔ جو انہی کو کوفہ میں کھلم کھلا گالیاں دے رہے تھے۔ اور ان میں سے ایک شخص یہ کہہ رہا تھا "میں حضرت علیؓ کو قتل کر دوں گا" لیکن جناب علی مرتضیٰؓ نے ان سب کو رہا کر دیا۔

فرقہ ضالہ، خوارج نے حضرت علی رضی اللہ کی تکفیر شروع کر رکھی تھی۔ لیکن حضرت علیؓ نے بڑے صبر و تحمل سے کام لیا۔ اور انہیں یہ پیغام بھجوایا۔

"ہم تم کو مسجدوں میں آنے سے نہیں روکیں گے۔ ہم تمہیں مفتوحہ اموال کے حصہ سے محروم نہیں کریں گے۔ جب تک کہ تم ہمارے خلاف کوئی مسلح کارروائی نہ کرو گے"

شخصی آزادی کا حق:

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کے دوران ایک شخص نے اپنے ہمسایوں کے بارے میں پوچھا جنہیں کسی شبہے کی بناء پر گرفتار کر لیا گیا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر سکوت فرمایا۔ تاکہ اگر گرفتاری کی کوئی معقول وجہ ہو، تو معلوم ہو جائے۔ اور جب کوئی بات سامنے نہ آئی۔ تو آپ نے فرمایا

"اس کے ہمسایوں کو رہا کر دو" (ابوداؤد)

دین اسلام کا ایک بنیادی اصول حضرت عمرؓ نے بیان فرمایا ہے۔

لَا يُحْبَسُ رَجُلٌ فِي الْإِسْلَامِ بِغَيْرِ عَدْلٍ (موطا) اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مقولے کی رو سے کسی ملزم کو باضابطہ عدالتی کارروائی (جس میں اسے اپنی صفائی کا پورا حق دیا گیا ہو) کے بغیر حراست میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اور نہ ہی محض کسی کے خلاف اطلاع ملنے یا شبہ پیدا ہو جانے کی بنیاد پر کوئی کارروائی کی جا سکتی ہے۔

جان کی حرمت کا حق:

صحیح بخاری میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مردوں سے بیعت لیتے۔ تو یہ اقرار کرواتے ہم نہ تو اللہ کا کسی کو شریک بنائیں گے۔ نہ زنا کریں گے۔ نہ چوری کریں گے۔ اور نہ اس شخص کو قتل کریں گے۔ جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ اور نہ لوٹ مار کریں گے۔

اسی طرح قرآن مجید میں جہاں عورتوں کی بیعت کا تذکرہ ہے وہاں یہ بھی بیان ہے۔ کہ عورتیں اس بات کا وعدہ کرتی تھیں۔

وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ (الممتحنہ ۱۲) یعنی عورتیں اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی۔

مومن کی جان کی قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

- اگر تمام زمین و آسمان والے کسی مسلمان کے خون میں شریک ہوں۔ تو اللہ سب کو جہنم میں جھونک دے گا۔ (نسائی)
- ساری دنیا کی بربادی ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں اللہ کے نزدیک بے وزن ہے (ترمذی)
- مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے تہ و بالا ہو جانے سے بڑھ کر ہے۔ (نسائی)

معلوم رہے کہ انسانی جانوں کے احترام میں امیر و غریب، سلطان و گدا، آزاد و غلام کسی کی کوئی تمیز نہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ناطق ہیں کہ!

Marfat.com

○ "مسلمانوں کے خون برابر ہیں" (باعتبار قصاص کے)

○ "تمام مسلمان مسئلہ قصاص و دیت میں برابر ہیں۔ اس میں نہ شریف کو رذیل پر فضیلت ہے نہ بڑے کو چھوٹے پر، نہ مرد کو عورت پر!"

○ "جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا۔ ہم اسے قتل کریں گے۔"

قرآن مجید میں بڑے بلیغ پیرائے میں یہ مضمون ادا ہوا ہے۔ "جو شخص بلا حق کسی شخص کو قتل کرتا ہے۔ وہ ایسے ہے جیسے اس نے تمام انسانیت کو قتل کر ڈالا۔"

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت میں یہ بھی طے فرما دیا تھا۔ کہ غیر مسلموں کا خون بھی اتنا محترم ہے۔ جتنا کسی مسلمان کا خون! اور اگر کسی غیر مسلم کا خون کسی مسلمان نے بہا دیا۔ تو آپ نے اس کا قصاص دلوایا۔ یا قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا۔ تاکہ وہ بدلہ لے سکیں۔

مال کی حرمت کا حق:

اسلام جس طرح کسی انسان کی جان کی قدر و قیمت بیان کر کے اس کی حفاظت کا قانونی انتظام کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اس کے مال کی حفاظت کو ضروری قرار دیتا ہے۔ تاکہ لوگ امن و راحت کی زندگی گذار سکیں۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے۔

○ "جس نے کسی مسلمان کا حق اپنی (جھوٹی) قسم کے ذریعہ ہڑپ کر لیا اس کے لیے اللہ نے جہنم کی آگ واجب کر دی گو وہ حق پیلو کی لکڑی کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو۔"

(صحیح مسلم، ریاض الصالحین)

○ "بلاشبہ جو لوگ اللہ کے مال میں ناحق دست اندازی کرتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے لیے جہنم کی آگ ہوگی!" (ریاض الصالحین)

○ "جو کسی کی بالشت بھر زمین ظلم سے چھین لے گا۔ تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی گردن

Marfat.com

میں سات زمینوں کا طوق پہنانے کا۔" (بخاری)

○ "جو اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا قتل کیا جائے۔ وہ شہید ہے۔" (مشکوٰۃ)

اسلام کے اس بنیادی قانون میں، امیر و غریب یا چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں۔ صاحبِ شریعت اور حاملِ رسالت کے یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں۔

○ "خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی۔ تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔"

(جمع الفوائد)

انہی ارشادات نبوی کی روشنی میں نامور مفکرِ سیاست امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

○ "شریف و ذلیل، قوی و کمزور سب پر حدود کا اجراء ضروری ہے۔ کسی حال میں اس سزا کا معطل کرنا درست نہیں۔ نہ سفارش سے مرعوب ہو کر۔ اور نہ ہدیے و تحفہ کے لالچ میں پڑ کر نہ دباؤ میں آ کر، نہ کسی اور سبب سے۔ اس میں سفارش بالکل جائز نہیں۔ جو حاکم و امیر اقامتِ دین پر قادر ہونے کے باوجود حد جاری نہ کرے، تو ایسے افراد حکومت پر اللہ اور فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہے۔"

سورۃ مائدہ میں چوری اور ڈکیتی کے احکام اسی حرمتِ مال کے سلسلہ میں آئے ہیں۔ اور احادیث میں مال کی حرمت جگہ جگہ بیان ہوئی ہے۔

عزت و ناموس کی حفاظت:

اسلام نے عزت و آبرو کی حفاظت کا کتنا خیال رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین کر لی جائے۔ کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مردوں سے بیعت لیتے۔ تو فرماتے۔

○ تم اس بات پر مجھ سے بیعت کرو کہ تم نہ تو اللہ کا کسی کو شریک ٹھیراؤ گے۔ نہ چوری کرو گے۔ نہ بدکاری کرو گے۔ نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے۔ نہ افترا پردازی کرو گے۔ اور نہ اچھی باتوں میں نافرمانی کرو گے۔

(بخاری شریف)

Marfat.com

ارشادِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

○ "اور جو شخص شادی کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس کے لیے روزہ ضروری ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ شہوت توڑتا ہے۔"

اس کے علاوہ اسلام نے زنا کاری افترا پردازی (قذف) اور بدکاری کے لیے انتہائی سنگین سزائیں تجویز کی ہیں۔ غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑوں کی سزا اور شادی شدہ کو سنگسار کر دینے کی تعذیب اور بدکاری کا جھوٹا الزام دینے پر اسی کوڑوں کی سزا یہ جملہ احکام اسی حقیقت کی طرف رہ کرتے ہیں۔ کہ اسلام عزت و ناموس کی حفاظت کے معاملے کو جان و مال کے تحفظ سے بھی زیادہ اہم قرار دیتا ہے۔

○ اسی طرح عورتوں سے جن باتوں کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اقرار لیتے تھے۔ اُن کا قرآن مجید میں واضح بیان ہوا ہے۔ کہ وہ بیعت اس بات پر کریں گی۔ کہ وہ نہ زنا کریں گی اور نہ بچوں کو قتل کریں گی، اور نہ بہتان طرازی کریں گی، اور نہ معروف کی خلاف ورزی کریں گی۔ (سورۂ ممتحنہ)

اسی عزت و آبرو کی حفاظت کی خاطر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو جو شادی کی طاقت رکھتے تھے۔ نکاح کی تلقین و تاکید فرمائی ہے۔

ارشادِ نبوی ہے۔

○ اے جوانوں کی جماعت تم میں سے جو طاقت رکھتا ہو اُسے چاہیئے۔ کہ وہ شادی کر لے۔ اس لیے کہ یہ (تدبیر) نگاہ کو پست رکھتی ہے۔ اور شرم گاہ کی حفاظت کرتی ہے۔ جو لوگ نکاح کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کی تلقین فرمائی تاکہ وہ اپنے جنسی جذبات پر قابو پا سکیں۔

Marfat.com

اسلامی ریاست کے فرائض

یا

خلیفہ کے فرائض

اسلامی نظامِ سلطنت میں ریاست کا سربراہ خلیفہ کہلاتا ہے۔ پس اسلامی ریاست کے فرائض وہی ہیں جو کہ خلیفۂ ریاست کے فرائض ہیں۔

مسلمان مفکرین سیاست میں سے غالباً سب سے پہلے امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں خلیفہ کے فرائض پر اجمالی بحث کی ہے۔ انہوں نے خلیفہ کے جو فرائض بیان کیے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ حدود اللہ کو قائم کرنا۔

۲۔ حق والوں کے حقوق ٹھیک ٹھیک تحقیق کر کے دلوانا۔

۳۔ صالح حکمرانوں کے دستور العمل کو (جسے ماضی کی ظالم حکومتوں نے ترک کر دیا تھا) زندہ کرنا

۴۔ ظلم کو روکنا اور عوام کی شکایات کو تحقیق کے بعد رفع کرنا۔

۵۔ اللہ کے احکام کے مطابق لوگوں کو اطاعت کا حکم دینا۔ اور معصیت (گناہ) سے روکنا۔

۶۔ خدا کے قانون کو اپنوں، بیگانوں سب پر یکساں طور پر نافذ کرنا۔ اور اس معاملے میں اس بات کی رعایت نہ کرنا۔ کہ اس کی زد کس پر پڑتی ہے؟

۷۔ جائز طور پر لوگوں سے محاصل لینا اور جائز مصارف میں انہیں خرچ کرنا۔

امام ابو یوسف کے بعد خلیفہ کی ذمہ داریوں یا اسلامی سیاست کے فرائض پر علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی نے اپنی نادر تصنیف "احکام السلطانیہ" میں زیادہ تفصیل سے بحث کی ہے

Marfat.com

جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ دین کی حفاظت:

خلیفہ کے لیے ضروری ہے۔ کہ اگر کسی شخص نے مذہب میں بدعت نکالی ہو تو وہ دلائل سے اس کا شبہ دور کرے۔ جو حق بات ہے وہ اس کے ذہن نشین کر دے۔ اوامر و نواہی پر اسے کاربند کرے تاکہ دین میں کوئی خلل پیدا نہ ہو اور امت لغزشوں سے محفوظ رہے

۲۔ قیام عدل:

خلیفۂ اسلام جھگڑنے والوں میں احکام شرعیہ نافذ کرے اور لوگوں کے نزاعات کا فیصلہ کرے تاکہ انصاف کا دور دورہ ہو۔ کوئی طاقت ور دست تعدی دراز نہ کر پائے اور کسی پر ظلم نہ ہو۔

۳۔ قیامِ امن:

خلیفۂ اسلام کا اہم فرض یہ ہے کہ ملک کی حفاظت کرے۔ اور اسے دشمن سے بچائے تاکہ تمام لوگ اطمینان سے اپنے زندگی کے کاروبار میں مصروف ہوں اور بغیر جان و مال کے خطرے کے اطمینان سے سفر کر سکیں۔

۴۔ حدودِ شرعیہ کا قیام:

خلیفۂ اسلام کے لیے لازم ہے کہ حدود شرعیہ کو قائم کرے تاکہ جن باتوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ ان میں سے کسی چیز کا کوئی شخص ارتکاب نہ کرے۔ نیز اس کے بندوں کے حقوق ضائع نہ ہونے پائیں

۵۔ سرحدوں کی حفاظت:

مسلمانوں کا خلیفہ چوکس رہے اور سرحدوں کی پوری حفاظت کرے تاکہ دشمن کو اس میں اچانک دراندازی کا موقع نہ رہے۔ اور رعایا کی جانیں محفوظ رہیں۔

۶۔ تبلیغ واشاعتِ اسلام:

خلیفہ اسلام کافروں کو اسلام کی دعوت دے۔ نہ ماننے پر مخالفین اسلام سے جہاد کرے تاکہ مخالفین یا تو اسلام قبول کریں۔ یا ذمی بن جائیں یعنی اسلامی حکومت کو تسلیم کر کے اپنے مذہب پر بے شک قائم رہیں۔

۷۔ خراج وصدقات کی وصولی:

خلیفہ خوف، جبر اور زیادتی کے حربے اختیار کیئے بغیر احکام شرعیہ کے مطابق خراج وصدقات وصول کرے۔

۸۔ تنخواہوں اور وظائف کی تقسیم:

خلیفہ کا فرض منصبی ہے۔ کہ بیت المال سے مستحقین کے وظیفے اور تنخواہیں مقرر کرے۔ نہ اس میں اسراف ہو، نہ بخل اور یہ وظیفے اور تنخواہیں مستحقین کو بلا تقدیم وتاخیر ٹھیک وقت پر دی جائیں۔

۹۔ دیانتدار عمال وحکام کا تقرر:

خلیفہ دیانت دار افراد کو اپنا قائم مقام بنائے اور قابل اطمینان لوگوں کو عامل وحاکم مقرر کرے۔ اور خزانے کو قابل اور دیانت دار افراد کے سپرد کرے۔

۱۰۔ اُمورِ سلطنت کی مخلصانہ نگرانی:

خلیفہ خود تمام امور سلطنت کی نگرانی کرتا رہے۔ اور تمام واقعات سے باخبر رہے تاکہ اُمت کی پاسبانی اور ملت کی حفاظت وہ خود کر سکے اور عیش وعشرت میں ڈوب کر یا عبادت میں منہمک ہو کر فرائض دوسروں کے حوالے نہ کر دے۔ کیونکہ ایسی صورت میں دیانتدار بھی خیانت کرنے لگتا ہے۔ اور وفادار کی نیت میں بھی فرق آجاتا ہے۔

علماء امت کے بعد متعدد مسلمان مفکرین سیاست پیدا ہوئے۔ وہ اس عنوان پر کوئی نمایاں اضافہ نہ کر سکے۔ مثلاً نظام الملک طوسی نے سیاست نامہ میں سلطان یا خلیفہ کے جو اوصاف

Marfat.com

بیان کیے ہیں۔ وہ صرف چار ہیں۔

۱۔ احکام شرعیہ کا نفاذ۔

۲۔ حمایت و نصرت دین۔

۳۔ دشمن کے حملوں سے حفاظت۔

۴۔ قیامِ عدل۔

امام غزالی نے "احیاء العلوم" اور "الاقتصاد فی الاعتقاد" ان دونوں تالیفات میں جہانبانی کے دس اصول بیان کیے ہیں۔ لیکن وہ بھی علامہ ماوردی سے زیادہ آگے نہیں جا سکے۔ فاضل محقق کے نزدیک اچھی حکومت کے دس اصول ہیں۔ جنہیں ہم اسلامی ریاست کے فرائض کا نام بھی دے سکتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ خلیفۂ اسلام فریقین کی جگہ خود کو رکھ کر عادلانہ فیصلہ کرے۔

۲۔ حاجت مندوں کے لیے دروازے کھلے رکھے۔

۳۔ خلیفۂ اسلام قیام عدل کے لیے تدبیر کرے۔ یہ تب ہی ممکن ہے کہ وہ سادہ زندگی بسر کرے اور عیش و عشرت سے کنارہ کش رہے۔

۴۔ مسلمان خلیفہ سرکاری عہدے داروں کے ساتھ سختی کی بجائے نرمی برتے۔

۵۔ خلیفہ شریعت کی حدود کے اندر رہ کر رعایا کی خوشنودی حاصل کرے۔

۶۔ خلیفہ فریقین میں کوئی ایسا سمجھوتہ نہ کرے جس سے قانون عدل مجروح ہو۔

۷۔ کمزور اور طاقت ور سے یکساں سلوک کیا جائے۔

۸۔ نیک اور دیندار، اہلِ علم کی بات توجہ سے سُنی جائے۔

۹۔ تمام حکام پر کڑی نگرانی رکھی جائے۔ خصوصاً حکام عدلیہ پر۔

۱۰۔ خلیفہ مغلوب الغضب نہ ہو بلکہ اپنے جذبات پر پورا قابو رکھتا ہو۔

Marfat.com

(ھ) عالمِ اسلام

تبلیغِ دین

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے آخری نبیؐ و رسولؐ ہیں۔ نبوت اور رسالت کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد، دینِ اسلام کی دعوت و تبلیغ، اور لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کی ذمہ داری اُمتِ محمدیہ کو سونپی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران - ۱۱۰)

"اے امتِ محمدیہ! تم وہ بہترین جماعت ہو جو اس دنیا میں انسانوں کی اصلاح کیلئے لائی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو۔"

معلوم ہوا کہ اس اُمت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ خود ایمان اور نیکی کی راہ پر چلے اور دوسروں کو راہِ راست کی طرف لائے۔ اور برائیوں سے بچانے کی تدبیر کرے۔ البتہ اگر مسلمانوں میں دین سے غفلت پیدا ہو جائے اور وہ اپنے فرض سے بحیثیتِ مجموعی غافل ہو جائیں۔ تو علمائے حق اور ذاکرینِ باری تعالیٰ کا ایک نہ ایک گروہ موجود رہنا چاہیئے۔ جو دوسروں کو ان کا فرض یاد دلاتا رہے۔ اور نیکیوں کو غالب کرنے اور برائیوں کو مٹانے کے لئے کوشاں ہو۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران - ۱۰۴)

"اور تم میں ایک ایسی جماعت ضرور ہونا چاہیئے جو خیر کی طرف دعوت دے۔ اچھے کاموں کا حکم دے، اور بُرے کاموں سے روکے۔"

ہر شخص پر اللہ کے دین کی تبلیغ و اشاعت بقدرِ ہمت لازم ہے۔ چونکہ اسلامی ریاست مسلمانوں کا سب سے بااختیار ادارہ ہے۔ اس لئے اُس کے رئیس اور کارکنوں سب پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے دین کی تبلیغ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار دیں و
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، بھلائی کا حکم کریں گے
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔ اور برائی سے روکیں گے"

امر بالمعروف اور تبلیغ دین :- (احادیثِ نبویؐ)

○ جو شخص لوگوں کو صحیح راستے کی طرف دعوت دے۔ اور نیکی کی طرف بلائے، تو جو لوگ اس کی بات مان کر جتنی نیکیاں اور بھلائیاں کریں گے اور ان کو نیکیوں کا جتنا ثواب ملے گا۔ اتنا ہی ثواب اس شخص کو بھی ملے گا جس نے ان کو نیکی کی دعوت دی" (عن ابو ھریرۃ رض)

○ "اے علی رض! اللہ کی قسم! اگر تمھارے وسیلے سے ایک شخص کو بھی ہدایت نصیب ہو جائے تو وہ شرف تمھارے حق میں اس سے بہتر ہے کہ بہت سے سرخ اونٹ تمھیں مل جائیں"

(عن علی رض)

○ "نیکی کی طرف دعوت دینے والا، ٹھیک ویسے ہے جیسے اس نے کارِ خیر پر خود عمل کیا"

(الحدیث)

○ "میری امت جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو ادا کرنا چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی"

(ترمذی)

○ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ مبادا کہ وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو تم سوال کرو۔ اور وہ پورا نہ کیا جائے"

(ابن ماجہ)

○ "تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ جل جلالہٗ اپنا عذاب تم پر مسلط کر دیں گے۔ پھر تم دعا بھی مانگو گے تو قبول نہ ہوگی"

(ترمذی)

○ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور وہ جماعت یا قوم باوجود، قدرت کے اس شخص کو نہیں ٹوکتی۔ تو وہ مبتلائے عذاب ہو جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

Marfat.com

"ظالم کو ظلم سے روکتے رہو۔ اور حق بات کی طرف اُسے جھکا دو۔ واللہ! تم نجات نہیں پاؤ گے، جب تک اُن کو ظلم سے نہ روک دو۔" (ابوداؤد)

"کلمۂ توحید، ہمیشہ نفع دیتا ہے اور عذاب و بلا دُور کرتا ہے۔ جب تک کہ اُس کے حق میں کمی نہ کی جائے۔ یعنی اللہ کی نافرمانیاں کھلے بندوں ہوں۔ اور انھیں بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔" (عن انسؓ)

"لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو دین کی تعلیم دیں، اُنھیں وعظ و نصیحت کریں، اچھی باتوں کی تلقین کریں۔ اور بُری باتوں سے روکیں۔" (طبرانی)

"تم میں سے جس کسی کو کوئی بُرائی نظر آئے۔ تو چاہیے کہ اُسے اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اور اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو اپنی زبان سے کام لے۔ اگر ایسا کرنے کی ہمت نہ رکھتا ہو۔ تو شخص یہ کوشش اپنے دل سے کرے۔ اور یہ ایمان کا سب سے نچلا درجہ ہے۔" (مشکوٰۃ)

اقوالِ صحابہؓ:-

"بہترین عالم وہ ہے جو لوگوں کو (دعوت دیتے ہوئے) خدا سے مایوس نہیں کرتا اور نہ خُدا کی نافرمانی کے لئے انھیں رخصتیں دیتا ہے۔ اور نہ ہی خدا کے عذاب سے بے خوف بناتا ہے۔"

(حضرت علیؓ)

"تم بھلائی کرنے اور بُرائی سے بچنے کا حکم دیتے رہو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسے ظالم حاکم مسلط کر دے گا۔ جو تمھارے بڑوں کی تعظیم نہ کریں، اور تمھارے چھوٹوں پر رحم نہ کھائیں۔"

(ابو درداءؓ)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ عرب سے متصل جو ممالک ہیں، ہم اُن کو بھی دعوتِ اسلام پہنچائیں۔" (یزدجرد سے نعمانؓ بن مُقرن کا خطاب)

"ہم اس بات کی طرف بلاتے ہیں کہ کلمۂ شہادت پڑھو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احکام لائے ہیں، اُن کو تسلیم کرو۔" (جرجہ سے خالد بن ولیدؓ کا مکالمہ)

Marfat.com

عہد نبوی میں تبلیغ دین

۱۔ رازدارانہ انداز میں دعوت:۔

ابتداً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محتاط و مخفی انداز میں تبلیغ فرمائی۔ اِس دَور میں جو لوگ آپ پر ایمان لائے۔ وہ اوّلین مسلمان کہلائے۔

○ بقول امام اعظم ابو حنیفہ رح، مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر رض ایمان لائے، عورتوں میں حضرت خدیجہ رض اور غلاموں میں زید بن حارثہ رض، اور لڑکوں میں حضرت علی رض پہلے ایمان لائے۔

(البدایۃ والنہایۃ)

○ حضرت ابوبکر رض اسلام کی تبلیغ و اشاعت اسلام کے کام میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست راست تھے۔ چنانچہ اُن کی کوششوں سے عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ بن عبیداللہ رض اور سعد بن ابی وقاص رض جیسے شرفائے قریش ایمان لائے۔

(سیرت ابن ھشام)

○ اِن کے علاوہ پہلے پہل جعفر ابن ابی طالب رض، عفیف کندی رض، خالد بن سعید رض، عمار بن یاسر رض، ارقم بن ارقم رض، عمرو بن عتبہ، ابوذر غفاری رض، یہ حضرات دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

(سیرت المصطفیٰ، مولینا محمد ادریس)

○ جب مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت بن گئی۔ تو سید المرسلین نے حضرت ارقم بن ارقم رض کے مکان کو مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے منتخب فرمایا۔ اسے ہم مکہ کا دارالتبلیغ بھی کہہ سکتے ہیں۔

(اصابہ، ابن حجر عسقلانی)

○ رفتہ رفتہ اسلام کا مکہ شہر میں چرچا ہونے لگا۔ اگرچہ قبولِ حق کی سعادت بہت کم لوگوں کو نصیب میں آئی۔ (سیرت ابنِ اسحاق)

Marfat.com

۲۔ عزیز و اقارب کو دعوت :۔

اسلام کے اخفاء کا دور صرف بعثتِ نبوی کے بعد تین برس رہا۔ (سیرت ابنِ ھشام)

اس کے بعد آپ کو حکمِ خداوندی ہوا:

"جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اس کا صاف صاف اعلان کر دیجئے۔ اور مشرکین کی ہرگز پرواہ نہ کیجئے۔"

نیز ارشاد ہوا۔ کہ

"اپنے رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرائیے۔" (القرآن العظیم)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں کو دعوتِ طعام پر بلایا اور مختصر تقریر فرمائی:

"حاضرینِ کرام! میں تم سب کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے آیا ہوں۔ دُنیا میں کوئی شخص اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر تحفہ نہیں لایا۔ میں تمہارے لئے، دُنیا و آخرت کی خیر و برکت لے کر آیا ہوں۔"

لیکن حاضرین نے سُنی اَن سُنی کر دی۔ (ابن اسحاق)

جس طرح اسلام کی تصدیق میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اوّل رہے۔ اُسی طرح اسلام کی دعوت کو جھٹلانے میں بدنصیب ابولہب نے عجلت برتی۔ (ابنِ ھشام)

۳۔ اہلِ مکہ کو دعوت :۔

بعد ازاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا سے اہلِ مکہ کو پکارا۔ اور جب تمام قبائل قریش جمع ہو گئے۔ تو اُن سے فرمایا۔

"اگر تم اس بات کا اقرار کرو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو میں پروردگار کے رُوبرُو، تمہارے حق میں گواہی دُوں گا۔ اور تمہاری شفاعت کروں گا

اے قومِ قریش! اگر تم نے کلمہ توحید قبول کر لیا۔ تو تمام عرب تمہارا ہی دین اختیار کرے گا۔ اور تمہارے ہی دین کی پیروی کرے گا۔ اس کے علاوہ تمام عجم تمہارا

Marfat.com

مطیع ہو جائے گا۔" (طبقات کبیر ابن سعد)

اس موقع پر ابولہب نے غیض و غضب کا اظہار کیا۔ البتہ باقی مجمع خاموش رہا۔

۴۔ قرب و جوار مکہ میں تبلیغ :۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطرافِ مکہ میں تبلیغ اسلام شروع کر دی۔ آپ عکاظ، ذوالمجنہ اور ذوالمجاز کی منڈیوں میں تشریف لے جاتے۔ اور لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے۔ آپ طائف کے دور دراز علاقے میں بھی گئے۔ لیکن یہ زرخیز سرزمین اسلام کی دعوت کیلئے بنجر اور بے ثمر ثابت ہوئی۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو کندہ، بنو ملیح، بنو حنیفہ، بنو عامر اور بنو عبداللہ اور دوسرے قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ اور انھیں "پیغامِ حق" سنایا۔

۵۔ یثرب میں آفتابِ اسلام کی شعائیں :۔

ایامِ حج میں عرب کے دور دراز گوشوں سے بھی قبائل کھنچ کر چلے آتے۔ اور بیت اللہ میں سارے قبائل عرب کے زائرین کا نمائندہ اجتماع ہوتا۔ اس موقعہ پر حضور انورؐ ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے۔ اور انھیں پیغامِ حق سناتے۔

۱۱ سنہ نبوی میں قبیلہ اوس و خزرج کے چھ آدمیوں نے دعوتِ حق کو قبول کر لیا۔ اور انھوں نے اسلام کی دعوت کو گھر گھر پہنچا دیا۔ اور یثرب میں ان قبائل کا شاید ہی کوئی گھرانا ایسا ہو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر نہ ہوتا ہو۔ (طبقات ابن سعد)

۱۲ سنہ نبوی میں بارہ افراد حاضرِ خدمت ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پر بیعت کرتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ کر دیا جنہوں نے وعظ و نصیحت کا حق ادا کیا۔ اور چالیس افراد کو مشرف باسلام کیا۔

(سیرت ابن ہشام)

۱۳ سنہ نبوی میں مصعب بن عمیرؓ پچھتر افراد کو لے کر حاضرِ خدمت ہوئے، جنہوں نے بیعت

Marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کے لئے اُن میں سے بارہ نقیب مقرر فرمائے۔ جو اپنے اپنے کُنبے میں تبلیغِ دین کے ذمہ دار ٹھہرے۔ (سیرت ابن ھشام)

۶۔ مدینہ بحیثیت مرکزِ تبلیغ:۔

مدینہ پہنچ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہلا دینی کام سرانجام دیا۔ وہ مسجد نبوی کی تعمیر ہے۔ جو پہلی بڑی دینی عبادت گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ مرکزی دارالتبلیغ بھی تھا۔ اگرچہ مدینہ میں اسلام بڑی سُرعت سے پھیل گیا۔ لیکن مدینہ کے گردونواح میں ۶ھ تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ و اشاعت کا موقع بہت کم ملا۔

۶ھ میں صلح نامہ حدیبیہ ہوا، تو بقول امام زہری فروغِ اسلام کا دروازہ کھل گیا۔ چنانچہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں پہنچے، تو اُن کے ہمراہ صرف چودہ سو آدمی تھے۔ لیکن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو برس بعد فتح مکہ کے لئے آئے۔ تو آپ کے ہمراہ دس ہزار مجاہد تھے۔ (سیرت ابنِ ھشام)

۷۔ اشاعتِ دین میں غیر معمولی کامیابی کا دَور:۔

(صُلح نامہ حُدیبیہ کے بعد)

صُلح حدیبیہ کے فوراً بعد جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگوں سے ایک گونہ اطمینان نصیب ہوا تو آنجنابؐ نے ہمعصر ملوک و سلاطین کو تبلیغی خطوط بھجوائے۔ حبش کے بادشاہ نے اپنے درباریوں سمیت اسلام قبول کر لیا۔ عُبید اور جعفر رئیسِ عُمان، مشرف باسلام ہوئے۔ مُنذر فرمانروائے بحرین نے اسلام کی دعوت پر لبیک کہی۔ شاہِ روم ہرقل، اور حاکم مصر، مقوقس اگرچہ ایمان نہ لائے۔ لیکن انھوں نے مُصالحانہ رویّہ اختیار کیا۔ اور اُن کی مملکتوں میں اسلام کی دعوت پر حیثیت غور و فکر کرنے لگی۔ (سیرت النبی: علامہ شبلی)

قریشِ مکہ نے "معاہدۂ حدیبیہ" کی خلاف ورزی کی۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کرنے کا قصد فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی نُصرت فرمائی۔ فتح مکہ کے موقع پر

Marfat.com

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگزر کے رویے سے متاثر ہو کر لوگ جوق در جوق ایمان لے آئے۔ چنانچہ مکہ کا رئیسِ اعظم ابو سفیان رضؓ، عتبہ کی بیٹی ہند، ابو جہل کا فرزند عکرمہ، اُمیہ بن خلف کا بیٹا صفوان، عتبہ کا بیٹا شیبہ، ابی لہب کا فرزند عتبہ اور کئی دوسرے سربرآوردہ لوگ ایمان لائے۔ (سیرت ابن ہشام)

فتح مکہ سے پہلے لوگ کہتے تھے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُس کی قوم کو آپس میں نمٹ لینے دو۔ اگر محمدؐ اپنی قوم پر غالب آگئے تو وہ سچے نبی ہیں"۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا تو ہر قبیلہ کے لوگوں نے اسلام لانے میں جلدی کی۔ (صحیح بخاری)

اور بہت جلد دُنیا نے لوگوں کو فوج در فوج دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا اور قرآنی پیشگوئی پوری ہوئی۔ جو قبائل ایمان لائے، اُن میں غطفان، ثقیف، ہمدان، بنو سعد کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

۸۔ فتح مکہ اور تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا نقطۂ عروج:۔

فتح مکہ کے فوراً بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قبائل میں اپنے اہتمام سے مبلغین بھیجے۔ مثلاً قبیلہ ہمدان میں حضرت علی رضؓ، نجران میں مغیرہ بن شعبہؓ، آبنائے فارس میں بزبن تخیسؓ اور فدک میں محیصہ بن مسعودؓ کو روانہ فرمایا۔ جنھیں ہر جگہ کامیابی حاصل ہوئی اس طرح اب اسلام کا اثر ایک طرف یمن، بحرین، عمان اور دوسری طرف عراق و شام تک وسیع ہو گیا۔ (سیرت النبی: شبلی نعمانی)

فتح مکہ کے بعد، ایک سال کے اندر اندر تقریباً سارے عرب کے وفد حاضرِ خدمت ہو کر مع اپنی قوم کے مسلمان ہو گئے۔ اسی وجہ سے یہ سال "سنۃ الوفود" کہلاتا ہے۔

(اسلام کیسے پھیلا، مولینا حبیب الرحمٰن)

۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج الوداع ادا فرمایا۔ اور اس حج میں تمام احکام کا لُبِّ لُباب اور خلاصہ ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد تک پہنچا دیا۔ اسی لیے اسے حج البلاغ

Marfat.com

بھی کہتے ہیں۔ (سیرت ابن ھشام)

اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام حاضرین کو نصیحت فرمادی:

"جو لوگ موجود ہیں وہ میری ان باتوں کو اچھی طرح یاد کرلیں۔ اور ان لوگوں تک پہنچا دیں، جو حاضر نہیں۔" (خطبۂ حجۃ الوداع)

خلاصۂ کلام:۔

اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئیس برس کی مختصر مدت میں اسلام کو پورے عرب کا دین بنادیا۔ اور یہ ذمہ داری اُمتِ محمدیہ کو سونپ دی، کہ وہ اللہ کے دین کو اقصائے عالم میں پھیلاتے رہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل تبلیغی مساعی پر تبصرہ کرتے ہوئے، علامہ عبدالمتعال مصری نے کیا خوب لکھا ہے:

"لوگوں کو توحید کی تعلیم دینے اور ان تک پیغامِ حق پہنچانے میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بے نظیر حکمتِ عملی سے کام لیا۔ اس کے باعث آپ بہت ہی قلیل عرصے میں کامرانی سے ہم کنار ہوئے۔۔۔۔ آپؐ نے راہِ تبلیغ میں کبھی درشتی اور تندخوئی سے کام نہ لیا بلکہ انداز کار میں بڑی نرمی اور شفقت سے تبلیغ حق کا فرض انجام دیتے رہے۔ اور حکیمانہ تدریج سے اس سلسلے کو آگے بڑھاتے رہے۔ ایسا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی زبردست مشیت کام کر رہی تھی۔"

جہاد

معنی اور مفہوم:

دائرۃ المعارف اسلامیہ میں جہاد کے لغوی معنیٰ بیان ہوئے ہیں۔ وہ کوشش اور محنت جو کسی معیّن مقصد کے لیے کی جائے۔ اور اس کے اصطلاحی معانی یہ بتلائے گئے ہیں۔ کہ "وہ محنت اور وہ کوشش جو اللہ کے لیے اللہ کی راہ میں، اسلام کے لیے، نظام ملت کے لیے یا اس کے استحکام کے لیے کی جائے۔ خواہ وہ مال سے ہو، جان سے ہو یا کسی اور طریقے سے۔"

فرضیت جہاد:

جہاد ایک صورت میں فرض کفایہ ہے۔ اور دوسری صورت میں فرض عین ہے۔ امام مالک کے الفاظ میں "اگر کفار اپنے اپنے ملکوں میں ہیں۔ اور مسلمانوں پر حملہ آور نہیں ہوتے۔ تو اس حالت میں جہاد فرض کفایہ ہے۔ لیکن جب وہ ہمارے ملکوں پر حملے کا قصد کریں۔ اور امیر ملت نفیر (دعوت عام برائے جہاد) کا اعلان کرے تو پھر جہاد فرض عین ہو جائے گا۔

آیات قرآنی:

☆ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ — اے پیغمبر! مومنین کو جنگ پر ابھاریے!

☆ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ۔ — مومن اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اور کافر شیطان کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔

☆ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ۔ — اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔

☆ وَجَاهِدُوْا حَقَّ جِهَادِهٖ۔ — اور جہاد کرو۔ جیسا کہ جہاد کرنے والوں کا حق ہے

☆ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً۔ (النساء - ۹۵) — اللہ تعالیٰ نے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو گھر بیٹھنے والوں پر درجے [illegible]

Marfat.com

جہاد کے فضائل (احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں)

☆ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا سب سے اچھا عمل ہے۔ (صحیحین)

☆ خدا کی راہ میں ایک دن ڈٹ جانا، دوسری جگہوں میں گذارے ہوئے ہزاروں دنوں سے بہتر ہے۔ (ترمذی)

☆ بالعموم دو دعائیں رد نہیں ہوتیں۔ ایک آذان کے وقت کی دُعا دوسری میدانِ جہاد میں دُعا جب کہ فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں۔ (ابوداؤد)

☆ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔

☆ جہاد فی سبیل اللہ کی ایک صبح یا شام، دنیا کی ان تمام نعمتوں سے افضل ہے جن پر سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ میں ایک دن اور رات کی پاسبانی کرنا۔ ایک مہینہ کے روزوں اور شب بیداری سے بہتر ہے۔ (ترمذی)

☆ خدا کی راہ میں ایک دن کی چوکیداری دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ (صحیحین)

☆ دین اسلام ہمیشہ قائم رہے گا۔ اور مسلمانوں کی ایک نہ ایک جماعت تا قیامت جہاد کرتی رہے گی۔ (مسلم)

☆ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے نکلا۔ خدا تعالیٰ اس کا ضامن ہو گیا۔ (صحیحین)

☆ جس شخص نے جہاد نہ کیا اور جہاد کی نیت تک نہ کی۔ اس کی موت نفاق پر ہوئی۔ (مسلم)

☆ جب تمہیں جہاد کے لیے بلایا جائے تو تم اپنے گھروں سے نکل پڑو۔ (صحیحین)

Marfat.com

☆ مشرکین سے اپنی جان و مال اور زبانوں کے ذریعہ جہاد کرو۔ (ابوداؤد)

☆ جو تیاری جہاد کے لیے مال خرچ کرے۔ اسے سات سو گنا ثواب ملے گا۔

(ترمذی)

مجاہد کے فضائل: (احادیث نبویؐ)

☆ وہ مومن جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتا ہے۔ سب سے افضل ہے۔ (صحیح بخاری)

☆ اللہ تعالیٰ نے راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لیے سو درجے تیار کیے ہیں۔ جن میں ہر درجے میں اتنا فاصلہ ہے۔ جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ (صحیح بخاری)

☆ جس شخص کے پاؤں راہِ خدا میں غبار آلود ہو جائیں۔ اسے جہنم کی آگ نہ چھونے گی۔ (صحیح بخاری)

☆ راہ خدا کی دھول اور دوزخ کا دھواں دونوں جمع نہیں ہونگے۔ (ترمذی)

☆ دو آنکھوں کو آگ نہ چھوئے گی۔ ایک جو خدا کے خوف سے آنسو بہائے۔ دوسری جو خدا کی راہ میں پاسبانی کرتی ہوئی جاگتی رہے۔ (ترمذی)

☆ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ایسا ہے۔ جیسے شب بیداری کرنے والا روزے دار۔ (بخاری و مسلم)

☆ جو شخص اللہ کی راہ میں ایک تیر چلائے گا۔ تو وہ غلام آزاد کرنے والے کے برابر ثواب پائے گا۔ (الحدیث)

☆ جس نے ایک رات بھی میدان جنگ میں دشمن کے انتظار میں گزاری گویا ہزار دنوں کے روزے اور ہزار راتوں کی عبادت کا ثواب پایا۔

Marfat.com

☆ جس نے مجاہد کے گھر والوں کی خبرگیری کی۔ تو اس نے بھی جہاد کیا۔
(صحیح بخاری)

☆ اللہ تعالیٰ کو دو قطرے محبوب ہیں۔ ایک جو خوفِ خدا سے آنکھ سے ٹپکے دوسرا جو راہ خدا میں (جسم سے) بہہ نکلے۔ (ترمذی)

☆ اللہ تعالیٰ کو دو نشان پسند ہیں۔ ایک جو راہِ خدا میں چوٹ کھانے یا زخم لگنے سے آئے۔ دوسرا جو اس کے فرائض میں سے کسی فرض کا نشان ہو۔
(ترمذی)

شہادت اور شہید کے فضائل:

☆ جو شخص خدا تعالیٰ سے سچے دل سے شہادت طلب کرتا ہے۔ اس کو شہید کا درجہ ملتا ہے۔ اگرچہ وہ بستر پر مرے۔ (مسلم)

☆ جو شخص راہ خدا میں مارا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے سارے گناہ مٹا دیتا ہے۔ (البتہ قرض معاف نہیں ہوتا) (مسلم)

☆ واللہ! جس کے ہاتھ میں میری (محمدؐ کی) جان ہے۔ میں اس امر کو بہت محبوب رکھتا ہوں۔ کہ خدا کی راہ میں بار بار مارا جاؤں۔ اور ہر بار پھر زندہ کیا جاؤں۔ (بخاری)

☆ جنت میں جانے کے بعد کوئی شخص دنیا میں لوٹنا پسند نہیں کرے گا۔ مگر شہید اس کی آرزو کرے گا۔ کہ وہ دنیا میں دس مرتبہ جائے۔ اور دس مرتبہ مارا جائے۔ کیونکہ وہ شہادت کا اجر و ثواب جانتا ہے۔ (بخاری)

☆ سب سے پہلے جنت میں جانے والوں میں شہید بھی ہوں گے۔
(ترمذی)

Marfat.com

☆ شہید کو شہادت کے وقت صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے۔ جتنی کہ تم کو چیونٹی کے کاٹنے کی۔ (ترمذی)

☆ شہید خدا تعالیٰ کے عرش کے سائے میں ہوگا۔ اور صرف انبیاء اس سے درجہ نبوت میں بڑھ کر ہوں گے۔ (دارمی)

جہاد کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے اقوال:

اگر یہ کہا جائے۔ کہ صحابہ کرام کی جماعت کا شعار جہاد تھا تو مبالغہ نہ ہوگا چند اقوال صحابہ درج ذیل ہیں۔

☆ جو قوم راہ حق میں جہاد کو چھوڑ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دیتا ہے۔

(ابوبکر صدیقؓ، خطبہ خلافت)

☆ میں دعا کرتا ہوں۔ کہ تمہارے دل سے شوق جہاد کبھی نہ نکلے۔

(خالد بن ولیدؓ کے لیے دعائے صدیقؓ)

☆ جس وقت میرا یہ مراسلہ پہنچے تو لوگوں کو جمع کر کے جہاد کی ترغیب دیجیے۔ اور مسلمانوں کو یہ تربیت دیجیے۔ کہ ہر مسلمان اپنی حرکت اور سکون میں اللہ کی خوشنودی اور کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے کوشاں رہے۔

(عمر بن عاصؓ کے نام فاروق اعظمؓ کا مکتوب)

☆ اے خدائے بزرگ و برتر۔ اگر یہ سمندر (بحر اوقیانوس) حائل نہ ہوتا تو میں تیرے نام کی عظمت پھیلانے کے لیے دور دراز ملکوں میں بڑھتا چلا جاتا۔

(عقبہ بن نافعؓ)

☆ اس ہستی کی قسم۔ جس کے قبضہ قدرت میں پسر ابوطالب کی جان ہے۔ مجھ کو تلوار کی ضربیں بستر پر ایڑیاں رگڑ کر مرجانے سے [illegible]

Marfat.com

☆ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جس نے اس کو چھوڑا اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کا لباس پہناتا ہے۔ اور اس پر رسوائی مسلط کر دیتا ہے۔ (حضرت علیؓ)

☆ میں نے زندگی کا ایک ایک لمحہ جہاد فی سبیل اللہ میں گذارا ہے۔ میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی۔ کہ میدان جنگ میں جام شہادت نوش کرتا مگر افسوس کہ چارپائی پر جان دے رہا ہوں۔ (خالد بن ولیدؓ کے آخری الفاظ)

صحابۂ کرام میں شوقِ شہادت

(تاریخ اسلام کے آئینے میں)

غزوۂ بدر میں آنحضورؐ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا اٹھو! اور جنت حاصل کرو۔ جس کا طول و عرض آسمان و زمین کے برابر ہے۔ عمیر بن الحمام انصاری نے رسول اکرم کے الفاظ پر تحسین کہی۔ اور لڑ کر شہید ہو گئے۔

حضرت انسؓ کے چچا غزوۂ بدر میں شریک ہونے کی سعادت حاصل نہ کر سکے تھے۔ جس کا انہیں بڑا ملال تھا۔ غزوۂ اُحد پیش آیا تو آپ بڑی جانبازی سے لڑے اور شہید ہو گئے۔ اُن کے جسم پر نیزے اور تلوار کے اسّی زخم تھے۔

عمرو بن الجموح بہت بوڑھے تھے اور لنگڑے بھی۔ باوجودیکہ انہیں جہاد معاف تھا۔ لیکن شوقِ شہادت انہیں میدانِ کارزار میں لے آیا اور غزوہ اُحد میں انھوں نے کفار سے لڑ کر جان دی۔

غزوہ اُحد میں ایک صحابی نے آنحضورؐ سے پوچھا۔ اگر میں شہید ہو جاؤں۔ تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ ارشاد ہوا۔ جنت میں۔ اس صحابی نے کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور لڑ کر جام شہادت نوش فرمایا۔

Marfat.com

ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے جنگ میں روایت کی جنت تلوار کے سایہ کے نیچے ہے" دوسرے صحابی نے پوچھا کہ آیا تم نے اس روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے؟ وہ بولے ہاں۔ پس اس صحابی نے تلوار کا میان توڑ پھینکا۔ اور دشمن کی صف میں جا گھسے، اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ایک غزوے میں مال غنیمت ہاتھ آیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدو غلام کو، جو ایمان لا چکا تھا۔ مال غنیمت میں سے حصہ دینا چاہا۔ اس نے رقم لینے سے انکار کر دیا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس لیے ایمان نہیں لایا۔ کہ مال غنیمت حاصل کروں۔ بلکہ میں اس لیے حلقہ اسلام میں داخل ہوا ہوں کہ میرے دل میں تیر لگے۔ اور میں شہادت پا کر جنت میں داخل ہو جاؤں۔ تھوڑی دیر بعد میدان کارزار گرم ہوا تو اس نے مقام شہادت پا لیا۔ جب اس کی لاش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائی گئی۔ تو ارشاد فرمایا "اس نے خدا کی تصدیق کی تو خدا نے اس کی تصدیق کر دی"

جہاد اور مفکرین کے اقوال

○ "کتاب و سنت میں جہاد فی سبیل اللہ کے اس قدر فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ کہ حد حصر سے باہر ہیں۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دین حق کا سر اسلام ہے۔ اس کا ستون نماز ہے۔ اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے"

Marfat.com

جہاد کا ثمرہ ایسا ہے۔ جو آخرت میں باقی رہنے والا ہے۔ اور دنیا کی جس قدر نعمتیں ہیں۔ وہ سب زائل ہونے والی ہیں۔ (حضرت شاہ ولی اللہ)

سب سے پہلے اسلام کے لیے جنہوں نے تلوار اٹھائی۔ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر تھے۔ (شاہ ولی اللہ)

واضح رہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت عامہ کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ اور سید المرسلین کے دین کا دیگر ادیان پر غلبہ جہاد اور اس کا سامان تیار کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔ (حضرت شاہ ولی اللہ)

عام طور سے اسلام کے سلسلہ عبادات میں جہاد کا نام فقہی تحریروں میں نہیں آتا۔ مگر قرآن پاک اور احادیث نبوی میں اس کی فرضیت و اہمیت بہت سے فقہی احکام و عبادات سے بدرجہا زیادہ ہے۔ (مولانا سید سلیمان ندوی)

ملت اسلامیہ اور ریاست شرعیہ کا سب سے بڑا مقصد دفع ظلم، قلع فساد اور قیام امن ہے۔ (حیدر زمان صدیقی)

صرف اندرون ملک ہی نہیں۔ بلکہ خدا کی ساری زمین سے ظلم و معصیت اور فساد و بدامنی کو ختم کرنا۔ حکومت اسلامی کا ملی فریضہ ہے۔

(حیدر زمان صدیقی)

اسلام کی حقیقت ہی جہاد ہے۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اسلام سے اگر جہاد الگ کر لیا جائے۔ تو وہ ایک لفظ ہوگا۔ جس کے معنی نہیں۔ ایک اسم ہوگا۔ جس کا مسمیٰ نہیں ہے۔ ایک قشر (چھلکا) ہوگا۔ جس سے مغز نکال لیا گیا ہو۔ (مولانا ابوالکلام آزاد)

اسلام اور جہاد ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ کوئی ہستی مسلم نہیں ہو سکتی جب تک وہ مجاہد نہیں ہو سکتا جب تک وہ مسلم نہ ہو۔ (مولانا ابوالکلام آزاد)

Marfat.com

وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ

جہاد

اور اس کا فلسفہ

اسلام الہامی مذاہب کے سلسلہ کی تکمیلی کڑی ہے۔ اور تمام عالم انسانی کے لیے ربانی پیغام اور ضابطۂ حیات ہے۔ اور چونکہ اسلام کا دیگر مذاہب پر غلبہ و ولولہ جہاد اور بھرپور تیاری کے بغیر ممکن نہ تھا۔ اس لیے اللہ رب العزت نے جہاد کے احکام اپنی کتاب پاک میں نازل فرمائے۔ اور سید المرسلینؐ نے اپنے قول و عمل سے ان احکام کی تشریح فرمائی۔

لغت عرب میں اسلام کے معروف معنیٰ امن و سلامتی کے ہیں اور امن و آشتی کے اس مقصد جلیل کو حاصل کرنے کا وسیلہ جہاد ہے۔ جہاد کے لغوی معنیٰ ہیں کمال درجہ کوشش کرنا۔ اور قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کے معنیٰ ایسی بھرپور سعی و جہد کے ہیں جو سچائی کی راہ میں یا اسلام کی سربلندی کے لیے کی جائے۔

اقسام جہاد:

جہاد کی کئی عملی صورتیں ہیں۔

قرآنی دلائل کی شمشیر آبدار سے، اسلام کی دوسرے مذاہب پر فضیلت ثابت کرنا

Marfat.com

ثابت کرنا جہادؒ بالقرآن ہے۔ اگر یہ سعیٔ بلیغ زبان سے کی جائے۔ تو جہاد باللسان کہلائے گا۔ اور اگر زورِ قلم سے کی جائے تو اسے جہاد بالقلم کہیں گے۔ اگر انسان اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانے کی کوشش کرے۔ تو یہ جہاد بالقلب ہے۔ اگر اسلام کے دشمنوں سے نبرد آزما بندہ مومن تدبیر کرے۔ اور زر و مال خرچ کرے۔ تو جہادؒ بالمال ہے۔ اگر اس راہ میں جان کی بازی لگا دی جائے۔ تو یہ جہادؒ بالنفس ہے۔ اگر آلاتِ حرب و ضرب کام میں لائے جائیں تو جہادؒ بالسیف ہے۔ الغرض امن و سلامتی کے علمبردار، دین کی سربلندی کے لیے جو بھرپور کوششیں کی جائیں۔ خواہ لسانی ہوں یا تحریری۔ خواہ مالی ہوں یا جانی۔ تمام کی تمام جہاد ہی کہلاتی ہیں۔ جہاد کے اس وسیع تر مفہوم کو سامنے رکھ کر دیکھ لیجئے۔ کہ انسانی اعمال میں کون سی بڑائی اور نیکی ہے۔ جو اس دائرے سے باہر رہ گئی ہو اور کون سا اچھا عمل ہے جو اس کے بغیر انجام پا سکتا ہو۔ دشمن کی فوج سے بندہ مومن کا خاص ہی اوقات میں مقابلہ ہو سکتا ہے۔ لیکن بندہ مومن تو زندگی کی ہر صبح و شام بلکہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ حق اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر بسر کرتا ہے۔ پس جہاد کی مقدس اصطلاح کے ساتھ یہ بڑی زیادتی ہوگی۔ کہ اسے دشمنوں کے مقابلہ میں لڑنے اور خون بہانے تک محدود کر دیا جائے۔ ...

... رہی قتال فی سبیل اللہ کی صورت تو اس کی حقیقت کو زیادہ توجہ سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

مخالفین اسلام کی دو اقسام:

سورۃ ممتحنہ کی ابتدائی آیات پر نظر ڈالیے۔ قرآن حکیم ہمیں بتلاتا ہے۔ کہ دنیا میں دو قومیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ **غیر محارب:** ایک وہ جنہوں نے نہ تو مسلمانوں پر حملہ کیا ہے۔ اور نہ ان کی بستیوں پر۔ قرآن عظیم میں ایسے لوگوں سے حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔

۲۔ **محارب:** دوسرے وہ جو مسلمانوں سے قتل و قتال کریں۔ اور ان کو ان کی بستیوں

سے نکال باہر کریں۔ اسلام اسی گروہ سے جہاد و قتال کا حکم دیتا ہے۔

۱۔ دفاعی جہاد:

اسلام کی تعلیمات کے بنیادی مآخذ قرآن مجید میں قتال و جہاد کے بارے میں پہلے پہل جو حکم نازل ہوا۔ اس کے الفاظ پر غور فرمائیے اور دیکھئے کہ کن لوگوں سے کن حالات میں اللہ رب العزت نے جہاد کرنے کی اجازت دی ہے۔

ارشاد ہوا۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ	جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے۔ انہیں
بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ	لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان
عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝	پر ظلم ہوا ہے۔ اور اللہ ان کی مدد پر پوری
الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ	قدرت رکھتا ہے۔
بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا	یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بے قصور
رَبُّنَا اللّٰهُ	نکالے گئے۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ
	اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار کہتے تھے۔

اسلام کی تاریخ پر جن لوگوں کی نظر ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ کفار مکہ السابقون الاولون یعنی مومنین اولین کو کتنی بڑی اذیتیں دیں۔ ان کو ستانے کے لیے کیسے کیسے انداز ستم ایجاد کیے۔ جناب حبیب خدا کو کیسی تکلیفیں دیں اور انہیں جلاوطن کرنے، نظر بند کرنے بلکہ قتل تک کر دینے کے منصوبے باندھے۔ یہاں تک کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اذن خداوندی سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے باہمی ملاپ سے ایک نئے معاشرے نئے تمدن کی بنیاد کی داغ بیل ڈالی۔ کفار مکہ نے یہاں بھی انہیں آرام سے نہ رہنے دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اور ان کے صحابہ کو اپنی جان، مال، ناموس اور دین کی حفاظت کی

جہاد کی اجازت دے دی۔

اگرچہ اسلام نے سب معاملات میں تحمل، برداشت، بردباری اور رواداری کی تعلیم دی ہے۔ لیکن اسلام نے انہیں کسی ایسے حملے کو برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دی۔ جو اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں پر اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظام مسلط کرنے کے لیے کیا جائے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے الفاظ میں:

○ "اسلام نے سختی کے ساتھ حکم دیا ہے کہ جو کوئی تمہارے انسانی حقوق چھیننے کی کوشش کرے۔ تم پر ظلم و ستم ڈھائے۔ تمہاری جائز ملکیتوں سے تم کو بے دخل کرے۔ تم سے ایمان و ضمیر کی آزادی سلب کرے۔ تمہارے اجتماعی نظم کو درہم برہم کرنا چاہے۔ اور محض اس وجہ سے درپے آزار ہو کہ تم مسلمان ہو۔ تو اس کے مقابلے میں ہرگز کمزوری نہ دکھاؤ۔ اور اپنی پوری طاقت اُس کے ظلم کو دفع کرنے میں صرف کر دو۔

اس دفاعی جہاد یا مدافعتِ دیارِ اسلام کی اہمیت اتنی زیادہ ہے۔ کہ جوں ہی دشمن داخلہ اسلام پر حملہ آور ہو۔ تو ہر مسلمان پر فرداً فرداً دفاع کا فرض عائد ہو جاتا ہے۔ فقہ کی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں لکھا ہے۔

○ "مگر جب اعلانِ عام ہو جائے کہ دشمن نے ایک اسلامی ملک پر حملہ کیا ہے تو پھر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ اور ہر مسلمان پر جو جہاد کی قدرت رکھتا ہو۔ فرداً فرداً اس پر فریضۂ جہاد عائد ہو جاتی ہے۔"

پس دفاعی جہاد جارحیت اور ظلم کو مٹانے کی ایک ایسی تدبیر ہے۔ جس کی ضرورت اور مجبوری ہے کوئی منصف مزاج انسان انکار نہیں کر سکتا۔

★★★★

۲- اصلاحی جہاد یا مصلحانہ جنگ :

دفاعی جہاد کے علاوہ اللہ جل شانہٗ نے امتِ محمدیہ کے افراد پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ دنیا میں جہاں کہیں فتنہ و فساد دیکھیں۔ اسے مٹا دیں۔ جہاں کہیں فسق و فجور پائیں۔ اسے دبا دیں۔ جہاں کہیں بدی اور منکرات کا طوفان اٹھتا دیکھیں۔ تو اس کا رخ موڑ دیں۔

"دفاعی جہاد کے اندر یہ راز مضمر تھا۔ کہ اپنا وجود اور اپنی قوت فتنے سے محفوظ رکھو۔ اس اصلاحی جہاد کا مقصد یہ ہے۔ کہ اس محفوظ شدہ طاقت کو تمام دنیا سے فتنہ و فساد مٹانے، اور فتنہ پردازوں سے فساد کی قوت چھین کر اُن کو اپنا تابع بنانے کی پوری پوری کوشش کرو۔"

اسلامی علم سیاست کے ایک ماہر نے اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔ صرف اندرونِ مملکت ہی نہیں بلکہ خدا کی ساری زمین سے ظلم و معصیت اور فساد و بدامنی کو ختم کرنا حکومت اسلامی کا فرض ہے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ قیامِ حکومت اور جہاد کا حکم اسی مقصد کے لیے ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ط	تم اہل کفر سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ مٹ جائے۔ اور اطاعت اللہ کے لیے مخصوص ہو جائے

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ	ان لوگوں کو اگر ہم زمین پر غلبہ عطا کریں گے تو وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے

Marfat.com

وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ نیکی کا حکم کریں گے۔ برائی سے روکیں گے۔

اسی مضمون کی کئی دوسری آیات قرآنی کا لُبِّ لباب یہ ہے۔ کہ اس دنیا سے فتنہ وفساد کو مٹانے اور انسانی زندگی کو منکر (گناہ) سے پاک کرنے کی سب سے موثر وکارگر تدبیر یہ ہے۔ کہ تمام مفسد حکومتوں کا قلع قمع کر دیا جائے۔ اور ان کی جگہ اصول وعمل دونوں کے لحاظ سے ایسی حکومت وریاست قائم کی جائے۔ جو نیکی اور نیکوکاری پر مبنی ہو۔ اس ریاست کے قیام کے لیے جو کوششیں کی جائیں گی۔ انہیں "اصلاحی جہاد" یا "مصلحانہ جنگ" کا نام دیا جا سکتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے پہلے دو خلفاء (ابوبکرؓ و عمرؓ) نے ملک عرب کی اصلاح سے فارغ ہو کر باہر کی دنیا پر نظر ڈالی۔ انہوں نے جن حقائق کو دیکھا۔ محسوس کیا۔ وہ یہ تھے۔ کہ تمام ہمسایہ ممالک پر ظالم بادشاہ اور جابر امراء مسلط ہیں۔ قیصر و کسریٰ وقت کی دو عظیم قوتیں ہیں۔ اور دونوں کی رعایا امن وسکون سے محروم ہے۔ حاکموں اور طاقت وروں کے چشم وابرو کے اشاروں سے زیر دستوں اور کمزوروں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ عوام و خواص شراب نوشی، زناکاری، قمار بازی اور نفس پرستی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم اور کسریٰ عجم اور مقوقس مصر کو دعوت اسلام دی۔ آنحضور کی وفات کے بعد خلفائے اسلام نے ان فرمانرواؤں کو دوبارہ اسلام کی دعوت دی۔ لیکن جب قیصر و کسریٰ سے جنگ ہو گئی۔ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلفائے رسول نے ایران اور روما کی سلطنتوں کو پاش پاش کر کے وہاں کے عوام اور ملوک و سلاطین کے مظالم سے نجات دلائی۔ انہیں نفس پرستی کی دلدل سے نکال کر "راہ مستقیم" پر ڈال دیا۔ بدی کی قوتوں کو شکست دے کر معروف

Marfat.com

Marfat.com

عفو و درگذر

عفو و درگزر حلم و تحمل ہی کا ایک عملی مظہر ہے۔ اور عفو و درگزر سے مراد ہے دوسروں کی خطاؤں سے چشم پوشی کرنا۔ اور دوسروں کی غلطیوں کو انتقام کی قدرت ہونے کے باوجود معاف کر دینا۔ تاکہ رضائے الٰہی حاصل ہو سکے۔

آیات قرآنی:

خُذِ الْعَفْوَ — اے نبی! درگزر کا شیوہ اختیار کیجئے۔

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا — اے مسلمانو! عفو و درگزر سے کام لیجئے

احادیث نبوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کوئی شخص اس وقت تک صاحب فضیلت نہیں ہو سکتا جب تک کہ تعلق توڑنے والوں سے رشتہ نہ جوڑے زیادتی کرنے والے کو معاف کر دے اور جو اسے محروم کرے اسے عطا نہ کرے۔ (الحدیث)

غصے کے اس گھونٹ سے کوئی گھونٹ افضل نہیں جو خدا کی رضا کیلئے پی لیا جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

اللہ تعالیٰ عفو و درگزر کرنے والے کی عزت بڑھاتا ہے۔ (صحیح بخاری)

ایک دوسرے کو معاف کر دو۔ تمہارے کینے دور ہو جائیں گے۔ (کنز العمال)

پہلوان وہ نہیں جو سب کو پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے کو قابو میں رکھے۔ (مسلم)

ایک صحابی نے آنحضورؐ سے عرض کیا مجھے نصیحت فرمائیے آپ نے جواباً

Marfat.com

ارشاد فرمایا۔ "غصہ نہ کر"

ایک صحابی نے پوچھا میں اپنے خادم کا قصور کتنی مرتبہ معاف کروں۔ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ "ہر روز ستر بار" (ترمذی)

مسلمانوں کا افضل ترین اخلاق عفو و درگزر ہے (الحدیث)

اقوال زریں:

دودھ یا شہد کے ہر گھونٹ سے غصہ کا گھونٹ پی لینا بہتر ہے (عمر فاروقؓ)

معاف کر دینا انتقام کی افضل ترین صورت ہے۔ (حضرت علیؓ)

جس میں غصہ زیادہ ہوتا ہے، اس کے دوست کم ہوتے ہیں (حضرت علیؓ)

کسی پر قصاص یا تاوان کا حق ثابت ہوتا ہو اُسے چھوڑ دینا عفو ہے۔

(امام غزالی)

اُسوۂ رسول:۔ (شان عفو و درگزر)

آنحضورؐ کی زوجہ محترمہ جناب عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور انورؐ نے زندگی بھر اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

حضرت انسؓ گواہی دیتے ہیں۔ "میں دس برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا۔ لیکن آپ نے مجھے کبھی کلمۂ اُف بھی نہ کہا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی عفو و درگزر کی بہترین مثال ہے لوگ آپؐ پر آوازے کستے۔ آپؐ کی راہ میں کانٹے بچھاتے، آپؐ کی شان میں گستاخیاں کرتے۔ لیکن آپؐ نے ہمیشہ اُن کی زیادتیوں پر عفو و درگزر سے کام لیا۔ دعثور نامی ایک شخص نے آپ صلعم کو درخت کے سائے تلے سوتے میں قتل کرنا چاہا۔ لیکن بیدار ہونے پر اسکی تلوار بھی حضورؐ کے ہاتھ لگ گئی پھر بھی آپؐ نے اُسے معاف کر دیا۔

Marfat.com

فتح مکہ کے بعد جب حضور اکرمؐ کو قریش مکہ پر اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ اور انتقام کی پوری پوری قدرت بھی حاصل ہو گئی، تو بھی آپ نے انہیں "عفو عام" کے ذریعے شاد کام کیا۔

مدینہ میں ایک یہودی عورت نے آنجنابؐ کو زہر آلودہ گوشت کھلا کر شہید کرنا چاہا جس کے کھانے کھاتے ہی آپ پر ساری حقیقت منکشف ہو گئی۔ لیکن حضور انورؐ نے اس یہودیہ کو کوئی سزا نہ دی۔ چند برس بعد اسی زہر کے اثر سے آپ کی وفات ہو گئی۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے دین اسلام کو نیچا دکھانے اور پیغمبر اسلام کو ستانے کے جتن کئے؟ لیکن حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو زندگی بھر اپنے دامن عفو میں پناہ دے رکھی۔ اس کے مرنے پر نماز جنازہ پڑھی۔ اور جب یہ تنبیہ نازل ہوئی کہ تم اس کے ستر مرتبہ بھی دعائے مغفرت کرو۔ تو بھی ہم اُسے عذاب دیں گے۔ اس پر آنحضرتؐ نے "میں اس کے لیے اکہتر مرتبہ دعائے مغفرت کروں گا۔ شاید کہ اللہ رب العزت معاف فرما دیں۔" اپنے مخالفوں سے عفو و درگزر کی ایسی روشن مثال کہیں اور ہے؟

صبر

حلم و تحمل اور اس کی ایک عملی صورت عفو و درگذر کا بیان ہو چکا۔ اب ہم صبر کے عنوان میں آئیں گے۔ جو حلم و تحمل کی معراج ہے۔ اسکی ترقی یافتہ صورت ہے اور حلم و تحمل سے اصطلاح ہے۔

عربی میں صبر کے معنی ہیں، سہارنا، برداشت کرنا اور مضبوطی سے قائم رہنا اور مطلب ہے کہ اللہ جل جلالہٗ کی خوشنودی کے حصول کیلئے۔ انسان مصائب و مشکلات

Marfat.com

کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرے، اللہ کے دین پر مضبوطی سے جما رہے، میدان کارزار میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرے۔ اگر بظاہر دعا قبول ہوتی ہوئی نظر نہ آئے تو بھی صابر و شاکر رہے اور اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہو۔ اور اپنے نفس کو تمام ناپسندیدہ باتوں سے روکے یا امام راغب کے الفاظ میں "اپنے آپ کو ان امور سے باز رکھے جن سے شرعاً یا عقلاً رُک جانا ضروری ہے"

مقامات صبر

صبر کی تین منزلیں (یا انواع) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی

طاعت پر صبر ——— یعنی احکام الٰہی کی کامل اطاعت۔

معصیت پر صبر ——— یعنی محرمات اور گناہوں سے کنارہ کشی۔

بلاء پر صبر ——— یعنی مصائب کو تحمل مزاجی سے برداشت کرنا

آیات قرآنی

امام ابن تیمیہ کا اندازہ ہے کہ قرآن مجید میں تقریباً نوے ۹۰ مرتبہ صبر کا ذکر آیا ہے

۱۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرہ) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔

۲۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ) اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

۳۔ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا (آل عمران) اے پیغمبر آپ صبر جمیل کی روش اختیار کریں

احادیث نبوی

۱۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صبر میرا لباس ہے۔ (حضرت

۲۔ ایمان حیا داری اور صبر کا مجموعہ ہے۔ (احمد

۳۔ صبر ایمان کی روشنی ہے۔ (ترمذی شریف

۴۔ دنیا میں سختیاں برداشت کرنے والے کو آخرت میں آسانیاں ہونگی۔ (ع

Marfat.com

مؤمن دو دکھ پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے۔ سو جب ملتا ہے تو اپا شکر بن جاتا ہے۔ بہر حال یہ اس کے لیے بہتری ہی (خیر سمیٹنا) ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

لوگو! دشمن سے مڈھیڑ ہونے کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی عافیت چاہو لیکن جب ان سے مقابلہ ٹھن جائے تو صبر و ثبات سے کام لو۔ (عبداللہ بن ابی اوفی)

صبر وہی ہے جو سینے پر پہلی چوٹ لگتے وقت کیا جائے۔ (عن انس رضؓ)

جو صبر و ثبات اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس راہ میں ثابت قدمی عطا کرتا ہے۔ (عن ابو سعید خدری رضؓ)

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اُسے مشکلات میں ڈال دیتا ہے۔ (صحیحین)

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو جن جن خوبیوں سے نوازتا ہے۔ ان میں سے بہتر اور عظیم تر صبر کا وصف ہے۔ (ابو سعید خدری رضؓ)

صبر بہشت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ (صحیحین)

اقوال سلف صالحین:

صبر نصف ایمان ہے اور یقین پورا ایمان ہے۔ (ابوبکر صدیق رضؓ)

صبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مصیبت جھیلنا، دوسرا گناہ چھوڑ دینا۔ اور دوسری صبر پہلی قسم کے صبر سے افضل ہے۔ (فاروق اعظم رضؓ)

تجھ پر تقدیر الٰہی ضرور جاری ہو کر رہے گی۔ ہاں اگر تو صبر کرے گا تو ثواب پائے گا اور اگر بے صبری کا شیوہ اختیار کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ (حضرت علیؓ)

جب تک انسان دوسروں کی ناپسندیدہ باتوں پر صبر نہ کرے اس کا ایمان ہرگز مکمل نہ ہوگا۔ (صحابی رسولؐ)

اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایمان سے ایمان کو عقل سے اور عقل کو صبر سے عزت بخشی (جنید بغدادیؒ)

Marfat.com

● مصائب کے مقابلے میں برداشت کی استعداد کا نام صبر ہے اور نفسانی
کے مقابلے میں صبر کا نام عفت ہے۔ (امام غ

● صبر نہ ہو تو افلاس و بیماری عذاب ہیں۔ صبر ہو تو انعام و اکرام۔
(شیخ عبدالقادر جیلا

● شہوات کے مقابلے میں دین کے کام کو ترجیح دینا صبر کہلاتا ہے۔ (امام

● اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراخی و کشائش کا منتظر رہنا صبر ہے۔ (حضر

● مصیبت کیوقت صبر نہ کرنا مصیبت سے بڑھ کر ہے۔ (بزرگوں ک

● رنج و تکلیف میں ہر آدمی صبر پر مجبور ہوتا ہے۔ لیکن عیش و آرام میں صب
گناہ سے باز رہنا، صدیقین کی نشانی ہے۔ (ایک صو

● دنیا کی تکلیف پر سلامتی کی توقع رکھتے ہوئے صبر کرو۔ (سری س

فلسفۂ صبر:

عموماً ہمارے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاءؑ۔ ش
صلحاء اور اولیاء کو آزمائش میں کیوں ڈالتا ہے۔ امام غزالیؒ نے "منہاج
میں وضاحت کی ہے کہ اللہ رب العزت اپنے نیک بندوں کو آزمائش
سے گزار کر گناہوں سے ویسے پاک کر دیتا ہے۔ جیسے کوئی سنار سو
میں تپا کر آلائشوں سے پاک صاف کر کے کندن بنا دیتا ہے۔ امام موصوف
ہیں۔ "فرض کیجئے اگر کوئی باپ اپنے دل کے چین، آنکھوں کی ٹھنڈک
کسی سخت مزاج اتالیق یا سخت گیر استاد کے سپرد کرتا ہے تو اس کا
ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا تعلیم و تربیت کی سختیوں سے گزر کر اعلیٰ
عمدہ کمالات کا حامل ہو جائے۔

بالکل اسی طرح خداوند عالم بھلے لوگوں کو آزمائش کے مرحلوں سے

Marfat.com

تاکہ اُن کے مخفی جوہر کھلیں ۔ اخلاقی اوصاف نکھریں، اور صابر لوگ روحانی مراتب حاصل کر سکیں ۔ امام غزالیؒ اپنی دوسری تالیف "کیمیائے سعادت" میں صبر کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دنیا کی تکالیف بالعموم انسان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں ۔ جیسا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے :

"دنیا میں سختیاں برداشت کرنے والے آدمی کو آخرت میں آسانیاں ہیں ۔ دنیا کی تکلیفیں برداشت کر لینا بہ مقابلہ عذاب آخرت سہنے کے بہتر ہے"

اس سلسلے میں عفو و درگزر نیز تحمل کے عنوان کے تحت درج کردہ واقعات و شواہد پر نظر ڈالیے اور خود ہی فیصلہ کیجیے کہ تاریخ انسانی میں حضور پر نورؐ سے زیادہ صابر و متحمل مزاج کوئی ہوا ہے ؟

صبر و شکر کا ربط :

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کو نصفِ ایمان قرار دیا ہے اور شکر کو بھی نصف ایمان اس حدیث پاک سے معلوم ہُوا کہ ابتلاؤں کے ہجوم میں صبر اور نعمتوں کی فراوانی میں شکر بندۂ مومن کے ایمان کو کامل بنا دیتا ہے ۔ اس لیے اب ہم شکر کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں ۔

شکر

شریعت حقہ میں شکر کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کی بے پایاں نعمتوں کا پورا احساس و ادراک کرے ۔ زبان سے مُنعم حقیقی کے احسانات کا اقرار کرے اور اللہ کی نعمتوں سے اُسکی مقرر کی ہوئی حدود میں رہ کر استفادہ

Marfat.com

کرے۔ مثلاً اگر ایک ذی علم اپنے علم سے بندگان الٰہی کو فائدہ پہنچاتا ہے تو یہ علم کی نعمت کا شکر ہے۔ اگر کوئی طاقتور کمزوروں کی امداد و دستگیری کرتا ہے تو یہ قوت کی نعمت کا شکرانہ ہے۔ اگر دولت مند اپنی دولت کا کچھ حصہ راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے، تو یہ نعمت دولت کا شکر ہے۔ اسی طرح عابد و زاہد کی عبادتیں اور ریاضتیں اسی جذبہ شکر کی نمود ہیں۔ غرضیکہ خالق کے حقوق ہوں یا بندوں کے حقوق ان کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی اسی جذبۂ شکر کا فطری تقاضہ ہیں۔

مدارج شکر:

اہل نظر کے نزدیک شکر کے تین درجے ہیں۔

۱۔ قلبی شکر:۔ جب انسان اپنے دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالےٰ کے انعامات کا احساس و ادراک کرے۔

۲۔ لسانی شکر:۔ جب انسان اپنی زبان سے منعم حقیقی کے احسانات کا اعتراف کرے۔

۳۔ عملی شکر:۔ جب انسان اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق فائدہ اٹھائے۔

آیاتِ قرآنی:

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔

وَاشْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ — اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ۔

پھر اللہ جل شانہٗ نے اپنے شکر گزار بندوں کو خوش خبری دی ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ — اگر تم شکر کروگے تو ہم زیادہ نعمتیں عطا کریں گے۔

احادیث نبویؐ:

۔ اللہ اپنے اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو صبح و شام کھانا تناول کرے

Marfat.com

شکر ادا کرتا ہے۔ (صحیح مسلم)

ہر وہ (مہتم بالشان) کام جو اللہ کی حمد کے ساتھ نہ شروع کیا جائے۔ ناقص ہے (ابو داؤد)

اے عمر! شکر کرنے والا دل، ذکر کرنے والی زبان اور مومنہ عورت کو جنت نے کی کوشش کرو" (عن عمرؓ)

جو میرا بیش از بیش شکر ادا کرے میں اس کا ہم نشین ہوں۔ (حدیث قدسی)

شکر بجالانے سے نعمت ہرگز کم نہیں ہوتی۔ (الحدیث)

کھانا کھانے والا شکر گزار مومن ہمیشہ کے روزے دار سے کہیں ہے۔

مومن وہ ہے کہ حلال میں اسپر حالت شکر طاری ہو اور حرام شے میں اس کی کیفیت غالب ہو۔ (الحدیث)

جس نعمت کا شکر ادا نہ کیا جائے گا وہ ایسا گناہ ہے کہ بخشا نہ جائیگا۔ (ارشادِ نبوی)

نعمتیں جنگلی جانوروں کی مانند بھاگ جاتی ہیں، پس تم انہیں شکر کے ساتھ کرو۔ (الحدیث)

اقوال سلف صالحین

خداوند تعالیٰ کی ظاہر و باطن دونوں میں کامل اطاعت کرنا شکر ہے۔ (ابن عباسؓ)

شکر ی افلاس کا زینہ ہے اور شکر دولت مندی کا زینہ۔ (حضرت علیؓ)

اگر صبر و شکر دو اونٹ ہوتے تو مجھے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی حاجت نہ پڑتی۔ (حضرت عمرؓ)

Marfat.com

اللہ کی نعمتوں کی پہچان کرنا اور دِل، زبان اور اعضاء وجوارح کو
رضا میں لگا دینے کا نام شکر ہے۔ (امام

شکر کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کے دِل میں اللہ تعالیٰ کی ایسی
ہو جو اللہ تعالیٰ اور اسکی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جائے (امام

شکر مُنعم حقیقی کے احسان کا اعتراف کرنا اور اسکی ربوبیت کا اقرار

(ابوسعید

تکلیف کے گزر جانے پر بھی اللہ جل شانہٗ کا شکر ادا کرنا چاہیئے
جس نعمت کا شکر ادا کر کے بندہ قرب الٰہی نہ حاصل کرے وہ آف

(ابو

دِل میں نعمت کو اللہ کی طرف سے جان کر شاداں ہونے کو ش
کہتے ہیں۔ (ابوبکر محمد علی

بلا پر بھی شکر کرنا چاہیئے کہ ممکن ہے کہ جو مصیبت تم پر نازل ہو
کم ہو۔ اور دوسری بلا جو تجھ پر نازل نہیں ہوئی وہ زیادہ سخت ہو۔ (قول

اگر ہم زبان سے شکر ادا کریں۔ لیکن دِل میں احسان مندی اور
پذیری کا کوئی اثر و کیف نہ ہو۔ اور اس اثر و کیف کے مطابق ہمارا عمل
تو ہم محسن کی احسان مندی کے اظہار میں جھوٹے ہیں۔ (علامہ

شکر گزاری اور اسوۂ رسول:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات
اپنے بستر سے الگ ہو کر اور وضو فرما کر نفلی نماز میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک
ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ
سے پاک ہیں پھر آپ اتنی عبادت گزاری اور آہ و زاری کیوں فرماتے

Marfat.com

نے فرمایا۔ "یہ سب کچھ شکر گزاری کے لیے ہے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سو کر اُٹھتے تو خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا یوں فرماتے "اس ذات پاک کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد حیات نو بخشی۔" کھانا تناول فرما لیتے تو یہ دعائیہ کلمات ادا فرماتے۔ "اللہ رب العزت کا شکر ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور اپنا مطیع و فرمانبردار بنایا۔" آنحضورؐ نیا کپڑا زیب تن فرماتے تو یہ کلمات شکر زبان مبارک سے ادا ہوتے۔ "خدا کا شکر ہے جس نے مجھے وہ لباس پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانکتا ہوں۔ اور زندگی میں آراستگی حاصل کرتا ہوں۔

الغرض آنحضرتؐ کے سنن و شمائل کی کتابوں میں بکثرت ایسی دعائیں ملتی ہیں۔ جن میں شکر و سپاس کے پاکیزہ جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔

عدل

معنی و مفہوم:

امام راغب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں۔ "کسی شے کے ٹھیک اپنے مقام پر اور اپنی حدود کے اندر رہنے کا نام عدل ہے۔" یا سید علی ہجویریؒ کے الفاظ میں عدل کے معنی ہیں، کسی چیز کو اس کے صحیح موقع و محل میں رکھنا۔ پس عدل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خالق کائنات کے ساتھ اپنے بندگی کے رشتے کو پہچانے اور حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اعتدال اور توازن کی زندگی بسر کرے۔

عدل کا وسیع تر تصور یہ ہے کہ عبادات میں معاملات میں، گفتار میں، کردار میں، حکومت میں، سیاست میں اور تجارت میں غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے میں انسان

Marfat.com

عدل و اعتدال سے کام لے۔ اس بارے میں حضرت حذیفہؓ سے رسول اکرمؐ کا ایک بلیغ ارشاد منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خوشی میں میانہ روی کیا خوب ہے؟ ناداری میں اعتدال کی روش کیا ہی اچھی ہے اور عبادت میں درمیانی انداز کیا ہی بہتر ہے؟

اقسام عدل:

قرآن مجید میں عدل کی دو مشہور و معروف قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ اول اپنوں سے عدل دوسرے دشمنوں سے عدل و انصاف۔

اپنوں سے عدل:

ارشاد ربانی ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔	اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے اور احسان کرنے کا تمہیں حکم دیتا ہے۔

بیگانوں سے عدل:۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی	اور کسی قوم کی عداوت تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ عدل نہ کرو۔ تم ہر حال میں ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف کرو تقویٰ کی شان کے یہی مناسب ہے۔

موخرالذکر آیت پاک اسلامی حکومت کی خارجی سیاست کا سنگ بنیاد اور حرص و ہوا کے ہلاکت خیز طوفانوں میں گھری ہوئی اور مکر و فریب و ڈپلومیسی کے دلدل میں پھنسی ہوئی اقوام اس انسانیت نواز تعلیم سے آج بھی ہدایت کی

لوسکتی ہیں۔ اسلامی تاریخ کے اورق گواہ ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت
سامہ کے لشکر کی روانگی کے وقت جو ہدایات دیں ان میں ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ
شمن کو دھوکہ نہ دینا اور ان سے بدعہدی نہ کرنا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عتبہ کو جو خط لکھا اس میں تاکید فرمائی
"مسلمانوں کو ظلم سے دُور رکھو۔ اور ذمیوں کے معاملے میں خُدا سے ڈرو۔"

کتاب الخراج میں امام ابویوسف نے یہ واقع درج کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ
کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کیلئے ایک محاذ جنگ پر رُکے رہنا مشکل ہوگیا تو انہوں نے
جو کچھ جزیہ اور ٹیکس وصول کیا تھا لوٹا دیا۔ اس بے مثال انصاف کو دیکھ کر غیر مسلم
کہنے لگے۔ اللہ تعالےٰ تمکو پھر ہمارے شہروں میں واپس لائے اور ہم دشمنوں کے مقابلہ
پر تمہاری مدد کریں۔ اگر ہمارے ہم مذہب حکمران ہوتے تو کچھ بھی واپس نہ کرتے اور
ہمارا بچا کھچا اثاثہ بھی ہڑپ کر لیتے۔ ایک ایسے ہی دوسرے موقعہ پر جب مسلمانوں
نے یہودیوں کو ان کا مال لوٹا دیا۔ کیونکہ وہ ان کی حفاظت سے قاصر تھے تو وہ پکار
اٹھے۔ "یہی وہ عدل و انصاف ہے جس پر زمین و آسمان قائم ہیں۔"

عدل کی توصیف (احادیث نبویؐ)

اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب امام عادل اور سب سے زیادہ مبغوض ظالم
حکمران ہے۔

امام عادل جو رعایا پر انصاف سے حکومت کرتا ہے اس کا ایک دن ساٹھ
سال کی عبادت سے بہتر ہے (مسند احمد)

جن سات اشخاص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سائے میں جگہ دے گا۔
ان میں ایک عادل ہوگا۔ (صحیح مسلم)

حاکم عادل کی دُعا قبول ہوتی ہے اور امام عادل جنتی ہے۔ (ترمذی)

وہ لوگ جو اپنے گھر والوں میں یا اپنے ماتحتوں میں انصاف کرتے ہیں۔ وہ نورانی میناروں پر جلوہ گر ہوں گے (ریاض الصالحین)

حقوق میں تمام انسانوں کو برابر رکھو۔ اس طرح کہ اپنے بیگانوں کی طرح اور بیگانے اپنوں کی طرح ہوں۔ (صحیح مسلم)

ظلم کی مذمت (احادیث نبویؐ)

ظلم۔ جور اور بے انصافی سے باز رہو۔

اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے۔ مگر جب اسکو پکڑتا ہے تو سخت مواخذہ کرتا ہے۔ (عن ابی موسیٰ)

ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے دن ظلم تاریکیاں بن جائے گا۔ (عن جابر بن عبداللہ)

مظلوم کی بددُعا سے بچو! کیونکہ اللہ تعالیٰ اور مظلوم کی بددُعا کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ (صحیحین)

سلطنت کفر کی حالت میں برقرار رہ سکتی ہے۔ لیکن ظُلم کی صورت میں تادیر قائم نہیں رہتی۔ (کیمیائے سعادت)

اُسوۂ رسول میں عدل کی جھلکیاں

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف عدل کے دوست دشمن سب معترف تھے۔ چنانچہ ربیع بن خثیم سے روایت ہے کہ بعثت نبوی (ظہور اسلام) سے پیشتر بھی لوگ اپنے مقدمات کو نبی کریمؐ کے حضور میں فیصلے کیلئے لایا کرتے تھے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ منصب نبوت پر سرفرازی سے پہلے بھی حضور اقدس کی عدل گستری کا شہرہ تھا۔

حجر اسود کے نصب کرنے میں جو اختلاف رائے قریش میں پیدا ہو گیا تھا۔ اُسے نمٹانے کے لئے یہ طے پایا کہ جو کوئی اب سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو وہی

Marfat.com

لث) قرار پائے۔ حُسنِ اتفاق سے آنحضورؐ ادھر آنکلے تو سب پکار اُٹھے۔
ئے ان کے فیصلہ پر ہم سب خوش ہیں۔ اللہ اکبر! ابھی فیصلہ نہیں ہُوا لیکن
وآنحضورؐ سے انصاف کی توقع ہے۔ اور ہر کوئی فیصلہ سُننے سے پہلے اپنی
ی کا اظہار کر رہا ہے۔

بنی مخزوم کے قبیلہ کی ایک متمول خاتون فاطمہ چوری میں ماخوذ ہوئی۔ اسامہ بن
ے دوسروں کے کہنے سننے پر اس کی سفارش کر دی۔ تو حضورؐ نبی کریم صلی اللہ
سلم حد درجہ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ "تم حدود الٰہی میں سفارش کرتے
یکھو اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی ایسا کرتی تو میں وہی فیصلہ کرتا جو اس کے لئے
ی گا۔

ی میثاق مدینہ" کے نام سے جو معاہدہ مسلمانوں، یہود اور دوسرے مشرک
کے مابین طے پایا۔ اس میں فریقین نے تسلیم کیا تھا کہ اگر مسلمانوں کا کسی
ے سے نزاع برپا ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی حکم ہو گے۔ جس سے
ہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور سرور کائنات کی عدل پروری پر یہود اور مشرک
سب کے سب متفق تھے۔

کرم و احسان

حسان کا مادہ حسن ہے اور مُراد ہے کسی کام کو سلیقے سے (بطریقِ احسن)
ینا۔

حسان کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ چھوٹوں، بڑوں، اپنوں، بیگانوں سب سے نرمی، مروت
ی کا سلوک کیا جائے یا ہر کام کو اچھے سے اچھے طریقے پر انجام دیا جائے۔ بالفاظ
ق اور خالق دونوں کے حقوق کو حسن و خوبی سے ادا کرنا ہی احسان ہے۔

Marfat.com

اگرچہ کرم و احسان عدل ہی کی ایک نوع (شاخ) ہے۔ لیکن احسان میں کی نسبت رحمت کا تصور غالب ہے۔

آیات قرآنی :

قرآنی مجید میں عدل کے پہلو بہ پہلو احسان کی کئی مرتبہ تلقین فرمائی گئی ہے اور اسکی بڑی فضیلتیں بیان ہوئی ہیں ؛

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل)	اللہ تعالیٰ تمہیں عدل و احسان کا دیتا ہے۔
وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (آل عمران)	اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو رکھتا ہے۔
ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝	حسن عمل کا بدلہ حسن جزا ہے۔

احادیث نبویؐ :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ پس بہترین انسان وہ ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ احسان و بھلائی کی روش کرے۔ (بیہقی)

جو شخص اپنے قرض دار کو مہلت دے گا یا اس کا قرض معاف کرے گا اس پر احسان کرے گا۔ تو وہ قیامت کے دن خدا کے عرش کے سائے میں ہوگا (مسند احمد)

احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا اُسے خود دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو وہ تجھے دیکھتا ہے۔ (بخاری)

اس پر پختہ ہو جاؤ کہ لوگ نیکی کریں گے تو بھی ہم احسان کریں گے۔ اور برائی کریں گے تو بھی ہم احسان کریں گے۔ (ترمذی)

Marfat.com

احسان کرکے آزاد کو بھی غلام بنایا جا سکتا ہے۔ (حضرت عمرؓ)

احسان مخالف کی زبان کو قطع کرتا ہے (حضرت علیؓ)

اگر محسن و منعم کا شکر نہ ادا کرو گے تو آئندہ ملنے والی نعمت سے محروم ہو جاؤ گے۔ (حضرت علیؓ)

محسن کی نعمت کی قدر شناسی میں اسکی تعظیم اس طرح کرنی چاہیئے کہ وہ احسان کرنے والے کی ناشکری و نافرمانی سے اسکو روک دے۔ (امام غزالیؒ)

عقل مند وہ ہے جو چار چیزوں سے غافل نہ رہے۔ احسان کے اعتراف سے۔ نعمت کے شکر سے۔ انسانیت کی خدمت سے اور عاقبت کے خوف سے۔ (ابوبکر محمد علی القرشی)

اُسوۂ رسول:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق چچا حضرت ابوطالب آنحضورؐ کے محسن و مربی تھے۔ جب حضرت ابوطالب پر غربت و عسرت کا زمانہ آیا۔ تو حضور اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے دامن نبوت میں جگہ دی اور ان کی معاشی کفالت فرمائی۔ تاکہ ابوطالب کے احسانات کا بدلہ چکایا جا سکے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ کے قتل کے ارادے سے کوہ تنعیم سے اسّی افراد اترے۔ اور نمازِ فجر کے وقت آنحضورؐ کو شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا۔ لیکن وہ پکڑے گئے اور نبی کریمؐ کے سامنے پیش کیے گئے۔ تاہم حضور انورؐ نے کرم و احسان سے کام لیا۔ اور ان کی رہائی کا حکم صادر فرمایا۔

ابوسفیان بن حرب نے اُحد و احزاب میں مسلمانوں پر فوج کشی کی تھی۔ لیکن جب وہ گرفتار ہو گئے تو آنحضورؐ نے نرمی و مروّت سے بات چیت کی جس پر وہ

عرض گزار ہوا۔ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! آپ کتنے بردبار ہیں۔ قرابت کا حق ادا کرنے والے ہیں اور عفو و کرم کرنے والے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ صرف آزاد کر دیا۔ بلکہ یہ احسان فرمایا کہ جو شخص ان کے گھر پناہ لے اُسے بھی امان ہے۔

آنحضورؐ غلاموں، یتیموں، بیواؤں بلکہ ساری مخلوقات کے محسن اعظم ہیں کے حقوق کی بحالی کے لیے آپ عمر بھر کوشاں رہے۔ اور وفات سے پہلے امت کو تاکید فرماتے رہے۔ نماز! عورتوں کے حقوق! غلاموں کے حقوق

Marfat.com

اسلامی تہذیب

عربوں کے ہاں تہذیب کا لفظ درختوں کے خزاں رسیدہ پتوں کی کانٹ چھانٹ کیلئے خیال ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ شعر و سخن کی دنیا میں شعر کے معائب کو دور کر کے اسکی اصلاح کرنے عمل کو تہذیب شعر کہا جانے لگا۔ پھر جب علم الاخلاق مدون ہوا تو فرد کے معائب کو حسن سے بدل دینے کو تہذیب اخلاق کہا گیا۔ آجکل علم عمرانیات میں تہذیب سے مراد جاتی ہے کسی فرد یا معاشرے کا پاکیزگی اور شائستگی سے بہرہ مند ہونا۔

تہذیب کا ایک فکری پہلو ہے جس میں وہ مخصوص قدریں شامل ہیں جن کے مطابق ئی انسانی جماعت اپنی زندگی کی تشکیل کرتی ہے۔ تہذیب کا دوسرا پہلو مادی ہے س میں سماج کی اپنی قدریں عکس ریز اور جلوہ بار ہوتی ہیں جیسے خوبصورت عمارات اور ش نما تصاویر میں، تہذیب کا ایک موضوعی پہلو ہے جس میں فرد کے اخلاق و اطوار ر بحث آتے ہیں۔

اسی طرح تہذیب کا ایک معروضی پہلو ہے جس میں گوناگوں اجتماعی ادارے، معاشرہ د ریاست اپنی مخصوص صورت میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ پس تہذیب نام ہے۔ ن مخصوص قدروں کے شعور کا جو کسی انسانی جماعت یا گروہ کی عزیز ترین متاع ہوتی ہیں۔ ن کی نمود دنیائے آب و گل میں بھی ہوتی ہے اور ان قدروں کو افراد اپنے انفرادی تہذیب میں موضوعی طور پر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے اجتماعی اداروں میں انہیں معروضی ل دیتے ہیں۔

کلچر کا مفہوم:

انگریزی ادب میں تہذیب کے مفہوم کو کلچر کا لفظ ٹھیک ٹھیک ادا کرتا ہے۔ سی جی شا

Marfat.com

کی تخلیق کے مطابق مغربی دُنیا اس یونانی الاصل لفظ سے متعارف ہونے کیلئے محتا
لارڈ بیکن کی رہین منت ہے۔ پھر اس لفظ کو ایمرسن نے ۱۸۳۷ء سے ۱۹۴۰ء
رواج دیا۔ اُس کے نزدیک کلچر کا نصب العین انسانیت میں جمالیاتی شعور کا
کرنا ہے۔

میتھو آرنلڈ نے کلچر کے مفہوم کو وسعت دی۔ اور اُسے ایک ایسا باطنی و
عمل قرار دے دیا جس کا کام حیاتِ انسانی میں تابانی و درخشانی پیدا کرنا ہے۔
نے ایک ثقافتی کلیہ وضع کیا جس کے تین اجزا تھے۔ نظمِ عالم سے باخبر ہونا
اخلاق کا نمونہ بننا اور مذاقِ لطیف سے بہرہ مند ہونا۔

پروفیسر برہان احمد فاروقی نے کلچر کی اصطلاح کو بہت عمدگی سے واضح کیا
فرماتے ہیں۔ "کلچر میں جوتنے، بونے اور اُگانے کا استعارہ پایا جاتا ہے۔
کچھ جوتا جاتا ہے۔ زمین نہیں، انفرادی و اجتماعی ذہن ہے جو کچھ بویا جاتا
بیج نہیں، تصورات ہیں جو کچھ اُگایا جاتا ہے وہ اناج کی فصل نہیں بلکہ
کردار کا وہ نمونہ ہے جس سے کسی گروہ میں وحدت کا شعور راسخ ہوتا

جدید ماہرینِ عمرانیات میں ٹیلر نے کلچر کی جو تعریف کی ہے اسے پسندیدہ نظ
دیکھا جاتا ہے۔ ٹیلر کہتا ہے۔ "کلچر علم و فن، اعتقاد و اخلاق، عادات و فا
رسم و رواج سب پر حاوی ہے یعنی وہ تمام باتیں جن کی توقع ایک انسان
معاشرے کا مفید کارکن ہونے کی حیثیت سے کی جاتی ہے" پس ہماری تحقیق

اردو کا لفظ تہذیب اور انگریزی کی اصطلاح کلچر دونوں مختلف الاصل
کے باوجود کافی حد تک ہم معنیٰ الفاظ اور مترادف اصطلاحیں ہیں۔ تہذیب
مفہوم واضح کیا جا چکا ہے۔ اب اسلام کی لافانی اور دوامی تہذیب کی چند نما
بیان کی جاتی ہیں۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیات

کتاب وسنت پر مبنی تہذیب :

اسلامی تہذیب کی جو رفیع الشان عمارت ربع صدی سے کم مدت میں تعمیر ہوئی اس کا ماخذ و سرچشمہ کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ دونوں ہی تھے۔ ہدایت کے ان الہامی سرچشموں نے عربوں کی وحشت کو مدنیت سے، بدکرداری کو حسنِ اخلاق سے، انتشار و سرکشی کو پابندیٔ قانون سے بدل دیا اور اس خطۂ ارضی میں دیکھتے ہی دیکھتے برائیوں کی جگہ نیکیوں نے، رذائل کی جگہ فضائل نے لے لی، عرب کی اس سرزمین میں جہاں کوئی بڑی شخصیت پیدا ہی نہ ہوئی تھی۔ سیّد العرب کی تربیت سے فیض پانے کے بعد بیشمار نامور شخصیتیں افق ہستی پر آفتاب و ماہتاب کی طرح درخشاں ہوئیں۔ صرف چند برسوں کی تربیت سے عرب میں ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے مدبر اور فرمانروا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور علی مرتضیٰؓ جیسے مفسر محدث اور فقیہ پیدا ہوئے۔ ابوذر غفاریؓ اور سلمان فارسی جیسے خرقہ پوش اقلیم فقر کے تاجدار، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے اصحاب رائے و تدبیر اُٹھے۔ عمرو بن عاصؓ، خالد بن ولیدؓ جیسے عظیم جرنیلوں اور فاتحین نے قیصر و کسریٰ کی عالمی طاقتوں کو نیچا دکھایا۔ شہرت و دوام پائی۔ قرآن و حدیث سے خوشہ چینی اور گل چینی کر کے علم و ادب کے شہرت کی انتہائی بلندیوں تک جا پہنچے ایام جاہلی سے کہیں زیادہ پاکیزہ، شُستہ و شاعری وجود میں آئی۔ شاعری کے مخرب اخلاق حصے مثلاً فخاری، ہجو نگاری، ممنوع قرار پائے۔ ابن خلدون نے جاہلی اور اسلامی ادوار کے ادب کا موازنہ کرتے ہوئے یہ بے لاگ رائے قائم کی ہے۔ "مسلمان فن کاروں کا فن نثر و نظم میں

Marfat.com

کلامِ جاہلیت سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ حضرت حسانؓ، عمر ابن ابی ربیعہ، حطیئہ، جریر، فرزدق، ذوالرمہ، اخوص اور بشار وغیرہ کا کلام بلاغت اور شعریت کے اعتبار سے عنترہ، علقمہ، زہیر، عمرو بن کلثوم اور طرفۃ بن العبد سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہے۔"

علامہ راغب طباخ اپنی محققانہ تصنیف "تاریخ افکار اسلامی" میں لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کے پاس قرآنِ عظیم اور نبیؐ کی حکیمانہ تعلیمات کے سوا کوئی ایسا سرچشمہ نہ جس سے وہ اپنی تہذیب و ثقافت کو سیراب کرتے نیز اس وقت فکر کے رہنما عربوں کے سوا اور کوئی نہ تھے یا پھر وہ غیر عرب تھے جو اسلامی تعلیمات کی آغوش میں پیدا ہوئے اور اسلام ہی کی آب و ہوا میں پروان چڑھے اور کسی غیر سے انہوں نے علم و ادب کی تحصیل نہ کی۔ دراصل اسلامی تہذیب کی تشکیل کا سچا ترجمان عہد وہی تھا۔ اور یہ اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ اسلام کی ایک مستقل ثقافت ہے۔ جو اپنے ہر اعتبار اور ہر زاویہ سے بالکل منفرد ہے اور جو وحی و سُنّت کے انوار سے جگمگاتی ہے اور اس ثقافت کے باب میں مسلمان کسی دوسری قوم کے رہین منت نہیں۔"

دینی معتقدات پر قائم تہذیب:

اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر تہذیب کا ایک عینی (فکری) پہلو ہوتا ہے۔ جو خاص قدروں پر محیط ہوتا ہے جن کے مطابق کوئی جماعت اپنی اجتماعی زندگی کی تشکیل کرتی ہے۔ اسلامی تہذیب کی بنیادی قدروں میں اُس کے عقائد اساسی اہمیت کے حامل ہیں۔ حیدر زمان صدیقی اپنی تالیف اسلامی نظریہ اجتماع میں لکھتے ہیں۔

"اسلام میں سماج (اجتماع) کے تمام شعبے خواہ وہ خارجی ہوں، مثلاً سیاست، معیشت اور معاشرت جن کا عام نام تمدن ہے یا داخلی ہوں جیسے نظامِ تعلیم، اخلاق، ادب، آرٹ، جو تہذیب کے دائرے میں آجاتے ہیں۔ سب الٰہیاتی تصور کے تابع ہیں۔"

ولایت پادشاہی علم اشیاء کی جہاں گیری یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نقطۂ ایمان

Marfat.com

بلاشبہ..... یہ اسلامی عقائد کے فیصلہ کُن اثرات تھے کہ ہر زمانے میں علماء نے
نے توحید کا درس دیا اور شرک کی تردید کی۔ اتباع سنت کی تلقین کی اور بدعات
ز کیا۔ یہ اسلامی عقائد کا اثر تھا کہ تراجم نگاری میں شرک آمیز ادب پاروں کے ترجمہ
ا احتراز کیا گیا۔ یہ انہی معتقدات کا فیض تھا کہ مصوری کے میدان میں ہمارے
رذی روح اشیاء کی تصویر کشی کے میدان میں کچھ زیادہ آگے نہ بڑھے اور انکے
باتی ذوق کی نمود، خطاطی (خوش نویسی) میں کچھ اس درجہ کمال کو پہنچی کہ مصوری
نعت ماند پڑ گئی۔ انہی عقائد کے تابع ہونے کی وجہ سے مسلمانوں نے موسیقی میں
رانہ کمالات کا مظاہرہ کرنے کی بجائے۔ اپنی خوش آوازی کو علم تجوید و قرأت کیلئے
ب کر دیا۔ انہی عقائد کے تقاضوں سے آشنا ہو کر ہمارے فقہا اور مجتہدین نے
بصیرت کو کتاب و سُنت کا تابع کر دیا اور جو چیز شرعاً حرام تھی وہ قیامت تک
لیے حرام قرار پائی اور جو حلال تھی وہ تا ابد حلال رہے گی۔

پس اسلام کے معتقدات دینی نے اسلامی تہذیب کو جداگانہ فکری اساس فراہم
دی۔ اور اسی لیے اسلامی تہذیب اپنے تخم سے لے کر اپنی شاخوں اور ثمرات تک دنیا
دوسری مشرکانہ اور ملحدانہ تہذیبوں سے بالکل جداگانہ مزاج رکھتی ہے۔

لاقی تہذیب:

مذہبی عقائد نے ایک طرف اسلامی تہذیب کا قصر تعمیر کرنے کے لئے ٹھوس بنیادیں
کیں۔ تو دوسری طرف انسان میں اخلاق حسنہ اور ملکات فاضلہ پیدا کر دیے۔ سید المرسلین
ہ اخلاق عالیہ کا ایسا بے مثل نمونہ ہے جس کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے
ر ہے آپ نے اسلامی معاشرے میں جو اخلاقی انقلاب برپا کیا اور جس طرح عربوں
اخلاقی رذائل کو اخلاقی فضائل میں تبدیل کر دیا۔ اسکی نظیر چشم فلک نے نہ پہلے دیکھی نہ
ہی اور سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کے معلم اوّل نے آغاز دعوت

Marfat.com

سے ہی اخلاق و کردار سنوارنے پر زور دیا تھا جس کا ایک تاریخی ثبوت جعفر ابن ابیطالب کی وہ تقریر ہے جو انہوں نے شاہ حبشہ کے دربار میں کی تھی :۔

" اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے بتوں کو پوجتے تھے مردار کھاتے تھے، بدکاریوں میں ڈوبے ہوئے تھے، اپنوں سے دشمنی رکھتے تھے، پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے، قوی دست کمزوروں کو کھائے جاتے تھے۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول مبعوث کیا جس کی صداقت و امانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہمیں دعوت دی۔ کہ خدا تعالیٰ کو ایک مانیں۔ اسی کی عبادت کریں سچ بولیں، اپنوں سے محبت اور ہمسایوں سے نیک سلوک کریں۔ حرام کاری اور خونریزی سے ہاتھ روک لیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں، پاکباز عورتوں پر تہمت نہ لگائیں، نماز پڑھیں، صدقات دیں، روزے رکھیں۔ چنانچہ ہم اس ہادی و مرسل پر ایمان لے آئے۔ شرک سے تائب ہو کر اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ حرام کو حرام اور حلال کو حلال سمجھنے لگے "

پس ہماری لافانی تہذیب کا تیسرا دلکش پہلو یہ ہے کہ اس میں تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس۔ پاکیزگیٔ کردار کو اولین اہمیت حاصل ہے۔ اس تہذیب کا مزاج مذہبی بھی ہے اور اخلاقی بھی ہے۔

یہاں یہ اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی اکثر و بیشتر تہذیبیں انحطاط گراوٹ کے سبب زوال پذیر ہوئی تھیں۔ یونانی تہذیب کے تنزل پر بحث کرتے ہوئے جارج سارٹن لکھتا ہے۔

" یونانی تہذیب کے زوال کا باعث ذہانت اور علمیت کی کمی نہ تھی بلکہ اخلاق و کردار کی پستی کی بنا پر یہ تہذیب تباہی سے ہمکنار ہوئی۔

بین الاقوامی تہذیب:

[illegible] ملکی یا نسلی تہذیب نہیں۔ بلکہ بین الاقوامی [illegible]

زیب ہے ہر وہ شخص جو توحید رسالت اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسلام
قصرِ قومیت میں داخل ہو سکتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے مطالعہ کے دوران یہ عجیب منظر
ائی دیتا ہے کہ مختلف نسلوں اور قوموں کے فرزند اسلام کا پرچم اُٹھائے فاتحانہ انداز
قدم بڑھائے چلے جاتے ہیں۔ ہاشمی، اُموی، عباسی، سلجوقی، ترکانِ عثمانی، آل بویہ،
لمہ، مغل اور نہ جانے کتنے خانوادے اسلامی تہذیب و تمدن کی پاسبانی کا فرض
ام دیتے ہیں۔ ایک قوم تھک ہار جاتی ہے تو دوسری قوم آگے بڑھتی ہے اور اسلامی
ذیب کی مشعل درخشاں کو تھام لیتی ہے۔ دنیا کی دوسری تہذیبیں صرف ایک قوم یا
ب نسل کے سپوتوں کے کارناموں پر فخر کر سکتی ہیں جنہوں نے تاریخ کے مختلف
ادار میں اسلامی تہذیب کا عالی شان محل تعمیر کرنے کی خدمت انجام دی ہو ــــ
م بخاریؒ، امام جعفر صادقؒ، امام ابو حنیفہؒ، خلیل، سیبویہ، الکندی، فارابی، ابن سینا،
ن خلدون، غزالیؒ، ابن تیمیہؒ، رومیؒ و سعدیؒ، شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہ
تنی مختلف قوموں اور نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں اور سب اسلام ہی کے مایہ ناز فرزند
لاتے ہیں۔ اسلامی تہذیب کے اس درخشاں پہلو پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر ویلڈ لکھتا ہے۔

"مسلمانوں میں نسلی شعور کا خاتمہ اسلام کے غیر معمولی کارناموں میں سے ہے"

ر فلپ حتی رقمطراز ہے۔

"دنیا کے تمام مذاہب میں قومیت کی دیواریں گرانے میں اسلام کو سب سے
یادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

داری کی علمبردار تہذیب

تاریخِ انسانی کا ایک حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ کوئی تہذیب خاص مذہب
ی بنیادوں پر قائم اور برپا ہوئی ہو۔ لیکن اُس نے تاریخ عالم میں سب سے زیادہ مذہبی
داری اور اخلاقی بردباری کا نمونہ پیش کیا ہو۔ بلاشبہ پوری انسانی تاریخ میں

Marfat.com

مسلمانوں کی مذہبی رواداری اور وسیع القلبی کی نظیر ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔
قرآن حکیم میں واشگاف الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے۔ مذہب میں کوئی جبر و اکراہ نہیں۔ (لا اکراہ فی الدین)۔ پھر ۲ھ میں آنحضورؐ نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا اس کی شرائط و دفعات پر نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ اسلام نے یہودیوں اور دوسری اقوام کی مذہبی، معاشرتی و تمدنی آزادی کی پوری پوری ضمانت دی تھی۔ بیت المقدس کے پروانۂ امن پر نظر ڈالیے جسے مورخ طبری نے تاریخ الرسل والملوک میں نقل کیا ہے: "یہ وہ امان نامہ ہے جو اللہ کے بندے، عمرؓ خلیفۃ المسلمین نے ایلیا والوں کو عطا کیا ہے میں نے انکی جان، مال، عبادت گاہوں، صلیب، بیمار، صحت مند سب افراد اور ان کی ساری قوم کو امن بخشا۔ نہ اُن کے گرجوں میں کوئی سکونت اختیار کرے گا۔ نہ گرجوں کو ڈھایا جائے گا۔ اور دین کے معاملہ میں اُن سے کوئی تعرض کیا جائے گا۔ اس پروانۂ امن کو بار بار پڑھیے اور غور فرمایئے کہ کوئی کوئی فاتح اس سے زیادہ رواداری کا کیا مظاہرہ کر سکتا ہے؟
پھر بنو اُمیہ اور بنو عباس کے درباروں میں غیر مسلموں کے ساتھ مسلمان فرمانروا کا فیاضانہ سلوک دیکھیے مثلاً ابن آثال حضرت امیر معاویہؓ کا معالج خاص ہے برجیش بن بختیشوع منصور کا ندیم ہے اور شاہی طبیب بھی۔ امریکی محقق ڈریپر نے لکھا ہے
"مسلم خلفاء کے زمانے میں عیسائیوں کے اہل علم کا صرف احترام ہی نہیں کیا گیا بلکہ متعدد بڑے بڑے عہدے بھی ان کے سپرد کئے گئے"
موسیو لیبان کی شہادت ہے: "تاریخ کسی ایسی قوم سے واقف نہیں جو عیسائی قوم سے بڑھ کر انصاف پرور اور روادار فاتح ثابت ہوئی ہو۔"

اخوت و مساوات پر مبنی تہذیب:

قرونِ وسطیٰ میں رومی معاشرہ ــ مختلف طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ جن کے

Marfat.com

تعین، عزت، مال اور دولت کے لحاظ سے کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جسٹنین جیسے مدبر نے روما کے قوانین مرتب کرتے وقت آزاد اور غلام طبقات کے امتیاز کو برقرار رکھا۔ یونانی تہذیب میں آزاد شہریوں کو جو حقوق حاصل تھے غلام اقوام ان سے کلیتہً محروم ہیں۔ ہندوستان کی قدیم تہذیب میں غیر آریائی اقوام کو ملیچھ اور ناپاک قرار دے دیا گیا تھا۔ آریائی قوم کو بھی چار ذاتوں میں تقسیم کر کے اعزاز، فرائض اور خدمت کی جداگانہ ترتیب قائم کی گئی تھی۔ ایرانی تہذیب میں مذہبی پیشواؤں کو بالادستی حاصل تھی۔ دوسرے درجے پر اہل سیف تھے جو ملک کا دفاع کرتے تھے تیسرا طبقہ اہل علم اور عمال حکومت کا تھا۔ یہ تینوں طبقے اونچی ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ چوتھا طبقہ اہل حرفہ اور مزارعین کا تھا جو تینوں بالادست طبقوں کی خدمت اور چاکری کے لئے وقف تھا۔ انہیں کسی معاوضے کے بغیر کھیتوں اور باغوں میں خدمت بجا لانا پڑتی تھی۔ لیکن اسلامی تہذیب نے ان تمام طبقاتی امتیازات کو مٹا ڈالا۔ مظلوم طبقوں کی قسمت جاگ اٹھی اور انہیں اطمینان کا سانس نصیب ہوا۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرمؐ نے اعلان فرما دیا۔ "اب جاہلیت کا غرور و نسب کا فخر کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ خداوند عالم نے انہیں مٹا دیا ہے" حج الوداع کے موقعے پر ارشاد فرمایا۔ "کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں" پس اسلامی تہذیب نے ہی پہلی مرتبہ دنیا کو اخوت و مساوات کا درس دیا۔

علمی روایات سے مالا مال تہذیب:

رسول اکرمؐ ہمیشہ اضافہ علم کیلئے دست بدعا رہے۔ قرآن مجید نے اعلان کیا کہ "صرف ذی علم اصحاب اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ مسلمان ہی وہ امت ہیں جن کا ایک نصب العین یہ رہا کہ علم ماں کی گود سے آغوش قبر تک حاصل کیا جائے۔ مسلمان ہی وہ قوم ہیں جس کے مردوں اور عورتوں پر علم کا حصول فرض قرار دیا گیا ہے۔ یہ مسلمان امت ہی تھی جو حکمت کو اپنا گم شدہ سرمایہ سمجھ کر اسکی تلاش میں سرگرداں رہی۔ یہ امت

Marfat.com

محمدیہ ہی ہے کہ جس کے طالب علم کی دوات کی سیاہی خونِ شہدا کا درجہ رکھتی ہے اور جس کے علماء کو علومِ انبیاء کا وارث و امین قرار دیا گیا ہے۔ یہ ملتِ اسلامیہ ہی ہے کہ جس کے ہاں ایک علمی مسئلے کو سیکھنا قیامِ لیل (شب بیداری) سے افضل سمجھا جاتا تھا۔ یہ مسلمان ہی تھے جن کے علمی کارناموں کا ایک ورق معنوی لحاظ سے پیش رو اور معاصر اقوام کے تمام کتب خانوں پر بھاری ہے۔

مسلمانوں میں علوم و فنون کا آغاز عہدِ نبوت سے ہوا لیکن یہ پودا خلفائے راشدین اور اموی سلاطین کے دور میں پروان چڑھا اور عباسی حکمرانوں کے زمانے میں برگ و بار لایا۔ مسلمانوں کی بیشتر علمی و فکری ترقیاں عباسی دور ہی کی یادگار ہیں۔ اس عہدِ زریں میں طبری، زمخشری اور راغب اصفہانی جیسے عظیم مفسرینِ قرآن پیدا ہوئے۔ امام بخاریؒ، امام مسلم، امام ترمذی اور امام ابو داؤد جیسے محدث پروان چڑھے۔ امام جعفر صادقؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ جیسے فقیہ اور مجتہدین کا شہرہ ہوا۔ علمِ کلام کی دنیا میں اشاعرہ اور ماتریدیہ نے معتزلہ کی عقلی تحریک کو صحیح رُخ پر موڑ دیا۔ اقلیمِ تصوف میں خواجہ حسن بصری، محی الدین ابن عربی اور شہاب الدین سہروردی گدڑی پوش انسانوں نے بادشاہوں اور تاج داروں سے خراجِ عقیدت وصول کیا۔ اقلیمِ فلسفہ میں الکندی، فارابی، ابن مسکویہ، بو علی سینا کی فرمانروائی تھی۔ بلاذری، طبری، یعقوبی، مسعودی، ابن اثیر اور ابنِ خلدون جیسے مورخین نے فنِ تاریخ کو چار چاند لگا دیے۔ علمِ جغرافیہ میں ادریسی، المقدسی، ابن حوقل اور یاقوتِ حموی نے زمین کے کونے کونے اور چپے چپے کو چھان مارا۔ دنیائے طب میں علی بن عباس، بو علی سینا، رازی، ابن نفیس جیسے طبیبوں اور معالجوں کی دھوم پڑی۔ علمِ ہیئت و النجوم میں الفرغانی، البوطانی، ابن الہیثم، الزرقلی، عمر خیام کے نام افقِ ہستی پر ستاروں سے زیادہ روشن ہوئے۔ حساب دانوں میں البیرونی، خوارزمی اور نصیر الدین طوسی جیسے فضلاء کا شہرہ بلند ہوا۔

الغرض مسلمانوں نے سینکڑوں علوم ایجاد کیے اور نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں۔ انہوں نے معاصر اور پیش رو اقوام کے علوم کو بھی سیکھا اور ان میں بیش قیمت اضافے بھی کیے۔

Marfat.com

موسیو لیبان نے لکھا ہے: "جب کوئی شخص عربوں کے کارناموں اور اُن کے علمی انکشافات کا مطالعہ کرے گا تو اس پر یہ امر واضح ہو جائے گا کہ ایک قلیل مدت میں انہوں نے ایسے بیش قیمت نتائج تحقیق پیش کیے جو کوئی دوسری قوم نہ کر سکی۔"

کارلائل لکھتا ہے: "وہ قوم جو صحرا نوردی کی زندگی بسر کرتی تھی اور صدیوں تک گمنام رہی۔ اسلام کے ظہور کے بعد علوم و معارف میں ساری دنیا کی قبلۂ امید بن گئی۔"

سائنسی اندازِ فکر سے آراستہ تہذیب:

قارئین کو شاید یہ جان کر تعجب ہوگا کہ یونان، روما اور دوسری قدیم تہذیبوں کے بالمقابل یہ صرف اسلامی تہذیب کو شرف و امتیاز حاصل ہے کہ اس نے پہلی مرتبہ دنیا کو سائنسی تجسس کی اسپرٹ عطا کی اور مشاہدے اور تجربے اور تحقیق کے جدید طریقوں سے متعارف کروایا۔ فرزندانِ اسلام نے ہی سائنس کو منظم اور سائنٹفک علم کی حیثیت سے سیکھا اور سکھایا۔ ہمارے اس دعوے کی تصدیق متعدد غیر مسلم مفکرین اور سائنس کے ماہرین کی جن منصفانہ آرا سے ہوتی ہے وہ درج ذیل ہیں:

جان ڈیلیو کیمبل لکھتا ہے "اسلام نے سائنس ایجاد کی۔ یہ کام نہ یونان کر سکا نہ روما!.... بلاشبہ ہم نے سائنسی میراث نہ روما سے لی ہے اور نہ یونان سے بلکہ اسلام سے اخذ کی ہے۔"

رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے۔ "سائنس صرف حیرت انگیز دریافتوں اور انقلاب آفرین نظریوں کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ عربوں کی مرہونِ منت ہے۔ سائنس کا وجود عربوں کی بدولت ممکن ہوا۔" پروفیسر ہولم یارڈ کا خیال ہے کہ "ایک ہزار سال ہوئے اسلام اور صرف دورِ اسلام میں سائنس کا شعلہ درخشاں ہوا۔" ایک مستشرق رقمطراز ہے: "آج بھی صحیح علم کے حصول کا وہ اصول درست ہے جو مسلمان علماء نے ایک ہزار برس پہلے بیان کیا لیکن وہ سائنسی نقطۂ نظر جس کی بدولت ایسا علم ممکن ہوا۔ آج بھی ہندوستانیوں کے ہاں نایاب ہے۔" ایک مغربی محقق لکھتا ہے "یہ اسلام کی عظمت ہے کہ اس نے سائنسی علوم کو مسجد میں وہی جگہ دی جو قرآن و حدیث اور فقہ کے مطالعہ کو دی۔"

جان سیڈیو لکھتا ہے۔ "آٹھویں صدی کے نصف آخر سے گیارہویں صدی کے اختتام تک عربی بنی نوع انسان کی سائنسی اور ترقی یافتہ زبان تھی۔"

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

حکمتِ اشیاء فرنگی زادنیست اصلِ اُو جز لذتِ ایجاد نیست ؛ نیک گیر ایں مسلمان زادہ است ؛ ایں گہر از

قرونِ وسطیٰ کی عظیم ترین تہذیب :

اس حقیقت کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ قرونِ وسطیٰ کی تہذیب کا پرچم مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ رومی اور ایرانی سلطنتوں کے تمدن اپنی عمرِ طبعی ختم کر چکے تھے اور مصری، ہندی تہذیبیں بہت پہلے اپنی شان و شوکت دکھا کر تاریخ کے اوراقِ پارینہ کی زینت بن چکی تھیں سارا یورپ "قرونِ مظلمہ" کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ صرف بلاد میں علم و حکمت کی شمعیں روشن تھیں۔ اور تہذیب و ثقافت کا دور دورہ تھا۔ ایس "مورش ایمپائر" میں لکھتا ہے : "ازمنۂ وسطیٰ میں تنہا مسلمان تہذیب و ثقافت کے "دائرۃ المعارف مذاہب" میں درج ہے : "قرونِ وسطیٰ میں اسلام کی تاریخ بنفسہٖ تہ و تمدن کی تاریخ ہے۔" الفرڈ گوئیلم لکھتا ہے : "جب وہ تمام لٹریچر جو یورپ کی لائبریری موجود ہے۔ پوری طرح علم کی روشنی میں آجائے گا تو بجا طور پر معلوم ہو سکے گا کہ عربوں کا کی تہذیب پر جو اثر پڑا۔ وہ فی الحقیقت اُس سے کہیں زیادہ ہے جتنا ابتک سمجھا جاتا اتنا ہی نہیں۔ یورپ کی تہذیب و ثقافت پر اسلامی تہذیب کے اثرات کی چھاپ نمایاں دیتی ہے۔ ایچ۔ جی جوڈ لکھتا ہے : "ثقافت اور تہذیب کی توسیع و اشاعت میں مؤثر حصہ ہے" "تشکیلِ انسانیت" میں بریفالٹ لکھتا ہے "یورپ کے احیاء و شعبہ ایسا نہیں جس میں اسلامی تہذیب کے گہرے اثرات نہ پائے جاتے ہوں۔" موسیو سدیو اعتراف کرتا ہے "ہمارے موجودہ تمدن کے ہر شعبۂ عمل میں اثرات واضح طور پر نمایاں ہیں۔" الغرض ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ نہ صرف میں دینِ اسلام تنہا تہذیب کا علمبردار تھا بلکہ اس کی تہذیب نے جدید مغربی تہذیب کو اُس پر گہرے اثرات بھی چھوڑے۔

غیر فانی تہذیب : اسلام کی تہذیب کی ایک اہم خصوصیت اس کا ثبات

ہے، باوجودیکہ مخالف تہذیبوں نے اسے نیچا دکھانے اور صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کوئی
ی کسر نہیں اُٹھا رکھی سب جانتے ہیں کہ ابتداً اسلامی تہذیب کی ٹکر ایرانی و رومی تہذیب
ے ہوئی۔ جہاں تک مادّی اسباب و رسائل کا تعلق ہے۔ یہ مقابل تہذیبیں ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس
ں لیکن فرزندانِ اسلام کی جان بازی اور جان فروشی سے حریف قوتیں فنا ہو گئیں اور ان کی جگہ
لامی تہذیب نے لے لی۔ دو صدیوں بعد مسلم تہذیب کو یونانی تہذیب کے ایک عقلی مظہر فلسفہ
بھی معرکہ آرا ہونا پڑا۔ لیکن امام رازی، امام غزالی جیسے مفکرین کی علمی تنقید سے یونانی فلسفے کا کھوکھلا پن
انوں پر ظاہر ہو گیا۔ اسی فلسفۂ یونان سے متاثر ہو کر قدریہ، جبریہ، مرجیہ اور معتزلہ جیسے کلامی
ں نے عجیب و غریب نظریاتی بحثیں چھیڑ دیں لیکن علمائے حق نے ان فاسد نظریات پر ایسی کاری
ب لگائی کہ تاریخ کے صفحات کے سوا کہیں ان کا ذکر نہیں ملتا۔

اسلامی تہذیب پر تاتاریوں نے بڑا زبردست حملہ کیا۔ چنگیز خاں اور ہلاکو خاں دونوں نے
انوں کو کئی میدانوں میں پچھاڑا۔ لیکن یہ اسلامی تہذیب کے معجزانہ اثرات تھے کہ چنگیز خاں کے پوتے
اسلام قبول کیا اور اسلامی تہذیب کو تاتاریوں میں سے ہی اپنے خادم مل گئے۔
سیاں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے = تیمور اور اسکی اولاد، ترکان عثمانی یہ سب اسی تاتاری
ے مختلف خاندان ہیں جنہیں نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ دور دراز علاقوں میں اسلامی تہذیب
فت کو پھیلا دیا۔ پس ہماری شاندار تاریخ کے اوراقِ زریں گواہ ہیں کہ اسلامی تہذیب غیر فانی ہے
یں دوسری تہذیبوں سے اپنی برتری منوانے کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ وان کریمر نے کیا
ے کہا ہے: "اس سامی مذہب میں کچھ ایسا اثر اور زور پنہاں ہے جو اُسے نہ صرف دنیا
ے پارہ کرنے والے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کی تاب دلاتا ہے، بلکہ مستحکم تر، قوی تر اور جاندار
ت میں اُبھرنے کی صلاحیت بخشتا ہے۔"

برنارڈ شا نے بھی انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "محمدؐ کے پیش کردہ
دیانِ عالم میں بہت ہی بلند درجہ حاصل ہے۔ دیگر ادیان کے برعکس اس دین میں دائماً
ہنے کی حیرت انگیز قوت موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اپنے اندر زندگی گزارنے

Marfat.com

کے مختلف طریقوں کو سمونے کی اہلیت رکھتا ہے اور بنی نوعِ انسان کے ہر طبقے کو
کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔"

عصرِ جدید میں اسلامی تہذیب کا تصادم مغرب کی مادہ پرستانہ اور لادینی
سے ہے یہ معرکہ اٹھارویں صدی سے شروع ہو کر ابتک جاری ہے۔ مستقبل کے
میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے تاہم اسلام کی پندرہ سو سالہ حیات آفریں تحریک کے
ماضی کے پیشِ نظر پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ بالآخر مادی تہذیبیں میدان
جائیں گی اور آخری فتح اسلامی تہذیب کو ہو گی۔

بلاشبہ اسلامی تہذیب کو ایک رواں دواں دریا کے مثل قرار دیا جا سکتا
جس کے کنارے مختلف ادوار میں سمٹتے اور پھیلتے رہے لیکن اس کے تسلسل اور
روانی میں کبھی فرق نہیں آیا۔

حرفِ آخر:

میں اپنی گزارشات کو علامہ اقبال کے اشعار تابدار پر ختم کرتا ہوں۔ جو
نے اسلامی تہذیب کا نقشہ انتہائی دلکش پیرایۂ بیان میں کھینچ دیا ہے:

بتاؤں تجھ کو مسلمان کی زندگی کیا ہے — یہ ہے نہایت اندیشہ کمال جو
طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب — یگانہ اور مثالِ زمانہ گو نا گو
نہ اس میں عصرِ رواں کی حیا سے بیزاری — نہ اس میں عہدِ کہن کے فسانہ و
حقائقِ ابدی پر اساس ہے اس کی — یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسمِ
عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال — عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سو

Marfat.com

غیر فانی تہذیب

(حصۂ سیرت النبیؐ)

Marfat.com

فہرستِ مندرجات

مکی زندگی نبوت سے پہلے :

باب اوّل: ۱ تا ۱۲

عرب ایام جاہلیت میں
اقوامِ عالم پر قومِ عرب کی فضیلت
حسب و نسب مطہر
آثارِ علامتِ نبوی

باب دوم: ۱۳ تا ۱۹

پیدائش اور لڑکپن کے حالات
تاریخِ ولادت
نام مبارک
رضاعت کا دور
حلیمہ سعدیہ کی تحویل میں
آغوشِ مادر میں
عبدالمطلب کے سایۂ شفقت میں
ابوطالب کی نگرانی میں

باب سوم: ۲۰ تا ۲۹

عہدِ شباب
شام کا پہلا سفر
حربِ فجار میں شرکت اور معاہدہ
حلف الفضول۔
ایامِ گلہ بانی
پیشۂ تجارت
شام کا دوسرا سفر
حضرتِ خدیجہؓ سے عقد
خانہ کعبہ کی تعمیر نو اور تحکیم رسولؐ

باب چہارم: ۳۰ تا ۴

آثارِ نبوت
جاہلی رسوم سے نفرت
طلوعِ سحر
غارِ حرا میں عبادت
احباب کا پاکیزہ حلقہ

Marfat.com

باب پنجم
مکی زندگی نبوت کے بعد
منصب نبوت پر سرفرازی
وجہ انتخاب
نزول قرآن
خفیہ تبلیغ
فروغ اسلام کے اسباب و محرکات
السّابقون الاولون
باب ششم: ۳۹ تا ۴۷
اعلان حق و دعوت دین
اولاد مطلب کی دعوت طعام
اہل مکہ کو تبلیغ اسلام
دشمنان دین یا ائمۃ الکفر
قریش کی مخالفت کے وجوہ
ابوطالب پر دباؤ
باب ہفتم: ۴۸ تا ۵۷
اوچھے ہتھکنڈے
شیطانی مشورے
شان رسالت میں گستاخیاں
ایذا رسانی کے نئے انداز۔
ہجرت حبشہ اولیٰ
ہجرت حبشہ ثانی
قریش کا بنو ہاشم سے مقاطعہ
غم کا سال اور طائف کا سفر
باب ہشتم: ۵۸ تا ۶۳
مدینہ منورہ میں اسلام کی ابتداء
انصار مدینہ کی پہلی بیعت
انصار مدینہ کی دوسری بیعت
دارالندوہ میں قتل کے مشورے
(اللہ کی تدبیر غالب ہے)

★

مدنی زندگی

باب نہم ۶۴ تا ۷۵
ہجرت
غار ثور میں
منازل سفر اور دشمنوں کا تعاقب
قباء میں چند روزہ قیام
مدینہ میں ورود مسعود
قیام مدینہ
مسجد نبوی کی تعمیر
ازواج مطہرات کے حجرے۔

Marfat.com

اصحاب صفہ رض

مہاجرین و انصار کی شیر و شکر بندی

مواخاۃ کے مصالح و حکمتیں

انصار و مہاجرین کا تحریری معاہدہ

باب دہم : ۷۷ تا ۷۸

میثاق مدینہ

(پس منظر، شرائط، اہمیت)

باب یازدہم :

غزوات ۷۹ تا ۱۰۴

جنگ بدر

غزوۂ اُحد

جنگ احزاب

بنو قریظہ کا محاصرہ

صلح حدیبیہ

باب دوازدہم : ۱۰۵ تا ۱۳۱

معاصر سلاطین کو دعوت اسلام

غزوۂ خیبر۔

فتح مکہ۔

غزوۂ حنین۔

باب سیزدہم : ۱۳۲ تا ۱۳۵

حج الوداع

خطبۂ حجۃ الوداع

باب چہاردہم ۱۳۶ تا ۱۴۰

علالت و وفات

کتابیات (مآخذ و مصادر)

Marfat.com

باب اوّل

مکّی زندگی (نبوت سے پہلے)

اہلِ عرب ایّامِ جاہلیّت میں

مذہبی حالت :

دینِ ابراہیمی عربوں کا قدیمی مذہب تھا۔ اور مسجدِ ابراہیمی (خانہ کعبہ) اُن کی عقیدتوں کا مرکز تھی۔ ظہورِ اسلام کے وقت اِس عبادت گاہ کا انتظام قریش کے ہاتھ میں تھا۔ جو حضرت اسماعیل کی نسل سے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے تو ان لوگوں کو توحید کا درس دیا تھا، لیکن انھوں نے خانۂ خدا کو بہت بڑا بُت کدہ بنا دیا۔ اور اسے تین سَو ساٹھ (۳۶۰) بتوں اور رنگا رنگ تصویروں سے مزیّن کر دیا۔ ان کے سب سے بڑے بُت کا نام ھُبَل تھا۔ جو خانۂ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ قریش لڑائیوں میں اس کی جے پکارتے۔ عرب کے طول و عرض میں کئی دوسرے چھوٹے چھوٹے بُت خانے تھے۔ مثلاً قبیلہ غطفان نے خانۂ کعبہ کے مشابہ بت خانہ بنایا۔ جس کا نام لیس رکھا۔ بنی خثعم نے ایک مکان بنوایا، جس کا نام ذوالخلصہ تھا۔ جبلِ اُحد سے قریب ربیعہ کا بت خانہ تھا۔ جسے ذوالکعبات کہتے تھے۔ ان میں ایک قبہ دار مندر تھا، جسے کعبۂ نجران کہتے تھے۔

ان تمام بت خانوں کی زیارت اور طواف کے لیے لوگ جمع ہوتے۔ ملکِ عرب میں ہر قبیلے کا بُت جُدا جُدا تھا۔

جس طرح قریش ہُبل کو پوجتے اور اُسے تقربِ الٰہی کا وسیلہ سمجھتے، اسی طرح ہر قبیلہ اپنے مخصوص بتوں کا پجاری تھا، جن کی شکلیں بڑی عجیب و غریب تھیں۔ بعض انسانوں سے

Marfat.com

ملتی جلتی، بعض حیوانات کے مشابہ! مثلاً ھُبَل مرد کی صورت پر تھا۔ اسی طرح کنانہ کا بُت عُزّیٰ مرد ہی کی شکل پر تھا، جو مکہ میں ہی نصب تھا۔ مدینہ میں نصب شدہ اَوس و خزرج کا بُت اور قبیلہ بنو ہُذیل کا بُت (سواع) دونوں عورت کی صورت پر تھے۔ قبیلہ ھمدان کا صنم یَعوق گھوڑے کی مانند تھا۔ اور قبائل یمن کا بُت یغوث، شیر کی مثل تھا۔ ایک بُت نسر تھا، جس کی شکل گدھ کی تھی۔ اس دور میں پورے جزیرۃ العرب کے طول و عرض میں بُت پرستی کا دریا ٹھاٹھیں مارتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

بُت پرستی کے پہلو بہ پہلو عربوں میں ستارہ پرستی کا رواج تھا۔ یغوث، یعوق، ودّ، نسر، سواع وغیرہ جن بتوں کی عربوں میں پوجا ہو رہی تھی، یہ ستاروں کے نام ہی ہیں ان ستاروں کے علاوہ کئی دوسرے ستاروں کی پوجا ہوتی تھی۔

مثلاً قبیلہ قَیس شعریٰ ستارے کی۔ قبیلہ اسد عطارد ستارے کی۔ اور لَخم و جذام کے قبائل مشتری ستارے کی پرستش کرتے تھے۔ یمن کا قبیلہ حمیر، سورج کی پرستش کرتا تھا۔ اور قبیلہ کنانہ چاند کا پرستار تھا۔ اس طرح ستارہ پرستی میں چھٹی صدی عیسوی تک عرب کے مشرک قومِ نوح سے بھی آگے جا چکے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ اُس زمانہ میں خدا پرستی کی جگہ بُت پرستی ستارہ پرستی، ملائکہ پرستی وغیرہ نے لے لی تھی۔

اِس کے علاوہ یہودیت، عیسائیت اور مجوسیت کے ادیانِ ثلاثہ عرب میں تھوڑا بہت اثر رکھتے تھے۔ ربیعہ اور غسان کے قبیلے عیسائی تھے۔ بنو قضاعہ بھی اِسی مذہب کی طرف مائل تھے[1]۔ بنو حارث، حمیر، کنانہ اور کندہ یہودی تھے[2]۔ قبیلہ تمیم کی اکثریت مجوسیت (زرتشت کا مذہب) کو مانتی تھی۔ بعض لوگ خدا کے وجود کے سرے سے منکر تھے۔ اور بعض خدا کو تو مانتے تھے، لیکن رسالت کے قائل نہ تھے۔ غرض کوئی مشرکانہ عقیدہ، یا خیال نہ تھا جو عربوں میں رائج نہ رہا ہو[3]۔

---

[1]، [2] انقلاب الامم۔ از ابن صاعد اندلسی۔ [3] القرآن الحکیم۔

Marfat.com

اَخلاقی حالت :

ایامِ جاہلیت میں پردے کا مطلق رواج نہ تھا۔ عشق بازی اور آوارہ مزاجی پر کھلم کھلا فخر کیا جاتا تھا۔ اور اُس شخص کو رذیل اور احمق سمجھا جاتا۔ جس نے کسی عورت سے عشق نہ کیا ہو۔ بالخصوص بنو عُذرہ عشق بازی میں نامور تھے۔ عربی ضرب المثل ہے۔ اَعشق من بنی عذرہ یعنی فلاں بنی عُذرہ سے زیادہ عاشق مزاج ہے۔ ایامِ جاہلی میں شاید ہی کوئی شاعر ہو۔ جس نے اپنی محبوبہ کا نام لے لے کر اظہارِ عشق نہ کیا ہو۔

بنو تمیم وغیرہ میں دختر کشی کی رسم عام تھی۔ جس پر وہ علانیہ فخر کرتے۔ اور جسے وہ اپنے لیے نشانِ عزت سمجھتے۔ دختر کُشی کی اِس ظالمانہ رسم سے کوئی قبیلہ پاک نہ تھا۔ اپنی اِس سنگدلی اور قساوتِ قلبی پر اُنہیں کوئی ندامت نہ تھی، بلکہ فخر و ناز تھا۔

شراب نوشی عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی۔ شاہ معین الدین ندوی کے الفاظ میں عرب کا ہر گھر مے خانہ تھا۔ اور بدمستی میں مال و دولت، ننگ و ناموس سب قربان کر دیتے تھے۔

قمار بازی اُن کا محبوب مشغلہ تھی۔ گھر کی کُل دولت حتیٰ کہ اپنی عورتیں بھی داؤ پر لگا دیتے تھے۔ خانہ کعبہ کی ایک دیوار پر اِن ظالموں نے حضرت ابراہیمؑ کی ایک فرضی تصویر بنا رکھی تھی، جس میں اُنہیں پانسوں کے ساتھ جوا کھیلتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔

زنا کاری اور بدکاری اُن کی محبوب تفریح تھی۔ حسنِ بے حجاب کی جلوہ طرازیاں اور عشقِ بے باک کی ہوس ناکیاں عام تھیں۔ اِمرؤالقیس جو عرب کا سب سے بڑا شاعر ہے۔ ایک قصیدے میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ بدکاری کا قصہ مزے لے لے کر بیان کرتا ہے۔ اور ستم یہ کہ یہ قصیدہ قبولیتِ عام کا شرف پا کر خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کیا جاتا ہے۔

یہودیوں کی دیکھا دیکھی سود خواری بھی عربوں کے اقتصادی نظام میں داخل ہو گئی تھی۔ سرمایہ دار سود در سود سے مقروض کو بالکل تباہ حال کر ڈالتے۔ اور اس کی فلاکت پر ذرہ برابر رحم نہ کھاتے

Marfat.com

قبائلی عصبیت کا جنون ہر قبیلے کے سر پر سوار تھا۔ ان کی خانہ جنگیاں "ایام عرب" کے عنوان سے عربوں کی تاریخ کا مستقل باب ہیں۔ جنگ جوئی انتقام پسندی، سفاکی اور خونریزی اُن کی فطرت میں داخل تھی۔ اگر کسی قاتل یا دشمن پر اس کی زندگی میں غلبہ نہ پا سکتے تو اس کے بیٹوں، پوتوں اور نواسوں سے بدلہ لے لیتے تھے۔ اور جب تک بدلہ نہ لے لیتے، چین سے نہ بیٹھتے تھے۔

شہری لوگوں میں اگرچہ حقوقِ ہمسایہ کا پاس و لحاظ تھا اور ان میں امانت و دیانت کے اوصاف پائے جاتے تھے، لیکن تجارت میں وہ مکر و فریب اور دھوکہ بازی سے کام لیتے تھے۔ ادھر بدوی قبائل نے لوٹ مار اور غارت گری کو پیشہ بنا لیا تھا۔ بعض لوگ چوری میں اتنے مشاق تھے کہ وہ زبان العرب (عرب کے بھیڑیے) کے نام سے مشہور ہوئے[1]۔

مُعاشرتی حالت:

عربوں کی آبادی قدیم دور سے دو حصوں پر مشتمل رہی ہے۔ ایک شہری (حضری) آبادی دوسرے دیہاتی (بدوی) آبادی:

بدوی آبادی:

اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو بادیہ و صحرا میں رہتے تھے۔ یہ لوگ چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں منقسم تھے۔ ہر قبیلہ میں کئی کئی خاندان ہوتے۔ ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا، جسے "شیخ" کہا جاتا۔ بدوی لوگ جہاں پانی اور سبزہ دیکھتے، وہیں ڈیرے ڈال دیتے۔ جب چارہ اور پانی ختم ہو جاتا، تو کسی دوسرے مقام کو چل دیتے۔ ہر ایک قبیلے کا اپنا، اپنا علاقہ مقرر تھا۔ جس میں وہ

---

[1] علامہ شبلی کی سیرۃ النبی، معین الدین کی تاریخ اسلام، اور مولانا اکبر شاہ خاں کی تاریخ اسلام سے بیشتر مواد اخذ کیا گیا ہے۔

Marfat.com

گھومتے پھرتے۔ کبھی کبھار ایک دوسرے کے علاقہ پر تگ و تاز کرتے۔ اور دوسرے قبائل کے مال مویشی ہانک کر لے جاتے۔ خانہ بدوشی کی زندگی نے انہیں دلیر اور جفاکش بنا دیا تھا۔ بدوی لوگ اُونٹ، بھیڑ، بکری اور گھوڑے پال کر گزر بسر کرتے، البتہ غربت و افلاس کے سبب عموماً تنگ دست رہتے۔

حضری آبادی:

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شہروں میں رہتے۔ حجاز میں مکہ، طائف اور یثرب (مدینۃ الرسول) تینوں بڑے بارونق شہر تھے۔ جن میں مکہ کو روحانی اعتبار سے مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ حضری آبادی کی گزر اوقات، تجارت، دست کاری اور کھیتی باڑی پر تھی زراعت کے لحاظ سے چند علاقے معروف تھے۔ مثلاً یمن میں قہوہ، ساحلی علاقوں میں کھجوریں اور طائف میں پھل بکثرت پیدا ہوتے۔ نیز باجرہ، جَو اور گیہوں بھی ان علاقوں میں پیدا ہوتا۔

صنعت و حرفت میں چند مقامات مشہور تھے۔ مثلاً یمن میں نفیس چادریں بنتیں۔ خط میں عمدہ نیزے بنتے اور ابلہ میں سیوفِ ہندی (بجلی کی دھار والی تلواریں) بنائی جاتی تھیں۔ زراعت، صنعت و تجارت کی برکت سے حضری آبادی کے لوگ بدوی لوگوں کی نسبت کہیں زیادہ آسودہ اور خوش حال تھے۔

تمدنی حالت:

عرب کے وہ مقامات جو ایران و شام سے متصل تھے (مثلاً حیرہ جو آلِ نعمان کا پایۂ تخت تھا۔ اور حوران جو خاندانِ غسان کا دارالسلطنت تھا) وہ علاقے تہذیب و تمدن سے بہرہ مند تھے[1]۔ اسی طرح صدیوں پہلے یمن کے علاقہ میں کئی متمدن حکومتیں قائم رہ چکی تھیں صنعاء اور قلیس میں قلعوں کے آثار ہمیں ایک قدیم دورِ تمدن کی یاد دلاتے ہیں۔ زمانہ قدیم سے سبائی قوم

---

[1] علامہ شبلی (سیرۃ النبی)

Marfat.com

کا دارالسلطنت مآرب تھا۔ اور سدِ مآرب ان علاقوں میں ترقی یافتہ تمدن کے وجود کا پتہ دیتا ہے لیکن ان تمام علاقوں کے تمدن داستانِ پارینہ بن چکے تھے۔ عرب کے اندرونی مقامات میں سرے سے تہذیب و تمدن نے کبھی جنم نہ لیا تھا۔

نعیم صدیقی نے اپنی تالیف "محسنِ انسانیت" میں کیا خوب لکھا ہے:

"وہاں (عرب میں) عاد و ثمود کے ادوار میں اور سبا و عدن اور یمن کی سلطنتوں کے سائے میں اگر کبھی تہذیب و تمدن کی روشنی نمودار ہوئی تھی تو اب اُسے گُل ہوئے مدتیں گزر چکی تھیں۔ بقیہ عرب پر دورِ وحشت کی رات چھائی ہوئی تھی۔ تمدن کی صبح ابھی تک جلوہ گر نہیں تھی۔ اور انسانیت نیند سے بیدار نہ ہو پائی تھی۔"

سیاسی حالت:

چھٹی صدی ہجری میں یعنی ظہورِ اسلام کے وقت ملکِ عرب کے اکثر حصہ میں خود مختار قبائل آباد تھے، جو صحراؤں اور ریگستانوں میں آزادی کی زندگی گزارتے۔ ہر قبیلے کا اپنا اپنا شیخ (سردار) ہوتا۔ جسے اہل قبیلہ خود اپنی پسند سے منتخب کرتے۔ شیخ کی حیثیت مطلق العنان حاکم کی نہ ہوتی تھی، بلکہ وہ تمام معاملات اپنے قبیلے کے صائب الرائے لوگوں کے مشورہ سے انجام دیتا۔ شیخ کا عہدہ موروثی نہ تھا۔ بلکہ انتخابی تھا۔ شیخ کے فوت ہو جانے کے بعد تمام قبیلہ کے لوگ مل جل کر کوئی نیا سردار مقرر کر لیتے۔ اہلِ عرب خصوصاً بدو پیدائشی طور پر جمہوریت پسند تھے۔ چنانچہ وہ رئیسِ قبیلہ سے مساویانہ سطح پر پیش آتے۔ اور بڑی بے باکی سے اس سے بات چیت کرتے۔

چھوٹی چھوٹی ریاستیں عرب کے سرحدی علاقوں میں تھیں۔ اور ایک ریاست وسطِ عرب میں[1]! باقی سارا ملک آزادی و خود مختاری کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ مؤرخین متفق ہیں کہ:

---

[1] اس سے مراد مکہ کی منظم ریاست ہے۔ جو قصی بن کلاب کے زمانے سے قائم ہوئی۔

Marfat.com

عرب کبھی بھی (ظہورِ اسلام سے پہلے) کسی مرکزی ریاست کے زیرِ نگین نہیں آیا۔ البتہ جزیرہ شمالی عرب کی سیادت کا تین ریاستیں خواب دیکھتی رہیں۔ غسانی ملوک، بنو لخم کے سلاطین اور کندہ کے بادشاہ بیرونی ممالک کے ماتحت ہونے کے باوصف یہ تینوں حکومتیں مستقل ریاستوں کا درجہ رکھتی تھیں۔ اور اندرونی معاملات میں بالکل خود مختار تھیں۔

غسانی ملوک :

غسانیوں کا قبیلہ بازنطین کی عیسائی مملکت کے زیرِ نگین اور تابع تھا۔ جفنہ بن عمرو اس خاندان کا مورثِ اعلیٰ تھا۔ مورخ ابوالفداء نے اس خاندان کے بادشاہوں کی تعداد اکتیس[۱] اور حمزہ اصفہانی نے تینتیس[۲] بیان کی ہے۔ حارث بن جبلہ اس خاندان کا سب سے نامور فرمانروا تھا۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم تھا۔ جو حضرت عمرؓ کے دور میں ایمان لایا لیکن فاروقِ اعظم کے عادلانہ فیصلہ سے ڈر کر بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔ غسانیوں کا تقریباً ہر فرمانروا ایک طرف عربی قبائل کی غارت گری کی روک تھام کرتا، دوسری طرف شاہانِ روم (قیصر) کی طرف سے ایرانیوں سے صف آرا رہتا۔ تمدنی لحاظ سے یہ ریاست سب سے زیادہ آگے تھی۔ سبعۂ معلقات[۱] کے نامور شاعر لبید نابغہ ذبیانی، اور حسان بن ثابت اس خاندان کے بادشاہوں کے درباروں سے وابستہ تھے۔

بنو لخم کے سلاطین :

بنو لخم کا قبیلہ شاہانِ ایران کے تابع تھا۔ جس کا صدر مقام حیرہ تھا۔ اس قبیلہ کا بانی عمرو ابن عدی تھا۔ منذر (اول) بن نعمان کے زمانے میں اس خاندان کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ منذر (ثالث) کے زمانے میں اس خاندان کو بڑا عروج نصیب ہوا۔ اس کے بیٹے "عمرو بن ہند" کے زمانے میں معلقات کے سات مشہور شاعروں میں سے چند شاعر اس کے دربار میں پہنچ آئے تھے۔ مثلاً طرفہ بن العبد، حارث، ابن حلزہ، اور عمرو بن کلثوم بنو لخم کے فرماں روا

---

[۱] یہ سات بہترین قصیدے تھے۔ آبِ زر سے لکھ کر خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکا دیے گئے تھے۔

Marfat.com

بھی ایک طرف عربی قبائل سے نبرد آزما رہتے۔ تو دوسری طرف شاہانِ ایران (کسریٰ) کی حمایت میں رومیوں سے برسرِ پیکار رہتے۔

کندہ کے بادشاہ :

شمالی عرب کے شاہی خانوادہ قبیلہ یمن کے تبع خاندان کے فرماں رواؤں کے ماتحت تھا۔ حسان بن تبع کے بھائی حجر معروف بہ عقیل نے یہاں مفتوح قبائل میں اپنی حکومت قائم کی ۵۲۹ء میں اس خاندان کو غسانی ملوک کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ آہستہ آہستہ یہ قبیلہ طوائف الملوکی کا شکار ہوگیا۔ اشعر الشعراء امرء القیس جو معلقات کے بہترین قصائد میں سے ایک قصیدے کا لکھنے والا ہے، اسی خاندان سے تھا۔ مسلمان فلسفی یعقوب الکندی اسی خاندان سے اپنی نسبت قائم کرنے پر فخر کرتا تھا۔ اندرونِ عرب بہت سے قبائل کو ایک مشترک امیر کے تابع رکھنے کی یہ ابتدائی کوشش تھی۔

Marfat.com

باب دوم

پیدائش اور لڑکپن کے حالات

تاریخِ ولادتِ نبویؐ :

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم (عرب کے شہر مکہ معظمہ میں) سنہ عام الفیل[1] - بروز دوشنبہ تاریخ ۹ ربیع الاوّل، بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بوقتِ صبح صادق پیدا ہوئے۔

اگرچہ ابن اسحاق طبری اور ابن خلدون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش ۱۲ ربیع الاوّل بیان کیا ہے۔ لیکن مصر کے مشہور ہیئت دان محمود پاشا فلکی نے ٹھوس ریاضیاتی دلائل سے ۹ ربیع الاوّل کو ہی محمدؐ کا یومِ ولادت قرار دیا ہے۔ علامہ شبلی نے بھی اسی تحقیق کو قبول کیا ہے۔ قاضی سلمان منصور پوری، مؤلفِ رحمۃ للعالمین نے تقویموں کے حساب سے ۹ ربیع الاوّل کے ہی حق میں رائے دی ہے۔ شمسی اور قمری سالوں اور مہینوں میں باہم دگر مطابقت دیتے ہوئے ایسا اختلاف پیدا ہونا کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں!

آپؐ کی پیدائش کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ (حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے آپ کا نام احمدؐ رکھا۔ اور دادا جان (عبدالمطلب) نے آپ کا اسمِ مبارک محمدؐ تجویز فرمایا۔ آنحضورؐ کے والدِ محترم جناب عبداللہ آپ کی پیدائش سے چند ماہ پیشتر ہی وفات پا چکے تھے۔

---

[1] یعنی جس سال ابرہہ کے لشکریوں نے ہاتھیوں پر سوار ہو کر مکہ پر حملہ کیا۔

Marfat.com

رضاعت کا دَور

عرب میں دستور تھا کہ شرفا اور امراء اپنے شیر خوار بچوں کو شروع سے ہی دیہاتوں میں دودھ پلانے والی عورتوں کے پاس بھیج دیتے۔ تاکہ کھلی آب و ہوا میں وہ چاق و چوبند ہو جائیں اور فصیح زبان بولنا سیکھ سکیں۔ نیز عربی تمدن کی خصوصیات (مثلاً مشکلات پر صبر کرنا، موٹا جھوٹا پہننا اور عیش و عشرت سے دور رہنا) کے حامل ہو جائیں۔

اس سال بنو سعدؓ کی دودھ پلانے والی عورتیں مکہ معظمہ آئیں۔ لیکن اس خیال سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حیات نہیں۔ اس لیے شاید مناسب حقِ الخدمت نہ ملے اِس "دُرِّ یتیم" کو لے جانے کا خیال نہ کر پائیں۔ لیکن حلیمہ سعدیہ بنت ابی ذؤیب کے دل میں خدا کی طرف سے "اس گوہرِ نایاب" کو لے جانے کا جذبہ اُبھرا۔ اور اپنے شوہر حارث بن عبداللہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں: "خدا کی قسم! میں اس یتیم بچے کو ضرور لے کر آؤں گی۔" شوہر نے کہا۔ "عجب نہیں، کہ حق جل شانہٗ اس کو ہمارے لیے خیر و برکت کا سبب بنا دے۔"[2] اور ایسا ہی ہُوا۔ پہلے ہی دن سے حلیمہ کے گھر برکت کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ تب حلیمہ سعدیہ کے شوہر نے کہا۔ "اے حلیمہ خوب جان لے! تو نے بہت ہی مبارک بچہ لیا ہے۔" اس پر حلیمہ سعدیہ نے کہا "میں اللہ تعالیٰ سے یہی اُمید رکھتی ہوں۔"[3]

اگرچہ حلیمہ سعدیہ کے وطن میں سخت قحط تھا۔ وہاں کے لوگوں کی بکریاں سارا دن گھوم پھر کر

---

[1] قبیلہ ہوازن کی شاخ۔

[2] سب سے پہلے آنحضورؐ کو اُن کی والدہ ماجدہ نے دو تین روز دودھ پلایا پھر ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثویبہ نے چند دودھ پلایا تھا۔ [3] سیرت ابن ہشام اور خصائص کبریٰ از جلال الدین سیوطیؒ۔

Marfat.com

بالکل بھوکی آجاتیں۔ اور اُن کے تھنوں میں دودھ کا ایک قطرہ نہ ہوتا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مائی حلیمہؓ کی بکریاں شام کو گھر آتیں تو دودھ سے بھری ہوتیں۔ حلیمہ سعدیہؓ فرماتی ہیں، "اِس طرح ہم اللہ کی طرف سے خیر و برکت کا مشاہدہ کرتے رہے۔ اور جب دو سال پورے ہو گئے، تو میں نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔"[1]

انہی برکات کے سبب حلیمہ سعدیہؓ کی دلی خواہش تھی۔ کہ بچے کو اپنے پاس رکھیں۔ اُدھر مکہ میں کوئی وباء پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے حلیمہ سعدیہؓ کی درخواست قبول فرمالی۔ اور حلیمہ سعدیہ خوشی خوشی اس بابرکت بچے کو لے کر واپس ہو گئیں۔

بچپن

حلیمہ سعدیہؓ کی تحویل میں:

حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں بعض بڑے حیرت انگیز واقعات رونما ہوئے۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذرا بڑے ہوئے تو اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل جانے لگے۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں "ایک مرتبہ میری غفلت میں آنحضورؐ کی رضاعی بہن (شیما) دوپہر کے وقت آپ کو بکریوں کے ساتھ لے گئی۔ میں شیما پر خفا ہونے لگی کہ تم ایسی چلچلاتی دھوپ میں انہیں باہر کیوں لے گئیں۔ انہوں نے جواب دیا "اے ماں! میرے قریشی بھائی کو دھوپ سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔ ان پر بادلوں کا سایہ رہتا ہے۔"

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سن چار برس کا ہوا۔ آپ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل گئے ہوئے تھے۔ کہ یکایک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا اپنے والدین

---

[1] سیرت ابن ہشام اور خصائص کبریٰ از جلال الدین سیوطیؒ۔

Marfat.com

کے پاس آیا اور کہنے لگا " دو سفید پوش (ملائکہ) آدمی آئے۔ اور اُن کے قریشی بھائی کو زمین پر لٹا کر اُن کا سینہ مبارک چاک کر دیا۔ اب اس کو سی رہے ہیں۔" یہ ماجرا سن کر حلیمہ اور ان کے شوہر کے ہوش اُڑ گئے۔ دوڑے دوڑے آئے، دیکھا کہ آپ ایک جگہ کھڑے ہیں۔ حلیمہ سعدیہ اور اس کے شوہر نے آپ کو باری باری سینے سے لگا لیا۔ اور آپ سے ماجرا دریافت کیا۔ آپ نے اپنے رضاعی بھائی کے بیان کی تصدیق کی۔

سینہ چاک ہونے (شقِ صدر[1]) کے اس معاملے کے بعد حلیمہ سعدیہ کو اندیشہ ہوا۔ مبادا آپ کو کوئی صدمہ پہنچ جائے۔ اس لیے آپ کو لے کر آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت آمنہ نے جب "شقِ صدر" کا واقعہ سُنا۔ تو ذرہ برابر ہراساں نہ ہوئیں۔ اور زمانۂ حمل اور ولادتِ باسعادت کے مواقع پر آنکھوں دیکھے انوار و تجلیات اور خوابوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔ "اس مولودِ مسعود تک شیطان کی رسائی نہیں۔ میرے اِس بچے کی بڑی شان ہے، تم مطمئن رہو۔ ان کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔"

آغوشِ مادر میں :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار برس کی عمر میں دوبارہ آغوشِ مادر میں آئے۔ تقریباً دو[2] سال بعد آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو اپنے ہمراہ اپنے مرحوم شوہر کے مرقد کی زیارت کے لیے یثرب لے گئیں۔ جہاں انہوں نے آنسوؤں کے موتی اور عقیدت کے پھول چڑھائے۔ لوٹتے ہوئے وہ اَبواء کے مقام پر وفات پا گئیں۔ اور وہیں دفن کی گئیں۔ ان کی لونڈی برکت اُمِّ ایمن حبشیہ ساتھ تھیں۔ وہی آپ کو لے کر مکہ پہنچیں۔ اور عبدالمطلب نے آپ کی سرپرستی کی۔

---

[1] امام قرطبی، علامہ طیبی، حافظ توربشتی، حافظ عسقلانی، علامہ سیوطی سب "شقِ صدر" کی روایت کو صحیح مانتے ہیں۔ نیز علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام حضورؐ کے سینہ مبارک پر اپنی آنکھوں سے سیون کا نشان دیکھتے تھے۔

وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے پیار و محبت سے رکھتے تھے[1]

عبدالمطلب کے سایۂ شفقت میں :

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کھیل کود میں مشغول نہ ہوئے اور دوسرے بچوں کی طرح آپ کی تادیب کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ بلکہ آپ کے بزرگ آپ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ جو کوئی آپ کو دیکھتا، یہ باور کر لیتا کہ آپ کی شان بلند ہونے والی ہے[2]

آپ کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب کے لیے خانۂ کعبہ میں فرش بچھایا جاتا۔ اس پر ادب کے لحاظ سے کوئی اور نہ بیٹھتا تھا۔ آپ کے فرزند آپ کے اردگرد بیٹھا کرتے تھے مگر جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو اُسی مسند پہ بیٹھ جاتے۔ آپ کے چچا کے فرزند معترض ہوتے تو حضرت عبدالمطلب اُن سے فرماتے "میرے اس فرزند کو منع نہ کیا کرو۔ کیونکہ یہ فرزند ہونہار ہے۔ اور صاحبِ شان و عظمت ہے"۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بٹھاتے۔ اور کمال شفقت سے پیش آتے۔ جب آنحضورؐ کی عمر آٹھ سال کو پہنچی تو آپ کے دادا عبدالمطلب اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے[3]

ابوطالب کی نگرانی میں :

حضرت عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق جنابِ ابوطالب (عبد مناف) نے جو آپ کے چچا ہوتے ہیں۔ آپ کو اپنی تربیت میں لے لیا اور آپ کا خاص خیال رکھا۔ کیوں کہ عبدالمطلب نے انہیں تاکید کی تھی۔ یہ کمال شفقت اور غایت محبت سے ان کی کفالت و تربیت کرتا[4]

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ [2] ذکرِ حبیب۔ (مولانا عبدالشکور)
[3] سیرت ابن ہشام۔ [4] ابن حسار۔

Marfat.com

ایک بار قحط پڑا۔ قریش نے جنابِ ابوطالب سے درخواست کی۔ کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگئے۔ ابوطالب نے محمدؐ کو ساتھ لیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ سے پُشت سے لگائی۔ اور انگشت شہادت آسمان کی طرف اُٹھا کر دُعا مانگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بادل اُمڈ آئے۔ اِس قدر بارش ہوئی کہ قحط سالی کے تمام اثرات مٹ گئے۔ جنابِ ابوطالب نے اسی واقعہ کو ایک شعر میں یوں ادا کیا ہے ؎

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ[1]

"ایسے روشن چہرے والا کہ ان کے چہرے کی برکت سے بارش کی دُعا مانگی جاتی ہے۔"

حضرت ابُوطالب کا شام کا سفر:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سن بارہ برس کا ہُوا۔ تو حضرت ابوطالب نے قریش کے قافلہ تجارت کے ساتھ شام کے سفر کا ارادہ کیا۔ مصائبِ سفر کے پیشِ نظر جناب ابوطالب کا ارادہ آپ کو ہمراہ لے جانے کا نہ تھا۔ لیکن جب آپ کو ملول پایا، تو ہمراہ لے لیا۔ اور کہا "خدا کی قسم! میں نہ اسے جُدا کروں گا۔ اور نہ اس سے جدا ہُوں گا" بصریٰ کے مقام پر ایک راہب بحیرا نے کتاب تورات کی نشانیوں کی روشنی میں آپ کو پہچان لیا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر گویا ہُوا:

هٰذا سیّد العالمین، هٰذا رسول رب العٰلمین یبعثه الله رحمة للعٰلمین

"یہی ہے سردار جہانوں کا، یہی ہے رسول پروردگارِ عالم کا جس کو اللہ تعالیٰ نے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"[2]

---

[1] قصیدہ ابوطالب۔ [2] سیرت ابن ہشام

اُس نے جنابِ ابوطالب کو مشورہ بھی دیا کہ "اپنے بھتیجے کو اپنے ہمراہ واپس لے جاؤ۔ اور یہودیوں سے اس کو بچاؤ۔ واللہ! اگر انہوں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا، تو وہ کوئی شرارت کریں گے۔" چنانچہ ابوطالب اپنا مال و اسباب وہیں فروخت کر کے واپس چلے آئے۔

حضرت ابوطالب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت سے پیش آتے۔ اور اس وقت تک کھانا نہ کھاتے تھے۔ جب تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم شریکِ طعام نہ ہو جاتے۔ اِسی طرح اپنی مسندِ سیادت پر آنحضورؐ کو خود بٹھاتے اور فرماتے:۔

"ربیعہ کے خدا کی قسم! میرے اِس بھتیجے کو سرداری زیب دیتی ہے۔"

باب سوم

عہدِ شباب

حربِ فجار میں شرکت اور معاہدۂ حلف الفضول :

اُسی زمانے میں قبیلہ قیس و کنانہ نے محترم مہینوں میں قریش سے نزاع اور جدال کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جو تین برس تک جاری رہا اور صلح پر منتج ہُوا، مورخین اسے حرب فجار کہتے ہیں۔

حربِ فجار کے بعد بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ جس طرح قتل و غارت گری کے انسداد کے لیے عرصہ پہلے فضل بن فضالہ، فضل بن دداعہ اور فضیل بن حارث جیسے نیکدل سرداروں نے معاہدہ کیا تھا، جو ان کے نام پر "حلف الفضول" کہلایا، اِس کی دوبارہ تجدید کی جائے تاکہ امن و امان کی راہ ہموار ہو۔ اور قریش اتنے منظّم ہو جائیں کہ کسی دوسرے قبیلے کو مکّہ پر تسلط قائم کرنے کا خیال نہ آئے۔

بنی ہاشم، بنو عبدالمطلب، بنی زہرہ، بنو اسد اور بنی تیم، (امن و امان کے خواہاں سارے قبیلے) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر کی تحریک پر عبداللہ بن جدعان[1] کے گھر پر جمع ہوئے جو رشتہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی ہوتے ہیں۔ اور ایک معاہدہ[2]، ان الفاظ میں اتفاقِ رائے سے طے پایا۔ "اس انجمن کے ارکان عہد کرتے ہیں کہ :

---

[1] عبداللہ بن جدعان ہاشمیوں کے فیاض یمن سرداروں میں سے تھے۔

[2] رحمۃ اللعالمین۔ سلمان منصور پوری۔

- ہم ملک سے بدامنی دور کریں گے۔
- ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے۔
- ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔
- ہم زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکتے رہیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدے کے وقت مجلس میں موجود تھے۔ اور اس معاہدے کو بڑی وقعت دیتے۔ اور عہدِ نبوت میں اکثر فرمایا کرتے۔

"اس معاہدے کے وقت میں بھی عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حاضر تھا۔ اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھ کو سُرخ اُونٹ بھی دیے جاتے، تو ہرگز پسند نہ کرتا۔ اور اگر اب زمانۂ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کی طرف بلایا جائے تو بھی اس معاہدے کو ضرور قبول کروں گا"[1]

ابن سعد نے اِس معاہدے کی تاریخ ذی القعدہ ۲۰ سنہ عام الفیل لکھی ہے۔ پس معاہدے کے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سن مبارک بیس ۲۰ برس تھا۔

اَیّامِ گلّہ بانی

عالمِ شباب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشہ اختیار کیا، وہ گلہ بانی کا تھا۔ اس سے پہلے بچپن میں وہ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جس کی متعدد روایات میں وضاحت ملتی ہے۔ مثلاً:

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہؐ کے ساتھ مقام الظہران میں تھے۔ کہ وہاں سے پیلو چننے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ سیاہ دیکھ کر چنو۔ زیادہ خوش ذائقہ اور لذیذ ہوتے

---

[1] محمد حسین ہیکل۔ (سیرۃ الرسول)

ہیں۔ ہم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ بکریاں چرایا کرتے تھے (کہ جس سے آپ کو یہ بات معلوم ہوئی)۔ آپ نے فرمایا "ہاں! کوئی نبی ایسا نہیں گزرا۔ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں"[1]

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا، آپ نے بھی؟ ارشاد فرمایا کہ ہاں! میں بھی اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا[2]

نضر بن حضر سے روایت ہے کہ ایک بار اونٹ والے اور بکریوں والے آپس میں فخر کرنے لگے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے وہ بکریاں چراتے تھے۔ داؤد علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے، وہ گلہ بان تھے۔ اور میں بھی نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، میں مقام اجیاد میں بکریاں چرایا کرتا تھا[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ایک دن مجھے ہنگامی سیر و تفریح کا خیال آیا تو میں نے دوسرے گلہ بان سے کہا کہ میں مکہ جانا، اور رات وہیں گزارنا چاہتا ہوں۔ تم میری غیر حاضری میں میری بکریوں کی دیکھ بھال کرتے رہنا۔ جب میں مکہ پہنچا تو لوگ وہاں جشنِ شادی منا رہے تھے۔ میں اُسی جگہ ٹھہر گیا۔ لیکن مجھ پر ایسی نیند غالب آئی، کہ پتہ ہی نہ چلا کہ اس جشن میں کیا ہوا[4]

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بھیڑ بکریاں چرانے میں کیا حکمتیں اور مصلحتیں تھیں؟ اس بارے میں مولانا محمد ادریس سیرۃ المصطفیٰ میں لکھتے ہیں:

"حضرات انبیائے کرام کا بکریاں چرانا امت کی گلہ بانی کا دیباچہ اور پیش خیمہ تھا۔ گلہ بان چاہتا ہے کہ سب بھیڑیں اور سب بکریاں یکجا مجتمع رہیں۔ ایسا نہ ہو

---

[1] صحیح بخاری
[2] صحیح بخاری
[3] امام نسائی۔
[4] محمد حسین ہیکل کی تالیف (سیرۃ الرسول)

ہو کہ کوئی بکری گلے سے بچھڑ جائے اور بھیڑیا اُسے اُٹھا لے جائے۔ صبح سے شام تک راعی (گلہ بان) اسی فکر میں ان کے پیچھے پیچھے سرگرداں اور پریشان رہتا ہے۔ یہی معاملہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا اُمت کے ساتھ ہوتا ہے کہ اُن کی صلاح و فلاح کی فکر میں صبح و شام سرگرداں رہتے ہیں اُمت کے افراد تو بھیڑوں اور بکریوں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگتے پھرتے ہیں۔ اور انبیاء کمالِ شفقت و رافت سے اُن کو بلاتے رہتے ہیں۔ اور امت کی اس بے اعتنائی سے ان حضرات کو جو صدمہ پہنچتا ہے۔ اُس پر صبر و تحمل فرماتے ہیں" آگے چل کر مولانا موصوف لکھتے ہیں:

"جس طرح بھیڑیں، بھیڑیوں اور درندوں کے خونخوار حملوں سے بے خبر ہوتی ہیں۔ اسی طرح اُمت نفس اور شیطان کے مہلکانہ حملوں سے بے خبر ہوتی ہے۔ اور حضرات انبیاءؑ ہر وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ کہیں نفس اور شیطان اُن کو اُچک کر نہ لے جائیں۔ جس درجہ نبیؑ کو اُمت کی صلاح اور فلاح کی فکر ہوتی ہے۔ اُمت کو اس کا عشرِ عشیر بھی فکر نہیں ہوتا۔"

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل "سیرۃ الرسول" میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشہ گلہ بانی کی مصلحتوں اور حکمتوں پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:-

"ایک گلہ بان کا اندازِ معاشرت کچھ اس قسم کا ہوتا ہے کہ وہ دن نکلے وسیع و عریض کائنات پر اور رات پڑے چمکتے ستاروں کی آب و تاب پر دل جمعی کے ساتھ غور و خوض کرتا ہے۔ اس کے دل میں رہ رہ کر یہ تمنا چٹکیاں لیتی رہتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح مجھ پر اسرارِ قدرت ہویدا ہوں ـــ اگر وہ صاحبِ عقل و شعور ہے تو اُسے یہ فکر دامن گیر رہے گی۔ کیا میں ہوا میں سانس نہیں لے رہا ہوں کیا مجھ کے بغیر میری ہلاکت یقینی نہیں؟ کیا مہر و ماہ بھنور کی تیرتی ہوئی کرنیں میری

Marfat.com

رگ و پے میں سرایت نہیں کیے ہوئے؟ کیا میرا وجود آسمانوں اور ان جہانوں سے فضائے کائنات میں باہم دیگر مربوط نہیں؟ پھر چونکہ ایک گلہ بان کو ہر صورت میں اپنے گلے کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں کوئی بکری گم یا ضائع نہ ہو جائے۔ اس لیے جب وہ نظام کائنات، اور اس کی نگہداشت پر غور کرتا ہے۔ تو یہی نقشہ اس کے ذہن میں اُترآتا ہے، کہ اس کائنات کا کوئی نہ کوئی محافظ ضرور ہے جو ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ اس نظام میں کوئی اختلال رونما نہ ہونے پائے۔"

پیشۂ تجارت

عہدِ شباب میں گلہ بانی کے علاوہ آپ نے تجارت کا پیشہ بھی اختیار فرمایا اور وعدے کی سچائی اور لین دین کی صفائی کے باعث "الصادق والامین" کہلائے۔ اس سلسلہ کی چند روایات یہ ہیں:۔

عبداللہ بن ابی الحمساء سے روایت ہے کہ بعثتِ نبوی سے پہلے ایک بار میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ تجارت کیا۔ میرے ذمے کچھ ادائیگی باقی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ میں ابھی لے کر آتا ہوں۔ اتفاق سے میں اپنا وعدہ بھول گیا۔ تین روز بعد یاد آیا۔ کہ میں آپ سے واپسی کا وعدہ کر کے آیا تھا۔ یاد آتے ہی فوراً جائے وعدہ پر پہنچا۔ آپ کو اسی مقام پر منتظر پایا۔ آپ نے (مجھے دیکھ کر) صرف اتنا فرمایا کہ تم نے مجھ کو بڑی زحمت دی۔ میں تین روز سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں[1]

عبداللہ بن سائبؓ سے روایت ہے کہ میں زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سنن ابی داؤد۔

Marfat.com

کا شریکِ تجارت تھا۔ جب مدینہ منورہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا مجھ کو پہچانتے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ کیوں نہیں؟ آپ تو میرے شریکِ تجارت تھے۔ اور کیا ہی اچھے شریک تھے۔ کہ نہ کسی بات کو ٹالتے تھے، اور نہ کسی بات پر جھگڑتے تھے[1]

قیس بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخزومی فرماتے ہیں۔ کہ عرب کے زمانۂ جاہلیت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے شریکِ تجارت تھے۔ آپ بہترین شریکِ تجارت تھے، نہ جھگڑتے تھے، نہ اُلجھتے تھے[2]

داؤد بن الحصینؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آن بان سے جوان ہوئے کہ آپ اپنی قوم میں بامروّت خلق، ہمسایوں کے نگران، حلیم و بردبار، سچے اور امانتدار تھے۔ آپ کا دامن ہر قسم کی آلودگی سے پاک تھا۔ اِسی وجہ سے قوم نے آپ کا نام امین رکھا[3]

دوسرا سفرِ تجارت

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت وہب عرب کے ایک متمول خاندان کی دولتمند خاتون تھیں۔ شرافتِ نسبی اور پاکدامنی کی وجہ سے جاہلیت اور اسلام دونوں ادوار میں لوگ ان کو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے[4] قریش جب اپنا قافلۂ تجارت روانہ کرتے۔ تو حضرت خدیجہؓ کا سامانِ تجارت نسبتاً زیادہ ہوتا۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت، دیانت کا شہرہ حضرت خدیجہؓ تک پہنچا تو انہوں نے آپ کے پاس پیام بھیجا کہ اگر آپ میرا مالِ تجارت لے کر شام جائیں تو آپ کو دوسروں کی نسبت دوچند (المضاعف) معاوضہ دوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا جناب ابوطالب کی مالی مشکلات کے پیشِ نظر اس پیش کش کو قبول

---

[1] خصائص کبریٰ۔ [3] خصائص کبریٰ۔

[2] کتاب الاصابہ۔ [4] زرقانی اور فتح الباری۔

Marfat.com

فرمایا۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے غلام میسرہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کر دیا۔ جسے حضرت ابوطالب نے تاکید فرمائی "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خیال رکھنا"۔[1]

جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میسرہ کو ساتھ لیے جب بصریٰ پہنچے۔ تو وہاں نسطورا نامی راہب سے ملاقات ہوئی تو اُس نے کہا :۔

"یہ وہی نبی ہے۔ (جس کی خوش خبری پہلوں نے دی) یہ آخری نبی ہے"[2]

(وَهُوَ نَبِيٌّ ـــــ وَهُوَ آخِرُ الأَنْبِيَاءِ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص خرید و فروخت میں بحث و تکرار کرنے لگا۔ اور آپ کو لات و عزّیٰ کی قسم کھانے کے لیے کہا جواب میں آپ نے فرمایا۔ میں نے لات و عُزّیٰ کی قسم کبھی نہیں کھائی۔ اور نہ ہی ان بتوں کے پاس سے کبھی گزرا ہوں۔ یہ سُن کر وہ شخص گویا ہُوا :۔

"خدا کی قسم! یہ وہ شخص ہے، جس کی صفت کو ہمارے علماء الہامی نوشتوں میں درج پاتے ہیں"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی پر منافع حضرت خدیجہؓ کے سپرد کیا۔ اس مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اتنا نفع ہُوا کہ پہلے کبھی نہ ہُوا تھا۔ میسرہ نے حضرت خدیجہؓ سے سفر کی ساری روداد کہہ سنائی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جلیلہ کی بڑی تعریف کی۔

حضرت خدیجہؓ سے عقدِ مبارک

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام میسرہ کی زبانی جب سفر کے حالات سُنے، تو بڑی متاثر ہوئیں۔ اور یہ سارا قصہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفلؓ کو سنایا۔ ورقہ بن نوفلؓ نے کہا :۔

"اے خدیجہؓ اگر یہ واقعات سچے ہیں تو پھر یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس اُمت کے

---

[1] ملاحظہ ہو۔ (سیرۃ الرسول) [2] ابن سعد۔

Marfat.com

نبی ہیں۔ میں جانتا تھا کہ اس امت میں عنقریب ایک نبی ظہور پذیر ہونے والے ہیں
جن کے لیے ہم چشم براہ ہیں[1]

باتیں سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں آپ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا۔ اُن کے شوہر ابوہالہ بن زراہ اور عتیق بن عابد یکے بعد دیگرے فوت ہو چکے تھے۔ اور اب وہ بیوگی کے دن گزار رہی تھیں۔ انہوں نے اپنی خواہش اپنی سہیلی نفیسہ بنت منیہ سے بیان کی جس نے یہ بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیش کش کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خدیجہؓ اس سے پہلے اکابر قریش کے پیغام عقد کو رد کر چکی ہیں۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوطالب سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی صاد فرمایا۔ تب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ زوجیت قبول فرمالیا۔

مقررہ تاریخ پر مجلس نکاح منعقد ہوئی۔ حضرت ابوطالب، بنو ہاشم اور رؤسائے مضر شریک محفل تھے۔ حضرت خدیجہ کے والد حرب فجار سے پہلے فوت ہو چکے تھے[3] اس لیے ان کی طرف سے اُن کے چچا عمرو بن اسد بحیثیت ولی موجود تھے۔ جناب ابوطالب نے خدا کی حمد و ثناء کے بعد خطبۂ نکاح کے دوران جو الفاظ کہے یادگار ہیں:

"یہ محمد بن عبداللہ ہیں جو اگرچہ مال میں کم ہیں۔ لیکن شریفانہ اخلاق اور کمالات کی وجہ سے جس شخص کو آپ کے مقابلے میں رکھا جائے۔ آپ اس سے زیادہ عالی مرتبہ نکلیں گے۔ مال ایک زائل ہو جانے والا سایہ اور لوٹنے والی چیز ہے یہ محمد جن کی قرابت کو تم سب جانتے ہو۔ خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کا کل مہر موجل اور معجل میرے مال سے ہے۔ خدا کی قسم! ان کی بڑی عزت، عظمت اور شان ہونے والی ہے[4]

---

[1] [2] سیرۃ الرسول۔ محمد حسین ہیکل۔ [3] ابن سعد۔ [4] سیرت مغلطائی۔

Marfat.com

سیرت ابن ہشام کے مؤلف کے بیان کے مطابق نکاح کے وقت حق مہر بیس اونٹ مقرر ہوا تھا۔ البتہ حافظ ابوالبشر فرماتے ہیں کہ حق مہر کی مقدار ساڑھے بارہ اوقیہ تھی۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ لہٰذا کل حق مہر پانچ سو درہم ہوا۔ (زرقانی)

خانۂ کعبہ کی تعمیرِ نو

خانۂ کعبہ کی پہلی بار تعمیر آدمؑ نے فرمائی تھی۔ اور ارشادِ خداوندی ہوا:

"کہ تم پہلے انسان ہو، اور یہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کی عبادت کے لیے تعمیر ہوا ہے۔"

طوفانِ نوحؑ کے بعد بیت اللہ زمین بوس ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی دوبارہ تعمیر فرمائی۔ ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی اس کارِ خیر میں شریک تھے۔ تیسری بار بعثتِ نبوی سے پانچ سال پہلے (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس ۳۵ سال تھی)[1] قریش نے خانۂ کعبہ کی تعمیرِ نو کی تدبیر کی۔ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں جو عمارت بنی تھی۔ اس کی چھت نہ تھی۔ دیواروں کی بلندی زیادہ نہ تھی[2]۔ عمارت مرورِ زمانہ سے بوسیدہ ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں پہاڑیوں کا پانی بہہ کر نشیب میں آجاتا، اور خانۂ کعبہ کے در و دیوار کو نقصان پہنچاتا۔ اس لیے قریش کو یہ خیال پیدا ہوا کہ خانۂ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کی جائے۔ تمام رؤسائے قریش نے باہم مل کر مشورہ کیا۔ اس موقع پر رسول اللہ کے والد کے ماموں جناب ابووہب بن عمرو مخزومی نے اہلِ قریش کو تلقین کی "دیکھو! بیت اللہ کی تعمیر میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ کسبِ حلال سے ہو۔ اور زنا، چوری، سود وغیرہ کی کمائی شامل نہ ہو۔ صرف حلال اور طیب مال تعمیر میں لگایا جائے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اس کے گھر میں پاکیزہ کمائی لگاؤ۔" اس خیال سے کہ تعمیرِ بیت اللہ کے شرف سے کوئی محروم

[1] ابن اسحاق۔ [2] قدِ آدم سے کچھ زائد بلندی تھی۔

Marfat.com

رہ جائے۔ انہوں نے تعمیر کے کام کو مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا۔

جب تعمیر مکمل ہو گئی تو حجرِ اسود کو اپنی جگہ رکھنے کا وقت آیا۔ جس پر سخت رائے کا اختلاف ہوا۔ ہر قبیلہ اس شرف سے مشرف ہونا چاہتا تھا۔ ابو اُمیہ بن مغیرہ مخزومی نے صورتِ حالات کو سلجھانے کے لیے مشورہ دیا۔ کہ کل صبح جو شخص پہلے اس مسجد کے باب بنی شیبہ سے حرم میں داخل ہو وہ ثالث قرار پائے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ حسنِ اتفاق سے دوسرے روز اس دروازے سے ہمارے آقائے نامدار داخل ہوئے۔ دیکھتے ہی سب پکار اُٹھے :-

هٰذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَا بِحُكْمِهٖ

(یہ امین ہیں۔ ہم ان پر راضی ہیں۔)

جب انہوں نے صورتِ حال آپؐ کے سامنے رکھی۔ تو آپؐ نے ایک چادر منگوائی۔ اور حجرِ اسود کو اس میں رکھ کر فرمایا "ہر قبیلہ کا سردار چادر تھام لے۔ اور پھر بنفسِ نفیس حجرِ اسود کو اُس کی جگہ پر نصب فرما دیا[1]"

---

[1] سیرۃ ابن ہشام

باب چہارم

رسومِ جاہلیت سے نفرت

آثارِ نبوت :

جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن سے ہی شرک اور رسومِ جاہلیت سے حد درجہ بے زاری تھی۔ جو روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ اس سلسلہ کی چند روایات یہ ہیں۔ جو آپ کی غیر معمولی شخصیت پر بھی دلالت کرتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ کہ کیا آپ نے کبھی کسی بت کو پوجا ہے؟ حضورِ انور نے فرمایا "کبھی نہیں"۔ پھر پوچھا گیا کہ کبھی آپ نے شراب پی ہے؟ آپ نے فرمایا، "ہرگز نہیں" اور یہ بھی فرمایا کہ میں ہمیشہ سے ان چیزوں کو کفر سمجھتا تھا۔ اگرچہ مجھ کو کتاب اور ایمان کا کوئی علم نہ تھا[1]

عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ مجھ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایک ہمسائے نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہؓ سے کہتے سنا "خدا کی قسم! میں کبھی لات و منات کی پرستش نہ کروں گا۔ خدا کی قسم میں کبھی عزیٰ کی پرستش نہ کروں گا[2]

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے۔ تو اساف و نائلہ نامی بتوں کو عقیدتاً چھوتے۔ میں جب ان بتوں کے پاس سے گزرا تو میں نے انہیں چھوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سختی سے دو بار ٹوکا۔ خدا کی قسم!!

---

[1] خصائص کبریٰ۔ [2] مسند احمد۔

Marfat.com

کے بعد میں نے کسی بت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور آپ پر اپنا کلام نازل کیا[1]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ مجھ کو جاہلیت کی کسی بات کا کبھی خیال ہی نہیں آیا[2]

زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قریش نے کھانا لاکر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔ جانور جو ذبح کیا گیا تھا۔ وہ کسی بت کے نام پر قربانی دیا گیا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار فرمایا[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب سے میری نشو و نما شروع ہوئی۔ اسی وقت سے میرے دل میں بتوں کے خلاف شدید عداوت اور (بیہودہ) اشعار سے نفرت پیدا ہوئی تھی"[4]

شرک اور مذموم مراسم سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نفرت کے بارے میں ابن ہشام نے کیا خوب لکھا ہے:۔

"پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں جوان ہوئے۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت و نگرانی فرماتے اور جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے آپ کو پاک رکھتے تھے۔ اس لیے کہ تقاضائے ایزدی یہ تھا کہ آپ کو نبوت و رسالت سے، اور ہر قسم کی عزت و کرامت سے سرفراز فرمائے۔ یہاں تک کہ آپ مردِ کامل ہو گئے آپ مروت اور حسنِ خلق، اور حسب و نسب و حلم و بردباری، اور راست بازی، اور صداقت و امانت میں سب سے افضل ہو گئے۔ فحش اور اخلاقِ رذیلہ سے انتہا درجہ

---

[1] خصائص کبریٰ۔ [2] خصائص کبریٰ۔

[3] فتح الباری اور تاریخ الانبیاء (ابن خلدون)۔ [4] کنز العمال۔

Marfat.com

دور ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ امین کے لقب سے مشہور ہوئے۔"

طلوعِ سحر

جس طرح بہار آنے سے پہلے موسمِ بہار کی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ یا جیسے صبحِ صادق سے پہلے اُفقِ مشرق پر روشنی پھیلنے لگتی ہے۔ اسی طرح نبوت کے اعلان و اظہار سے پہلے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روشنی دکھائی دینے لگی۔ سچے خواب نظر آنے لگے۔ بشارتیں ہونے لگیں، اور دل تنہائی کی طرف مائل ہونے لگا۔ یہ سارے امور نبوت کا دیباچہ اور رسالت کی تمہید تھے۔ اس سلسلے کی چند روایات یہ ہیں :-

○ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر سرفرازی سے سات برس پہلے، جناب رسولِ خدا کو ایک روشنی اور چمک نظر آنے لگی تھی۔ اس روشنی کو دیکھ کر آپ بہت خوش ہوتے تھے[1]

○ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا رؤیائے صادقہ (سچے خوابوں) سے ہوئی۔ جو کچھ عالمِ خواب میں دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو کر رہتا[2]

○ ابن ابی جمرہ مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ رؤیائے صادقہ (سچے خوابوں) کو صبح کی روشنی کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ ابھی آفتابِ نبوت طلوع نہ ہوا تھا۔ جس طرح صبحِ صادق کی روشنی طلوعِ آفتاب کا دیباچہ ہے، اسی طرح رؤیائے صادقہ آفتابِ نبوت کے طلوع کا مقدمہ ہیں[3]

○ علامہ ابو محمد عبدالملک بن محمد بن ہشام اپنی تالیف سیرت ابن ہشام میں لکھتے

---

[1] صحیحین بحوالہ رحمۃ للعالمین مؤلفہ سلمان منصور پوری [2] بخاری و مسلم۔

[3] بحوالہ سیرت المصطفیٰ (ادریس کاندھلوی)

Marfat.com

ہیں۔ کہ ظہورِ نبوت سے کچھ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے باہر جنگل اور پہاڑ کی گھاٹیوں میں تشریف لے جاتے۔ تو جس شجر و حجر کے پاس سے آپ کا گزر ہوتا وہ سب آپ کو سلام کہتے "السلام علیک یا رسول اللہ" کی یہ آواز سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تعجب فرماتے۔ لیکن درختوں اور پتھروں کے سوا اپنے سامنے کسی کو نہ پاتے۔

غارِ حرا میں عبادت :

مکہ سے دو فرسخ (تین میل) کے فاصلے پر غارِ حرا ہے، جس کا طول ۴ گز اور عرض پونے دو گز ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں اس غار میں جا بیٹھتے، اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔ محویت کا یہ عالم ہوتا کہ آپ کو یہ بھی احساس نہ ہوتا تھا کہ پو کب پھٹی، اور دن کب ڈھلا؟ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں "خلوت اور تنہائی آپ کے لیے محبوب فرما دی گئی۔ آپ غارِ حرا میں جا کر قیام فرماتے" آپ کی عبادت و ریاضت کی کیفیت کے بارے میں علماء و محققین کی آرا میں قدرے اختلاف ہے۔

علماء کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فساق و فجار اور کفار سے الگ رہنا خود ایک مستقل عبادت تھی۔

علماء کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ آپ کو کشف سے معلوم ہو جاتا کہ فلاں امر حضرت ابراہیمؑ یا کسی نبی کی شریعت سے ہے، تو اس کے مطابق عمل فرماتے تھے۔ شاید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتِ ابراہیمی کے مطابق عبادت فرماتے ہوں۔

علماء کے تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ ذکرِ الٰہی، مراقبہ، تفکر اور تدبر ہی آپ کی عبادت تھی۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے "آپ غارِ حرا میں عبادت کیا کرتے تھے" اور شرح عینی میں کہا ہے کہ حضرت سے سوال کیا جاتا ہے، کہ آپ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے کہ غور و فکر اور

Marfat.com

باب پنجم

مکّی زندگی

(نبوّت کے بعد)

منصبِ نبوّت پر سرفرازی :

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو ۸ ربیع الاوّل ۴۱ سنہ میلادی مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو بروز شنبہ روح الامین خدا تعالیٰ کی طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غارِ حرا میں یہ مژدۂ جانفزا لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی :

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشارت قبول فرمائیے ! آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور میں جبرئیل ہوں"

اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً گھر لوٹ آئے۔ اور اپنی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا "مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ مجھ پر کپڑا ڈال دو" جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا، تو زوجۂ محترمہ سے فرمایا "میں ایسے پُراسرار واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے"[1] حضرت خدیجہؓ نے تسلّی دیتے ہوئے کہا :

"آپ کو ڈر کاہے کا ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ رشتہ داروں پر شفقت فرماتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں، بیواؤں، یتیموں اور بیکسوں کی دستگیری کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے، اور مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں، خدا آپ کو کبھی

---

[1] قاضی محمد سلمان منصور پوری نے اس خوف کی توجیہ یوں کی ہے :

"اس فقرے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب مشکلاتِ نبوت کا بیان تھا"

اندوہ گین نہ فرمائیے گا۔"

اطمینانِ خاطر کے لیے وہ اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ حضرت خدیجہؓ کی درخواست پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ورقہ بن نوفل کے سامنے جبرئیل علیہ السلام کے تشریف لانے کی روداد کہہ سنائی۔ جسے سن کر وہ بول اُٹھے، "یہی وہ ناموس (قانون) ہے جو موسیٰؑ پر اُترا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہ سکوں جب قوم آپ کو نکال دے گی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیرت سے پوچھا۔ کیا قوم مجھے نکال دے گی؟" ورقہ نے جواب دیا۔ ہاں اس دنیا میں جس کسی نے ایسی تعلیم پیش کی، اُس سے (شروع میں) عداوت ہی ہوتی رہی۔ کاش میں ہجرت تک زندہ رہوں، اور آپ کی خدمت کی سعادت حاصل کروں۔[1]

نزولِ قرآن

رمضان المبارک میں جبریلِ امین دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے۔ اور نبی الامی کو کلامِ ربانی پڑھنے کو کہا۔ جو سلمان منصور پوری کے الفاظ میں سارے علموں کی کنجی، اور ساری حقیقتوں کا خزانہ ہے۔ تب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال چھ ماہ اور آٹھ دن کی تھی۔ جو کلام نازل ہوا وہ یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو کہ نہایت رحم کرنے والا، مہربان ہے۔
اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝	اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو لوتھڑے سے بنایا پڑھتا چلا جا! تیرا پروردگار بہت کرم والا ہے جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی (جس نے)

---

[1] صحیحین (عن عائشہ) و مشکوٰۃ المصابیح۔

Marfat.com

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

مفسرین کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ جبریل ایک مرقع صحیفہ لے کر آئے تھے۔ اور کہا تھا "اِقْرَاْ" (پڑھیے) آپ نے جواب دیا تھا "مَا اَنَا بِقَارِئٍ" یعنی میں اُمّی ہوں۔ لکھی ہوئی تحریر پڑھ نہیں سکتا؟

مفسرین کے دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں جبریل کوئی نوشتہ نہ لائے تھے۔ اور آپ سے صرف "کلماتِ ربانی" کو دُہرانے کے لیے کہہ رہے تھے۔ لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رویتِ ملک اور انوارِ وحی کی ہیبت اور دہشت طاری تھی۔ اس لیے انھوں نے کہا (کَیْفَ اِقْرَاْ) میں کیونکر پڑھ سکتا ہوں؟ (مَا اَنَا بِقَارِئٍ)

اکثر و بیشتر مورخین نے منصبِ نبوت پر سرفرازی کے واقعہ اور نزولِ قرآن کی بحث کو یکجا بیان کیا ہے۔ لیکن اگر ان واقعات کو الگ الگ باور کر لیا جائے۔ (جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے) تو بہت سی متعلقہ روایات میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

مثلاً حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ ماہِ ربیع الاوّل کی آٹھ تاریخ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خلعتِ نبوت سے سرفراز ہوئے۔

اور محمد ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سترہ رمضان المبارک کو منصبِ نبوت پر فائز ہوئے۔

اگر حافظ ابن عبدالبر کی روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ اور محمد ابن اسحاق کی روایت کا یہ مفہوم لیا جائے کہ سترہ رمضان المبارک کو آپ پر قرآن نازل ہوا، تو اس عنوان کی تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

درپردہ تبلیغ کا زمانہ

اوّلین مسلمان:

حافظ عسقلانی کی رائے ہے کہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ اور انہوں نے سیرت ابن ہشام کی اس روایت کو سند مانا ہے:۔

"کہ آپ نے تمام واقعہ (نزولِ وحی کا) حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا۔ مبارک ہو، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہ کرے گا۔ جو منصب اللہ کی جانب سے آپ کو عنایت ہوا ہے اُسے قبول کیجیے۔ اور میں پھر کہتی ہوں کہ آپ کو بشارت ہو۔ آپ یقیناً اللہ کے رسول برحق ہیں"

کتاب الاصابہ، اور جیوش الاثر میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ اور اُس کے بعد ورقہ بن نوفلؓ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا ذکر ہے جو آپ کی آغوشِ تربیت میں تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اسلام قبول کیا۔ اور عرصہ تک ابوطالب سے اپنے ایمان کو مخفی رکھا[1]

احباب و مخلصین میں سے عبداللہ المعروف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اور بلا توقف اور جھجک کے!

ابوبکرؓ کو اس لیے کہتے ہیں کہ وہ خصالِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ میں اوّل اور سابق تھے[2] صدیقؓ کو اس لیے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلا تامل اور بلا توقف تصدیق فرمائی۔

---

[1] الہدیٰ والشفا۔ [2] علامہ زمخشری۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے پہلے مسلمان کون ہیں ؟ تو ارشاد فرمایا :۔

"آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضؓ اسلام لائے"

"عورتوں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا"

"غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ"

"لڑکوں میں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ" [1]

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس تطبیق سے وہ تمام اختلافات رفع ہو جاتے ہیں ؟ کہ حضرت ابوبکر رضؓ پہلے ایمان لائے یا حضرت علی رضؓ یا کوئی دوسرا !

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے ان چاروں اکابرین کے ایمان لانے پر تبصرہ کرتے ہوئے بالکل صحیح رائے قائم کی ہے کہ :

"ان اشخاص کا ایمان لانا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ ذرا ذرا سی حرکات و سکنات تک کے واقف تھے ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ صداقت اور راست بازی کی قوی دلیل ہے"

Marfat.com

باب ششم

اعلانِ حق و دعوتِ دین

تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخفی طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ اور بھلے لوگ آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ تین سال بعد انہیں حکم ملا۔ کہ کھلم کھلا اسلام کی طرف لوگوں خصوصاً اقربا کو بلائیں:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ۝ — جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کا صاف صاف اعلان کر دیجیے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ — سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو کفر اور شرک سے ڈرائیے!

قبیلے والوں کو دعوت:

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "اولادِ مطلب" کو دعوتِ طعام پر بلایا۔ اور صرف ایک صاع غلہ، اور ایک دست بکری، اور ایک دودھ کے پیالے پر دستِ برکت پھیر دیا۔ جس سے تمام شرکائے محفلِ طعام (جن کی تعداد چالیس کے لگ بھگ) تھی، پوری طرح شکم سیر ہو گئے۔ اس معجزے کو دیکھ کر ابولہب کہنے لگا۔ لوگو! محمدؐ نے آج تمہارے طعام پر جادو کر دیا ہے۔ یہ سنتے ہی تمام لوگ منتشر ہو گئے۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خطاب نہ فرما سکے۔

دوسرے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لوگوں کو دعوتِ طعام پر بلایا۔ اور کھانے پر دستِ شفقت پھیرا، جس سے کھانے میں برکت ہو گئی۔ اس موقعہ پر محمدؐ نے فرمایا:-

Marfat.com

"اے حاضرین! میں تم سب کے لیے دنیا و آخرت کی بہبودی لے کر آیا ہوں۔ اور میں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر اور افضل کوئی شے لایا ہو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس کی دعوت دوں۔ بتاؤ تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟"

یہ سن کر سب لوگ چپ رہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھ کر کہا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ اگرچہ مجھے آشوبِ چشم کی شکایت ہے۔ اور میری ٹانگیں دُبلی ہیں۔ لیکن میں آپ کا دست و بازو بنوں گا۔"

اہلِ مکہ کو تبلیغ

کوہِ صفا سے خطاب:

اولادِ مطلب تک پیغام پہنچا دیا گیا تھا۔ چند روز بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قبائلِ قریش کو پکارا۔ جب سب جمع ہو گئے تو فرمایا:

"تم مجھے بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو؟" سب نے عرض کیا:

"ہم نے کوئی غلط اور بے ہودہ بات آپ کی زبان سے نہیں سنی۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ آپ صادق اور امین ہیں۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"دیکھو میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں، اور تم پستی میں ہو۔ میں پہاڑ سے ادھر بھی دیکھ رہا ہوں اور ادھر بھی نظر کر رہا ہوں۔ اچھا اگر میں یہ کہوں کہ ڈاکوؤں کا ایک مسلح گروہ وادی سے چلا آ رہا ہے، جو مکہ پر حملہ آور ہو گا، تو کیا تم میری اس بات کو باور کرو گے؟ لوگوں نے کہا بے شک! کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا ہے۔

Marfat.com

انسان کو جھٹلانے کی کوئی دلیل نہیں، خصوصاً جب کہ آپ ایسے بلند مقام پر کھڑے ہیں کہ جہاں سے آپ دونوں طرف دیکھ سکتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ سب کچھ سمجھانے کے لیے ایک مثال تھی۔ اب یقین کر لو کہ موت تمہارے سر پر آرہی ہے اور تمہیں خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اور میں عالمِ آخرت کو ٹھیک اسی طرح دیکھ رہا ہوں۔ جس طرح تمہاری دنیا پر نظر ہے[1]۔

سارا مجمع اس نئی دعوت کو سن کر دم بخود تھا۔ اور قریب تھا کہ لوگوں کے دل دعوتِ حق کے لیے کھل جائیں۔ تب بدبخت ابولہب آگے بڑھا اور کہنے لگا "تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ کیا اسی لیے تو نے ہم سب کو یہاں جمع کیا تھا (نعوذ باللہ)"؟

اس علی الاعلان دعوتِ دین کا کفار پر کیا اثر پڑا؟ مورخ اسلام اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کے الفاظ میں "اس علانیہ تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قریش مخالفت پر مستعد اور درپے استیصال ہو گئے۔ کفر اور اسلام کی یہ علانیہ کشمکش نبوت کے چوتھے سال کے ساتھ ہی خوب زور و شور سے شروع ہو گئی"۔

دشمنانِ دین یا ائمۃ الکفر:

اعلان توحید کے بعد عام طور پر تقریباً سارے اہل مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہو گئے تھے۔ لیکن ان میں دشمنی و عداوت میں جو لوگ بہت آگے بڑھ گئے۔ اُن کا مختصر بیان درج ذیل ہے۔ (ساتھ ساتھ ہی ان کے عبرت ناک انجام کی طرف اشارات کیے گئے ہیں)

○ عبدالعزیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا۔ اور ابولہب کنیت تھی۔ اولاد عبدالمطلب کی دعوت طعام اور کوہِ صفا پر پہاڑی سے وعظ ہر دو مواقع پر اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابن ہشام ، تاریخ اسلام جلد اول صفحہ ۱۳۱

کی علانیہ مخالفت کی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کو اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے طلاق دلوائی۔ عکاظ ہو یا ذوالمجاز جس بازار یا میلے پر آنحضرتؐ تبلیغ کے لیے جاتے۔ یہ بدبخت تعاقب کرتا۔ اور لوگوں کو گمراہ کرتا۔ اس کی بیوی اُمِّ جمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھاتی۔

واقعۂ بدر کے سات روز بعد ابولہب بیمار پڑا۔ اور مر گیا۔ اُس کی لاش تین دن پڑے پڑے سڑ گئی پھر ایک گڑھے میں حبشی مزدوروں نے اُجرت لے کر پھینک دی۔

- ابوجہل فرعونِ وقت تھا۔ اس کا نام ابوالحکم بن ہشام تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی اسلام دشمنی کے پیشِ نظر اُسے ابوجہل کا لقب دیا۔ جنگ بدر کی آگ اسی نے بھڑکائی۔ اور دو جوان سال انصار لڑکوں نے اسی جنگ کے دوران اسے واصلِ جہنّم کر دیا۔
- اُمیّہ بن خلف، محمد عربیؐ کو علی الاعلان گالیاں دیتا۔ جنگِ بدر میں حضرت خبیب یا حضرت بلال کے ہاتھوں مارا گیا۔
- اُبی بن خلف اسلام دشمنی میں اپنے بھائی کے نقشِ قدم پر چلا۔ اور جنگِ اُحد میں ہلاک ہوا۔
- عقبہ بن ابی معیط نے حضورِ اکرم کے چہرۂ انور پر تھوکنے کی جسارت کی۔ جنگ بدر میں گرفتار ہو کر قتل ہُوا۔
- ولید بن مغیرہ، سردارِ قریش، اپنی دولت مندی و تمول پر نازاں تھا۔ اُس کا انجام بھی بڑا عبرتناک ہُوا۔
- ابوقیس بن الفاکہ، ابوجہل کا ساتھی و مددگار تھا۔ اور جنگِ بدر ہی میں مارا گیا۔
- نضر بن حارث، لوگوں کو قصے کہانیاں سُنا کر قرآنِ مجید سے بیزار کرنے کی کوشش میں لگا رہتا۔ اور ایک گانے والی لونڈی کے راگ سُنا کر لوگوں کے دل پیغمبرِ اسلام کی تعلیمات سے ہٹانے کی تدبیر کرتا تھا۔ جنگِ بدر میں گرفتار ہو کر مارا گیا۔

○ عاص بن وائل سہمی، (معاذ اللہ) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر (بے اولاد) کہتا تھا۔ مگر کسی جانور کے کاٹنے سے مر گیا، غور فرمائیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تو نام لیوا لاکھوں، کروڑوں موجود ہیں۔ جن کے نبی اکرمؐ روحانی باپ ہیں۔ البتہ آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہنے والا خود نشانِ عبرت بن گیا۔

قریش کی مخالفت کے بنیادی وجوہ

تحریکِ اسلامی کی قریش نے جو شدید مخالفت کی، اس کے گوناگوں وجوہ تھے۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

سیادتِ عرب کے لیے کشمکش:

قبائلِ قریش کو پورے عرب میں قیادت و سیادت کا درجہ حاصل تھا۔ وہ تمام قبائلِ عرب کے سرتاج اور سردار تھے۔ قبائلِ قریش میں سے دو خانوادے بنو ہاشم اور بنو اُمیہ ممتاز تھے۔ بنو ہاشم کو خانۂ کعبہ کی تولیت اور کلید برداری پر ناز تھا اور بنو اُمیہ کو اپنی کثرت اور فوجی طاقت پر غرور تھا۔ ان دونوں معزز خانوادوں میں جو نزاع تھا۔ غور سے دیکھا جائے۔ تو یہ پورے عرب کی سیادت و پیشوائی کا جھگڑا تھا۔ عبدالمطلب کے زمانے تک بنو ہاشم کا پلہ بھاری تھا لیکن اُن کے اُٹھ جانے کے بعد صورتِ حال بدل گئی۔ ابوطالب دولت مند نہ تھے۔ حضرت عباس دولت مند تھے، لیکن فیاض نہ تھے۔ ابولہب بدکردار تھا اس لیے بنو اُمیہ کا پلہ اُن کے مقابل بھاری ہونے لگا۔ اور بنو ہاشم کی وقعت گھٹنے لگی۔ ان حالات میں بنو ہاشم سے محمدؐ نے دعویٰ نبوت کیا۔ بنو اُمیہ کو یہ صورتِ حال قبول نہ تھی کہ وہ بنو ہاشم کی دوبارہ سیادت کو تسلیم کرلیں۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ دین کو قبول کرنے کا منطقی نتیجہ تھا چنانچہ اخنس بن شریق کے مکالمے سے اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے۔

Marfat.com

ابوجہل نے اخنس بن شریق سے کہا:

"ہم اور بنو عبد مناف (آل ہاشم) ہمیشہ حریف و مقابل رہے۔ انہوں نے مہمان داریاں کیں تو ہم نے بھی کیں۔ انہوں نے خون بہا ادا کیے تو ہم نے بھی خون بہا ادا کیے۔ انہوں نے فیاضیاں کیں، تو ہم نے اُن سے بڑھ کر کیں۔ یہاں تک کہ جب ہم نے اُن کے کاندھے سے کاندھا ملا دیا تو اب بنو ہاشم پیغمبری کے دعوے دار ہیں۔ خدا کی قسم! اس پیغمبر پر ہم کبھی ایمان نہیں لا سکتے۔"

نسلی برتری کا پندار:

عربوں کے جاہلی معاشرے میں غلام و آقا کا امتیاز گہری جڑیں پکڑ چکا تھا۔ اسلام ایک عام اخوت قائم کر کے غلام و آقا کو ایک صف میں کھڑا کر دینا چاہتا تھا۔ اس مساوات کی تعلیم کو قریش کیونکر گوارا کر سکتے تھے۔ جو قیادت و سیادت کے اُونچے مقام پر فائز تھے اور جن کے ہاتھ میں تمام سیاسی اور مذہبی مناصب مرتکز تھے۔

شخصی سیادت اور وجاہت کا چکر:

جنگِ فجار میں حرب بن اُمیہ قریش کا رئیس اعظم تھا۔ ابوسفیان کو اپنے باپ کے منصب پر ناز تھا۔ حرب بن امیہ کے بعد اُمیہ کا رئیسِ اعظم ابوسفیان نہ بن سکا۔ یہ منصب اس کی نالائقی کے باعث ولید بن مغیرہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ جو قائدانہ اوصاف سے بہرہ مند تھا۔ اب قریش کا رئیسِ اعظم تھا۔ ابوجہل اسی ولید بن مغیرہ کا بھتیجا تھا۔ اور اپنے قبیلے کا سردار بھی۔ عتبہ بن ربیعہ، اور نضر بن الحارث دونوں کو اپنی اولاد اور وجاہت کا پندار تھا۔ یہ سب لوگ جن کے دل و دماغ نشۂ اقتدار سے سرشار تھے۔ کیوں کر محمد مصطفےٰ ﷺ

لہ ابن ہشام

Marfat.com

کی نبوت و پیشوائی کو بآسانی تسلیم کر لیتے ـــ اور اسی شخصی وجاہت و سیادت کے چکر میں پڑ کر یہ سارے زعمائے قریش دولتِ ایمان سے محروم رہ گئے۔

آباپرستی اور بُت پرستی:

قریش بڑی مغرور قوم تھے۔ وہ اپنے آباء و اجداد کے طریقوں اور رسوم پر اندھا اعتقاد رکھتے تھے۔ اور وہ کسی ایسی تحریک کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو سکتے تھے۔ جو اُن کے آبائی رسوم و عقائد کے خلاف ہو۔ چونکہ وہ ناتربیت یافتہ اور تندخو تھے۔ اس لیے انہوں نے اسلامی تحریک کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگایا جو ان کے موروثی عقائد و رسوم کے قلعوں کو مسمار کر رہی تھی۔ خصوصاً خلیلِ بت شکن کی مسجد میں انہوں نے تین سو ساٹھ بُت لا کر رکھ دیے تھے۔ جن کی پرستش کے لیے تمام قبائلِ عرب سال بہ سال مکہ میں آتے۔ اور رسوم بُت پرستی بجالاتے اور نذرانے چڑھاتے۔ اسلام بت پرستی کا دشمن تھا۔ جس سے قریش کی سرداری کا طلسم پاش پاش ہونے لگا اور ان کی مہنتگری کا کاروبار گھٹنے لگا۔ اور مجاوری کی زرخیز گدیاں خطرہ میں پڑ گئیں۔ اس لیے انہوں نے دعوتِ اسلام کی مخالفت و مزاحمت کو اپنا وطیرہ بنایا۔

فاسقانہ تہذیب پر ناز یا بداخلاقیوں پر اصرار:

شراب نوشی، بدکاری، سود خواری اور قمار بازی، بچیوں کو زندہ دفن کرنا، کمزوروں پر ظلم ڈھانا، عورتوں کے حقوق پامال کرنا۔ یہ سب عربوں کی فاسقانہ تہذیب کے مظاہر و آثار تھے۔ ڈاکٹر تیج کے الفاظ میں "قریش کے لیے آسان نہ تھا۔ کہ وہ اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو توڑ کر ایک نئی فضا میں پرواز کرنے کے لیے تیار ہو جائیں"[1]

یہ خرابیاں نہ صرف قریش کے عوام میں پھیلی ہوئی تھیں۔ بلکہ ان کے بڑے بڑے سردار

[1] [illegible] صفحہ ۲۵۔

Marfat.com

اور رؤساء اس میں ملوث و مبتلا تھے۔ ابولہب نے حرم محترم سے سونے کا ہرن چرا کر بیچ دیا تھا۔ وہ خائن بھی تھا اور چور بھی۔ اخنس بن شریق، چغل خور اور جھوٹا تھا۔ نضر بن حارث کا سارا کاروبار جھوٹ پر چل رہا تھا۔[1]

پس یہ فاسد الاخلاق لوگ دعوتِ اسلامی کے دشمن بن گئے۔ جو بداخلاقیوں کے خلاف موثر تحریک تھی۔ اور پاکیزہ تہذیب برپا کرنا چاہتی تھی۔

قریش کے وفود ابوطالب کی خدمت میں:

چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کے مقابل حضرت ابوطالب سینہ سپر تھے۔ اس لیے مشرکینِ مکہ نے ابوطالب پر بار بار دباؤ ڈالنا چاہا۔ اس سلسلہ کی تین[2] روایات درج ذیل ہیں:

○ پہلی مرتبہ قریش کے چند آدمی جمع ہو کر ابوطالب کے پاس آئے۔ اور عرض کیا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کی برائی کرتا ہے۔ ہمارے دین کو برا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے اور ہمیں احمق و نادان گردانتا ہے۔ آپ یا تو انہیں منع کر دیں یا ہمارے اور محمدؐ کے درمیان حائل نہ ہوں۔ ہم اُن سے خود سمجھ لیں گے۔ جناب ابوطالب نے انہیں حکمت سے ٹال دیا۔

○ دوسری دفعہ وہ پھر حضرت ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے:
"آپ کا شرف اور آپ کی بزرگی ہم کو مسلّم ہے۔ لیکن ہم زیادہ دیر تک اپنے معبودوں کی توہین اور آباؤ اجداد کی تذلیل برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں۔ ورنہ فریقین لڑ لڑ کر ہلاک ہو جائیں گے۔" حضرت ابوطالب نے مہلت چاہی۔ جب وہ جانے اور محمدؐ آئے، تو انہوں نے فرمایا "اے جانِ عمؑ! تمہاری قوم کے لوگ آئے۔ اور دھمکی دے گئے۔ لہٰذا مجھ پر ناقابلِ تحمل بار نہ ڈالو۔"

---

[1] سیرت النبی، مؤلفہ علامہ شبلیؒ۔ [2] ماخوذ از سیرت ابن ہشام اور البدایہ والنہایہ

Marfat.com

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دل پُرغم سے فرمایا:

"اے چچا خدا کی قسم! اگر یہ آفتاب میرے دائیں ہاتھ پر اور ماہتاب بائیں ہاتھ پر لاکر رکھ دیں۔ تب بھی میں اس کام کو ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ اپنے دین کو غالب کردے۔ یا میں اس (جدوجہد میں) ہلاک ہو جاؤں۔"

تب ابوطالب نے پرعزم لہجے میں فرمایا:۔

"اے جان عمّ! تم جو چاہو کرو۔ میں کبھی تم کو دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا۔"

اہل بصیرت جانتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے وہ آفتاب و ماہتاب سے زیادہ روشن اور منور ہے۔ جس کے نور کو مشرکین بجھانا چاہتے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہہ دیا کہ:

"جس نور مبین کو میں لے کر آیا ہوں اس سے آفتاب و ماہتاب کے نور کو وہ نسبت بھی نہیں، جو آفتاب کے ساتھ ذرّے یا چراغ کو ہے۔"

تیسری مرتبہ اہل قریش عمارہ بن الولید کو ہمراہ لائے۔ اور پیش کش کی کہ اس کو آپ لے لیں اور اپنا بھتیجا ہمارے حوالے کردیں۔ تاکہ ہم اُن کا سر قلم کرکے نجات پائیں۔ (معاذاللہ) ابوطالب نے فرمایا، واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ میں تمہارے بیٹے کو لے کر پالوں اور پرورش کروں۔ اور اپنے بیٹے (بھتیجے) کو تمہارے حوالے کردوں؟ وفد کے سربراہ مطعم بن عدی نے کہا کہ قوم نے معاملہ نمٹانے کے لیے بہترین تدبیر پیش کی تھی۔ لیکن افسوس آپ نے اسے رد کردیا۔ ابوطالب نے فرمایا "خدا کی قسم! میری قوم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ تم سے جو ہو سکتا ہے کر گزرو۔" قریش جب ابوطالب سے ناامید ہو گئے۔ تو کھلم کھلا مخالفت پر آمادہ ہوئے اور بے سہارا مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں دینے لگے۔ ان حالات میں مجبوراً ابوطالب نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت کی دعوت دی ابوطالب کی اس آواز پر تمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے لوگوں نے لبیک کہی صرف ابولہب دشمنوں کا شریک حال رہا۔

Marfat.com

بابِ ہفتم

اوچھے ہتھکنڈے

شیطانی مشورے:

قریش مکہ نے مسلمانوں کی ایذا رسانی کے پہلو بہ پہلو، اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑانے کے لیے ایک تنظیم بنائی۔ جس کا میر مجلس، دشمن اسلام ابولہب تھا۔ ولید بن مغیرہ سب سے معمر اور سن رسیدہ تھا۔ اس نے کہا حج کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر دور دور چار ہر طرف پھیل رہا ہے۔ اس لیے ہمارے لیے مناسب یہ ہے کہ مل کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی ایسی پختہ رائے قائم کر لی جائے۔ جس پر سب عمل پیرا ہو جائیں۔ شرکائے مجلس میں سے ایک بولا۔ ہم یہ بتلایا کریں گے، کہ محمدؐ کاہن ہیں ولید نے کہا میں نے "بہتیرے کاہن دیکھے ہیں۔ لیکن کہاں کاہنوں کی تُک بندیاں، اور کہاں محمدؐ کا کلام! ہم کو ایسی بات نہ کہنا چاہیے۔ جس سے قبائل عرب سمجھ لیں کہ ہم جھوٹ بولتے ہیں۔

ایک شخص بولا۔ "ہم اُسے دیوانہ بتایا کریں گے" ولید بولا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانگی سے کیا نسبت"

ایک شریر کہنے لگا "اچھا ہم کہیں گے وہ شاعر ہے۔ ولید نے کہا "ہم جانتے ہیں کہ شعر کیا ہوتا ہے۔ جملہ اصنافِ سخن کو ہم پہچانتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو شعر سے کیا مشابہت"

ایک مفسد نے رائے دی "ہم بتایا کریں گے کہ وہ جادوگر ہے" ولید نے کہا جس عمارت نفاست کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رہتے ہیں، وہ جادوگروں میں کہاں ہوتی ہے۔

جب سب عاجز آگئے۔ تو انہوں نے کہا اچھا تم ہی بتاؤ کہ ہم کیا کہا کریں

سچ تو یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں عجب شیرینی و حلاوت ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ایسا ہے۔ جس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر و بیوی میں جدائی ہو جاتی ہے۔" آخر اس کمیٹی نے یہ قرارداد منظور کی:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح سے دق کیا جائے۔ بات بات میں ان کی ہنسی اُڑائی جائے۔ تمسخر و ایذاء سے انہیں سخت تکلیف دی جائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا جاننے والوں کو سخت سے سخت ایذاؤں کا نشانہ بنایا جائے۔"

مُستہزئین کا انجام:

- ولید بن مغیرہ کا ایک تیر پیر پاؤں پر گیا۔ اور وہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گیا۔
- اسود بن مطلب "مجھ کو بچاؤ، مجھ کو بچاؤ" کہتے کہتے بالکل نابینا ہو گیا۔
- اسود بن یغوث کے تمام سر میں پھوڑے پھنسیاں نکل آئے اور وہ اسی مرض میں ہلاک ہو گیا۔
- حارث کے پیٹ میں ایسی بیماری پیدا ہوئی کہ پاخانہ اس کے منہ سے نکلنے لگا۔ اور وہ اسی مرض میں مر گیا۔
- عاص بن وائل خاردار گھاس پر ایسا گرا، کہ جانبر نہ ہو سکا۔

الغرض شریروں کی اس انجمن کے ہر کارکن کا انجام بڑا عبرت ناک ہوا۔

شانِ رسالت میں گستاخیاں:

قریش نے جب یہ دیکھا کہ اسلام کی دعوت علی الاعلان دی جا رہی ہے۔ اور بت پرستی کی کھلم کھلا مذمت ہو رہی ہے، تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایذائیں اور تکلیفیں دینے لگے۔

بسا اوقات رات کے اندھیرے میں آپ پر عفونتیں پھینکی جاتیں۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت خراب ہو اور قلبی سکون میں خلل پڑے۔ اکثر اوقات آپ کے راستے میں کانٹے بکھیر دیے جاتے، تاکہ رات کے اندھیرے میں آپ کے پاؤں زخمی ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اتنا کہہ کر چپ ہو جاتے:

"فرزندانِ عبد مناف! تم حقِ ہمسائیگی خوب ادا کرتے ہو۔"

ابن عمرو بن العاص کا بیان ہے کہ ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا۔ اس نے اپنی چادر کو لپیٹ کر رسی جیسا بنایا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو اُس نے پیچ پر پیچ دینا شروع کیے۔ جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن بل پڑ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقبہ کو دھکے دے کر ہٹا دیا تو دوسرے شریر لوگ اُن سے لپٹ گئے اور انہیں بُری طرح زدوکوب کیا۔

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں مصروفِ عبادت تھے۔ قریش بھی صحن کعبہ میں موجود تھے۔ ابوجہل کے اشارے پر عقبہ نجاست بھری اوجھڑی اُٹھا لایا۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو اُس نے یہ اوجھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر رکھ دی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ اوجھ اُٹھا کر پرے پھینک دی۔ اور سنگ دل کافروں کو سخت سست کہا۔

ان تمام بدسلوکیوں کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مخالفوں کے ساتھ ہمدردانہ اور مخلصانہ رویہ رہا۔ وہ کانٹوں کے جواب میں نصیحت کے پھول برساتے۔ سختی کا جواب نرمی سے دیتے۔ اور بے ہودگی کا جواب متانت سے دیتے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم دنوں میں اُن کو دعوت اسلام دیتے۔ اور راتوں کو اُن کی اصلاح و ہدایت کے لیے دعائیں کرتے۔

Marfat.com

قریش کی ایذا رسانی کے نئے انداز

اور

صحابۂ کرامؓ کی ایمانی تربیت

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا کو بھی قبائلِ قریش نے ستانے کے لیے جو اندازِ ستم ایجاد و اختیار کیے۔ اُن کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

- صہیب بن سنانؓ کو لوگ اتنی تکلیفیں دیتے کہ وہ بے ہوش ہو جاتے۔

(طبقات ابن سعد)

- بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گردن میں رسّی ڈال کر انہیں مکہ کی پہاڑیوں میں لیے پھرتے۔ کبھی ان کو گرم ریت پر لٹا کر ان کے سینے پر گرم پتھر رکھ دیا جاتا۔

(سیرت ابن ہشام)

- عمار کی والدہ سمیہ بی بی رضی اللہ عنہا ابوجہل کے مظالم جھیلتے جھیلتے شہید ہو گئیں۔

(طبقات ابن سعد)

- ابو فکیہہ افلحؓ کے پاؤں میں رسّی ڈال کر انہیں پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا۔

(اصابہ والاستیعاب)

- خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو آگ کے انگاروں پر لٹایا جاتا۔ اور ان کی گردن مروڑی جاتی۔

(طبقات ابن سعد)

- اُمِ عبیسؓ، بعینہؓ، زنیرہؓ، یہ لونڈیاں اپنے سنگ دل آقاؤں کے مظالم کا نشانہ۔

(اصابہ، زرقانی)

- عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ان کے چچا کھجور کی چھت میں باندھ کر نیچے سے دھواں

Marfat.com

دیتے۔ (طبقات ابن سعد)

○ مُصعب بن عُمیر کو ان کے گھر سے نکال دیا گیا۔ گھر سے نکال دیا گیا۔

(اسد الغابہ)

○ کفار بعض صحابہ کو گائے یا اونٹ کی کھال میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیتے ایسی طرح مشرکین بعض نومسلموں کو لوہے کی زرہ پہنا کر گرم گرم پتھروں پر گرا دیتے۔

○ قبائلِ قریش کا یہ سلوک صرف غلاموں اور ضعیفوں کے ساتھ ہی نہ تھا۔ بلکہ اپنے فرزندوں اور عزیزوں کے ساتھ بھی یہ مظالم روا رکھتے تھے۔

ان گوناگوں تکالیف اور زیادتیوں کو مسلمانوں نے بڑے صبر و تحمل، اور ہمت و استقامت سے برداشت کیا۔ اور انہی مصائب و شدائد کو برداشت کرنے کی برکت سے مومنینِ صالحین کے ایمان کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔ اسلام کی خاطر ان اذیتوں کو جھیلنے میں ان کو ایک طرح کی روحانی خوشی محسوس ہوتی تھی۔ جس کے کیف و کم کا اندازہ لگانا ہمارے بس میں نہیں۔ مولانا ابوالحسن ندوی کے الفاظ ہیں:۔

"اِن آزمائشوں اور ابتلاؤں سے اُن کے عقیدہ میں مزید پختگی، اُن کے یقین میں استحکام، ان کے دینی احساس میں ترقی، اور ان کے ایمان میں لذت و حلاوت پیدا ہوئی، ان کی طبیعتوں میں نکھار پیدا ہوا۔ اور وہ اس بھٹی سے کھرا سونا بن کر نکلے[1]

ہجرتِ حبشہ اُولیٰ (۵ سنہ نبوی)

جب کُفار نے مسلمانوں کو بہت زیادہ تنگ کرنا شروع کر دیا، تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت چاہی۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن سے گیارہ مردوں اور پانچ

---

[1] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ (ابوالحسن ندوی)

Marfat.com

عورتوں کا قافلہ رات کی تاریکی میں نکلا، اور شعیبہ یا جدہ کی بندرگاہ سے دو تجارتی کشتیوں پر سوار ہو کر حبش کو روانہ ہو گیا۔ مشرکین مکہ نے تعاقب کیا۔ لیکن کشتیاں جا چکی تھیں، مایوس نامراد لوٹ آئے اس قافلہ کے سردار عثمان بن عفان تھے۔ سیدہ رقیہ ان کے ساتھ تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں "ابراہیمؑ و لوطؑ کے بعد یہ پہلا جوڑا تھا، جنہوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی"۔ یہ لوگ رجب سے شوال تک حبشہ میں مقیم رہے۔ لیکن ان میں سے بعض اس غلط افواہ سے متاثر ہو کر لوٹ آئے کہ قریش دعوتِ اسلام قبول کر چکے ہیں۔

ہجرتِ حبشہ ثانی (۶ سنہ نبوی)

قریش کی زیادتیوں اور بدعنوانیوں سے تنگ آکر مسلمانوں نے دوبارہ آنحضرتؐ سے اجازت مانگی ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں مکہ سے روانہ ہوئے۔ ابن ہشام نے ان مہاجرین کے اسمائے گرامی مع انساب و قبائل نہایت تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔ قریش نے اس قافلے کا بھی تعاقب کیا۔ لیکن ناکام رہے۔ آخر قریش نے باہم مشورہ کر کے حضرت عمر بن العاص اور عمر بن ربیعہ کو اپنا سفیر بنا کر حبشہ بھیجا۔ جنہوں نے شاہِ حبشہ نجاشی کے امرا اور ندیموں کو تحفے تحائف پیش کیے۔ اور سفارش کروائی کہ بغیر مکالمہ اور تکرار کے یہ لوگ ہمارے سپرد کر دیے جائیں۔ لیکن شاہِ حبشہ نے یہ سفارش مسترد کر دی اور کہا "میں دریافت حال کے بغیر انہیں تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا"۔

تب مہاجرین دربار میں طلب کیے گئے۔ جب یہ لوگ دربار میں پہنچے تو انہوں نے سجدہ نہ کیا۔ صرف سلام کہہ دیا۔ جس پر نجاشی کے درباری برہم ہوئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف صاف بتلا دیا۔ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے[1]۔ تب نجاشی نے مہاجر صحابہؓ سے پوچھا۔ کہ تم نے عیسائیت اور بت پرستی کی بجائے کونسا دین اختیار کیا ہے؟

حضرت جعفر بن ابی طالب نے جوابی تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"اے بادشاہ! ہم سب جاہل و نادان تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے

---

[1] البدایہ والنہایہ۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

تھے۔ بے حیائیوں میں مبتلا تھے۔ قرابتوں کو قطع کرتے تھے۔ پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے۔ ہم میں جو زبردست ہوتا وہ چاہتا کہ کمزوروں کو کھا جائے۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل و کرم فرمایا۔ اور اپنا ایک پیغمبر بھیجا، جس کے حسب و نسب صدق و امانت اور پاک دامنی و عفت کو ہم خوب پہچانتے ہیں۔ اُس نے ہم کو اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اس کو ایک مانیں، صرف اُسی کی بندگی و اطاعت کریں، بتوں کی پرستش چھوڑ دیں، سچائی اور امانت اور صلہ رحمی اپنائیں، پڑوسیوں سے حسنِ سلوک کریں۔ خونریزی اور حرام باتوں سے بچیں۔ اُس نے تمام بے حیائیوں سے اور باطل و ناحق کلام سے، یتیم کا مال کھانے سے اور کسی پاک دامن پر تہمت لگانے سے ہم سب کو منع کیا۔ اور اس نے ہمیں صرف توحید، نماز، زکوٰۃ اور روزہ کا حکم دیا، اور یہ تعلیم دی کہ جان اور مال راہِ خدا میں قربان کرنے سے دریغ نہ کریں[1] اس کے بعد حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم پڑھ کر سنائی۔ جس پر نجاشی کہہ اُٹھا "محمدؐ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا کلام ایک ہی سرچشمہ سے نکلے ہیں"۔[2]

اگلے دن پھر عمر بن العاص نے نجاشی سے حاضرِ دربار ہو کر کہا "اے بادشاہ! یہ لوگ حضرت عیسیٰ کے بارے میں بڑی بدکلامی کرتے ہیں"۔ نجاشی نے دوبارہ حضرت جعفر بن طیارؓ اور اُن کے ساتھیوں کو طلب کیا۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں، وہ خدا کی خاص روح اور خاص کلمہ ہیں"۔ نجاشی نے کہا "واللہ! مسلمانوں نے جو کچھ کہا ہے۔ عیسیٰؑ اس سے ایک تنکے کی مقدار بھی زائد نہیں"۔[3]

نجاشی نے دربار میں یہ اعلان کر دیا کہ "قریش کے تحائف و نذرانے لوٹا دیے جائیں۔ اور مسلمان امن

---

[1] تا [3] سیرت ابن ہشام۔

Marfat.com

سے رہیں۔ مسلمان شاداں و فرحاں لوٹے۔ اور قریش کا وفد، ندامت و خجالت کے ساتھ باہر نکلا۔

نجاشی کے اس اعلان کے بعد مسلمان حبشہ میں بڑے اطمینان سے رہے۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی سمت ہجرت فرمائی تو وہ بھی مدینہ جا پہنچے۔ آخری قافلہ جعفر ابن طیارؓ کی سرکردگی میں سنہ نبوی میں فتح خیبر کے وقت حبشہ سے مدینہ منورہ پہنچا[1]

سنہ ۶ نبوی تا سنہ ۱۰ نبوی

بنو ہاشم سے قریش کا معاشرتی مقاطعہ:

سنہ ۶ نبوی میں حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے اکابرین قریش ایمان لے آئے اور مسلمان خانہ کعبہ میں علانیہ نمازیں پڑھنے لگے۔ جب قریش اسلامی تحریک کو نیچا دکھانے میں ناکام رہے تو انہوں نے درج ذیل تحریری معاہدہ مرتب کر کے بنو ہاشم کا معاشرتی مقاطعہ کر دیا:

- بنو ہاشم سے تمام تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔
- نہ کوئی شخص بنی ہاشم کے ہاں نکاح کرے اور نہ اُن سے میل جول رکھے۔
- نہ انہیں گلی بازار میں گھومنے پھرنے دیا جائے۔ نہ اُن سے خرید و فروخت کی جائے۔ یہاں تک کہ بنو ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالہ کر دیں[2]

اس ظالمانہ اور سفاکانہ معاہدہ کو لکھنے والے منصور بن عکرمہ کو بہت جلد اس کے کیے کی سزا مل گئی۔ اس کا ہاتھ عمل کتابت سے بے کار ہو گیا۔ اور اس کی انگلیاں شل ہو گئیں۔

ادھر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سارے افراد نے جناب ابو طالب کا ساتھ دیا جنہوں نے مجبور ہو کر ایک گھاٹی میں پناہ لی[3] مسلمانوں نے دین کی وجہ سے اُن کا ساتھ دیا۔ کافروں نے خاندانی

---

[1] عیون الاثر و فتح الباری۔ [2] زاد المعاد و فتح الباری۔

[3] یہ گھاٹی مکہ کے مشرقی جانب پہاڑی چٹانوں سے گھرا ہوا مقام ہے۔

Marfat.com

اور نسبی تعلق کے باوصف بنو ہاشم میں صرف ابولہب قریش کا شریک رہا۔ اور اس نے جناب ابوطالب کا ساتھ نہ دیا۔ اُن دنوں ابولہب تجارتی قافلوں کو بھگاتا رہتا کہ کوئی تاجر اصحابِ محمدؐ کو عام نرخوں پر چیز فروخت نہ کرے بلکہ اُن سے دوگنے نرخ وصول کرے۔ صحابۂ کرام کچھ خریدنا چاہتے تو تنگ دستی کے باعث خالی ہاتھ لوٹ جاتے۔ قریش میں ہشام بن عمرو، زہیر بن ابی اُمیہ مطعم بن عدی، ابوالبختری اور زمعہ بن الاسود نے متفقہ طور پر ایک محفل میں سنہ نبوی میں قریش کے لوگوں کو اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ ادھر جناب ابوطالب نے اپنے بھتیجے کے بیان کے مطابق قریش کو عہد نامے کی تحریر دیکھنے کو کہا۔ تحریر منگوا کر دیکھی گئی تو رؤسائے قریش شرمسار ہوئے۔ فی الواقع سوائے خدا کے مقدس نام کے تمام حروف کو دیمک نے چاٹ لیا تھا۔ اس طرح تین سال کی صعوبتوں کا خاتمہ ہوا۔

غم کا سال اور طائف کا سفر

شعبِ ابی طالب کی ابتلا سے نکلنے کے چند مہینے بعد ماہِ رمضان یا شوال سنہ ۱۰ نبوی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق و جانثار چچا نے انتقال فرمایا۔ پھر اس کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (آنحضورؐ کی محبوب و اولین رفیقۂ حیات) بھی وفات پا گئیں۔ فی الواقع ان دونوں کی زندگی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حقیقی مددگار اور غم گسار اور مادی سہارا نہ تھا۔ لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوصلے میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور سنہ نبوی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا سفر کیا۔ زید بن حارثہ ہم رکاب تھے۔ وہاں قبیلہ بنو ثقیف میں مسلسل ایک ماہ تک تبلیغ کی۔ لیکن وہاں کے کسی باشندے نے دعوتِ حق کو قبول نہ کیا۔ عبد یالیل، مسعود اور حبیب تینوں بھائی بھائی تھے۔ اور اپنے اپنے قبیلہ میں سردار مانے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن تینوں کو سب سے آخر میں دعوتِ دین دی۔

ایک نے کہا "خدا کر پیغامِ نبوت پہنچانے کے لیے تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملا؟"

Marfat.com

دوسرے نے کہا "خدا نے کعبہ کا پردہ چاک کرنے کے لیے تجھ کو نبی بنا کر بھیجا ہے"۔
تیسرا بولا "خدا کی قسم میں تجھ سے کلام نہ کروں گا۔ اگر تو اللہ کا رسول ہے تو تیرا کلام رد کرنا سخت خطرناک بات ہے۔ اور اگر تم اللہ کے رسول نہیں تو پھر تم قابلِ التفات نہیں ہو"۔

بعد ازاں ان تینوں نے اوباش اور بازاری لونڈوں کو اکسا دیا کہ آپ کی ہنسی اڑائیں اور پتھر برسائیں۔ چنانچہ انہوں نے رحمتِ دو عالم پر اتنے پتھر برسائے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لہولہان ہو کر غش کھا گئے۔ اور حضرت زیدؓ بھی بُری طرح سے زخمی ہو گئے۔ طائف سے آپ بڑے رنجیدہ لوٹے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"میں نے ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ یا رسول اللہ آپ پر کیا یومِ اُحد سے بھی کوئی سخت دن گزرا ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش سے تکلیفیں تو پہنچی ہی تھیں لیکن مجھ پر سب سے زیادہ سخت دن وہ گزرا۔ جب میں نے خود کو عبد یالیل کے تین بیٹوں پر پیش کیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ "قرن الثعالب" پر پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے آنحضورؐ کو آواز دی کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مَلَکُ الجبال (پہاڑوں کے فرشتہ) کو آپ کے پاس بھیجا ہے۔ ملک الجبال نے عرض کیا "اگر آپ حکم دیں تو میں اِن دونوں پہاڑوں کو (جن کے مابین اہلِ مکہ اور اہلِ طائف آباد ہیں) ملا دوں جس سے تمام لوگ پس جائیں"۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"میں امید کرتا ہوں (اللہ سے) کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگوں کو پیدا کریگا جو موحّد (خدا پرست) ہوں گے"۔

Marfat.com

بابِ ہشتم

مدینہ منورہ میں تبلیغِ اسلام کی ابتدا

مدینہ کی آبادی دو قسم کے لوگوں پر مشتمل تھی، مشرکین اور اہلِ کتاب ——— پھر مشرکین دو بڑے قبیلوں پر منقسم تھے۔ اَوس اور خزرج! یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ اور تقریباً ایک سو بیس سال سے اِن کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا۔

مسلمان مؤرخین نے لکھا ہے :-

"یہودِ مدینہ نے جب دیکھا کہ اَوس و خزرج کے قبائل روز بروز قوت پکڑتے جا رہے ہیں تو انہوں نے ایسی چالیں چلیں کہ یہ دونوں قبیلے آمادۂ پیکار ہوئے اور یہود کے مقابلہ میں ان کی طاقت ماند پڑ گئی۔"[1]

خود یہود کے بہت سے قبائل تھے۔ ان میں سے بنو قریظہ اور بنو نضیر میں آپس کی قدیم عداوتیں چلی آتی تھیں۔

سنہ ۹ نبوی میں قبیلۂ اَوس کے چند افراد مدینہ سے مکہ اہلِ قریش کی امداد کے طالب بن کر آئے۔ لیکن قریش نے سرد مہری کا ثبوت دیا اور وہ ناکام لوٹے۔ اِسی موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوتِ اسلام دی، جن میں سے اسعد بن زرارہؓ اور ذکوان بن عبد قیسؓ ایمان لے آئے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا۔ کیا تم پیغامِ خداوندی کے پہنچانے میں میری مدد کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا "قبائل اَوس و خزرج دونوں خانہ جنگی کے شعلوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اس لیے آنجنابؐ کے مدینہ تشریف لانے کا خاطر خواہ نتیجہ نکلے گا۔"

---

[1] محمد حسین ہیکل (سیرۃ الرسول)

Marfat.com

اور وہ یہ وعدہ کر گئے۔ کہ اگلے سال ہم پھر حاضر خدمت ہوں گے۔ خدا کی قدرت کہ اسی سال اوس و خزرج میں صلح ہو گئی[1]

اگلے سال (۱۲ سنہ نبوی میں) حج کے ایام میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول قبائل عرب میں تبلیغ کرتے کرتے، عقبہ کے پاس (جہاں اب مسجد العقبہ ہے)۔ قبیلہ خزرج کے چند اور افراد سے ملے، ان کو دعوت اسلام دی۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا۔ "دیکھو یہود ہم سے سبقت نہ لے جائیں" اور یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کر لیا۔

ان چھ سات خوش نصیب افراد کے نام یہ ہیں:

"ابو الہیثم بن تیہان، ابو امامہ، اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر اور جابر بن عبد اللہ بن رباب رضوان اللہ اجمعین۔

انصار کی بیعت

بیعتِ عقبہ اولیٰ:

۱۲ سنہ نبوی میں بارہ اشخاص حج کے موقعہ پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے اور آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ پانچ تو وہی تھے جو پچھلے سال آئے تھے۔ سات افراد مزید آئے۔ یہ بیعت چونکہ پہاڑی کی گھاٹی میں ہوئی تھی۔ (جو منیٰ کی وادی کے قریب تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ہے) اس لیے اس کا نام بیعتِ عقبہ اولیٰ رکھا گیا۔ (سیرت حلبیہ)

یہ بیعت رات کے وقت ہوئی، اور اس میں انتہائی رازداری و اخفاء سے کام لیا گیا۔

[1] سیرت خاتم الانبیاء مولفہ مفتی محمد شفیع۔ [2] سیرت خاتم الانبیاء (مفتی محمد شفیع)

Marfat.com

اسے عقبہ کا پہلا معاہدہ بھی کہا جاتا ہے۔ انصارِ مدینہ نے جن باتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی وہ یہ ہیں :

انصارِ مدینہ کے معاہدے کی شرطیں :

۱ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے۔
۲ ہم چوری اور زنا کاری نہیں کریں گے۔
۳ ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔
۴ ہم کسی پر نہ تہمت لگائیں گے، اور نہ ہی چغلی کھائیں گے۔
۵ ہم ہر حال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت کریں گے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر واضح کر دیا تھا کہ :۔

"اگر اس مقدس معاہدے کی انصارِ مدینہ پابندی کریں گے تو جنت کے حقدار ہوں گے۔ ورنہ اُن کا معاملہ خدا کے سپرد ہوگا!"

جب یہ لوگ بیعت کر کے مدینہ منورہ واپس جانے لگے۔ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مُصعب بن عمیرؓ اور عبداللہ بن مکتومؓ کو ساتھ کر دیا۔ مصعب بن عمیر مدینہ میں اسعد بن زرارہ (رئیس مدینہ) کے گھر جا کر اُترے، اور تبلیغِ دین اور اسلامی احکام کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اہل مدینہ اُنہیں المقرئ (پڑھانے والا) کہا کرتے تھے۔ خصوصاً سعد بن معاذ قبیلۂ اوس کے رئیس کے ایمان لانے سے اوس کا سارا قبیلہ اسلام کا شیدائی بن گیا۔ ایک سال بعد ہی مدینہ سے جو قافلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی غرض سے مکہ آیا، وہ پچھتر افراد پر مشتمل تھا۔

انصارِ مدینہ کی دوسری بیعت یا (بیعتِ عقبہ ثانیہ)

مدینہ سے اگلے سال تہتر مرد اور دو عورتیں حج کے زمانہ میں آئے۔ اور اپنے بیعت

ساتھیوں سے چھپ کر انھوں نے بمقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی[1] علامہ ابن جوزی نے بیعت کرنے والے تمام افراد کے نام دیے ہیں۔ ابن ہشام نے بھی تقریباً یہی نام گنوائے ہیں۔ اس موقعہ پر رسول اللہ کے چچا حضرت عباس رضؓ نے انصار سے مخاطب ہو کر کہا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں نہایت عزت اور وقعت والے ہیں۔ اور ہم ان کے حامی و مددگار ہیں۔ اور وہ تمہارے ہاں آنا چاہتے ہیں۔ بشرطیکہ تم اُن کی پوری پوری حمایت و حفاظت کر سکو۔ اور مرتے دم تک اس پر قائم رہو۔ ورنہ تم ابھی سے صاف جواب دے دو۔"

انصارِ مدینہ کی فرمائش پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:۔

"میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ اُس کی عبادت و بندگی کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ میرے رُفقاء کو ٹھکانا دو۔ اور جس طرح اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہو، اسی طرح ہماری حفاظت کرو، اور خوشی ہو یا رنج! راحت ہو یا کلفت، افلاس ہو یا تونگری، ہر حال میں میری اطاعت کرو۔"[2]

انصار نے پوچھا "اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم کو اس کا کیا صلہ ملے گا؟" آپ نے فرمایا "جنت!" انصار نے کہا "ہمیں منظور ہے۔ لائیے دستِ مبارک! ہم سب بیعت کریں۔" بقول ابن عباسؓ، سب سے پہلے اسعد بن زرارہ نے بیعت کی۔ اور پھر براء بن معرور نے، پھر اُسید بن حُضَیر نے اور پھر سب حاضرین نے۔ شرفِ بیعت حاصل کیا۔

سعد بن عبادہ انصاری نے اس موقعہ پر حاضرینِ مجلس کو تنبیہ کی "اے گروہِ خزرج! تم کو معلوم ہے کہ تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ اگر آئندہ چل کر مصائب و شدائد سے گھبرا کر چھوڑ دینے کا خیال ہو، تو ابھی سے چھوڑ دو۔ اُس وقت گھبرا کر چھوڑنا دنیا و آخرت کی رسوائی

---

[1] بقول حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا۔ بلکہ صرف زبانی قول قرار لیا۔ (بخاری شریف) [2] سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری)

Marfat.com

ہو گی!"

جب بیعت ہو چکی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ نقیب مقرر فرمائے۔ جو اپنی اپنی قوم کے کفیل ہوں۔ اور اہلِ یثرب میں جا کر دینِ حق کی اشاعت کریں۔ ان میں نو نقیب خزرج سے تھے۔ اور تین نقیب قبیلۂ اوس سے تھے۔[1]

یہ تدبیر بڑی کارگر اور مؤثر ثابت ہوئی۔ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔ اُدھر قریش کو بڑی دیر بعد اس معاہدے کے طے پا جانے کی اطلاع ہوئی۔ تو سر پیٹ کر رہ گئے۔[2]

دارالندوہ میں قتل کے مشورے

(اللہ کی تدبیر غالب ہے)

اہلِ قریش نے جب دیکھا کہ صحابۂ کرام رفتہ رفتہ ہجرت کر کے سوئے مدینہ جا رہے ہیں۔ اور رسول اکرمؐ بھی شاید جلد ہی مدینہ کا رُخ کریں۔ تو انہوں نے دارالندوہ[3] میں ایک نمائندہ اجتماع طلب کیا جس میں قریش کے ہر قبیلے کے رؤساء جمع ہوئے۔ ابلیس لعین (شیطان مردود) ایک نرالا روپ بھی "شیخِ نجد" کے روپ میں موجود تھا۔ زیرِ بحث یہی معاملہ تھا کہ مسلمان مدینہ میں جا کر قوت پکڑتے جا رہے ہیں۔ اُن سے کیونکر نمٹا جائے۔ ایک رئیس نے تجویز پیش کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر انہیں بند کوٹھڑی میں قید کر دیا جائے۔ تاکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم زہیر و نابغہ کی موت کا مزہ چکھیں (العیاذ باللہ)۔

شیخ نجدی نے کہا "یہ رائے درست نہیں۔ اس لیے کہ اصحابِ محمدؐ اُن کو چھڑا لے جائیں گے۔"

---

[1] تا [2] سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری۔

[3] مکہ میں یہ پہلا مکان ہے جسے قصی بن کلاب نے قبائل قریش کے مشوروں کے لیے تعمیر کیا تھا۔

Marfat.com

دوسرے رئیس نے تجویز کی کہ محمدؐ کو جلاوطن کر دیا جائے۔

شیخ نجدی نے کہا یہ رائے تو بالکل ہی غلط ہے۔ کیا تمہیں محمدؐ کے کلام کی خوبی، شیرینی دل آویزی اور دلکشی کا علم نہیں۔ اگر اُن کو یہاں سے نکال دیا گیا تو ممکن ہے کہ دوسرے شہر والے ان کا کلام سُن کر اُن پر ایمان لے آئیں۔ اور پھر سب مل کر ہم پر حملہ آور ہوں۔"

آخر ابوجہل نے کہا۔ میری رائے یہ ہے کہ "نہ ان کو قید کیا جائے اور نہ ہی جلاوطن! بلکہ ہر قبیلہ سے ایک ایک جوان منتخب کیا جائے یہ جوان مل کر محمدؐ کو قتل کر ڈالیں۔ اس طرح بنی عبد مناف کے لیے تمام قبائل سے لڑنا بڑا دشوار امر ہوگا۔ اور خون بہا یا دیت پر معاملہ ختم ہو جائے گا۔"

شیخ نجدی نے کہا۔ واللہ! صحیح و صائب رائے تو بس یہی ہے!" اور حاضرینِ جلسہ نے بھی اس تجویز کو بہت پسند کیا[1]

اِدھر یہ جلسہ منعقد تھا، اُدھر اللہ رب العزت کی طرف سے جبرئیل امین نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرتِ مدینہ کی اجازت ملنے کا پیام پہنچایا۔ اور بارگاہِ ایزدی سے اس دعا کی تلقین ہوئی[2]

قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ	اے پروردگار مجھے اچھے طریقہ سے داخل
وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ	کر اور اچھے طریقے سے باہر نکال۔ اور اپنی
لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝	طرف سے میری بھرپور مدد فرما۔

(سورہ بنی اسرائیل)

---

[1] اس مجلسِ مشاورت کی روداد کی تفصیل، سیرت ابن ہشام اور طبقاتِ ابن سعد میں مذکور ہے۔

[2] ترمذی شریف۔

بابِ نہم

مدنی زندگی

ہجرت

تیاریٔ سفر:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیامِ وحی ملتے ہی ابوبکر صدیقؓ کے ہاں تشریف لے گئے، اور فرمایا "مجھے ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے!" ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیا اس ناچیز کو بھی ہم رکاب ہونے کا شرف حاصل ہوگا؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں!" ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ! میں نے چار ماہ پہلے سے سفرِ ہجرت کی غرض سے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں۔ جس ایک کو پسند فرمائیں۔ میری طرف سے آنجناب کے لیے ہدیہ ہے۔"

دراصل آنحضورؐ چاہتے تھے کہ خدا کی راہ میں ہجرت اپنی ہی جان و مال سے ہو۔ اس لیے ایک اونٹنی (جس کا نام جدعاء تھا) کی قیمت ادا فرمائی۔ واقدی کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سو درہم قیمت ادا کی۔ لیکن علامہ زرقانی نے وضاحت کی ہے کہ آنحضورؐ نے چار سو درہم قیمت ادا فرمائی۔ البتہ یہ درست ہے کہ دونوں اونٹنیوں کو ابوبکر صدیقؓ نے آٹھ سو درہم میں خرید کیا تھا، جس کی تصدیق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے[1]

---

[1] حضرت عائشہؓ کی روایت طبقات ابن سعد میں موجود ہے۔

گھر کا محاصرہ اور حضورؐ کی روانگی :

ابوجہل کی تجویز کے مطابق ۲۷ صفر ۱۳ سنہ نبوی، بروز پنج شنبہ قبائل قریش کے ایک ایک منتخب نوجوان نے آکر رسول اللہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بستر پر یہ کہہ کر لٹا دیا "ڈرو نہیں! تمہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔ اور ساتھ ہی انہیں لوگوں کی امانتیں لوٹا کر ہجرت کر کے مدینہ چلے آنے کی تاکید فرمائی۔ ابوجہل بھی محاصرہ کرنے والوں میں شامل تھا۔ سلمان منصور پوری کے الفاظ میں :

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو تلواروں کے سائے میں نہایت بے فکری سے مزے کی نیند سو رہے تھے۔ اور خدا کا رسولؐ، خدا کی حفاظت میں باہر نکلا، اور ان دل کے اندھوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتا ہوا۔ اور سورۂ یٰسین پڑھتا ہوا صاف نکل گیا"[1]

وہاں سے آپ ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اور انہیں اپنے ہمراہ لے کر جبلِ ثور کا راستہ لیا۔

غارِ ثور میں عارضی قیام :

رات کی تاریکی میں خدا کا پیغمبر اور اُن کے یار غار، چار پانچ میل کی پیدل مسافت طے کر کے جبلِ ثور کی طرف بڑھے۔ جس کی چڑھائی دشوار ہے۔ اور راستہ بڑا سنگلاخ ہے۔ آخر ایک غار میں جا کر پناہ لی۔ جسے پہلے ابوبکر صدیقؓ نے گرد و غبار سے صاف کر دیا تھا۔

اُدھر صبح ہوئی۔ تو حضرت علیؓ بڑے اطمینان سے سو کر اُٹھے۔ قریش نے دروازے پر دستک دی تو باہر آئے۔ ابوجہل اور دوسرے محاصرہ کرنے والوں نے پوچھا "محمدؐ کہاں ہیں!" حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ مجھے کیا خبر؟ انہوں نے حضرت علیؓ کو غصہ اور ندامت کے

---

[1] رحمۃ للعالمین۔

Marfat.com

عالم میں لے جاکر خانۂ کعبہ میں پہلے بند کر دیا، پھر چھوڑ دیا۔

پھر بہ شر یر لوگ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف دوڑے۔ دروازہ کھٹکھٹایا اسماء بنت ابو بکرؓ باہر نکلیں۔ ابو جہل نے پوچھا "تیرا باپ کدھر ہے؟ وہ بولیں، "بخدا مجھے معلوم نہیں" اس پر ابو جہل نے انھیں اس زور سے طمانچہ مارا۔ کہ اُن کے کان کی بالی گر گئی۔

حضرت عبداللہ بن ابو بکر رضی اللہ عنہ دن بھر قریش سے ملے جُلے رہتے۔ رات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار کی تدبیروں سے آگاہ فرماتے۔ ابو بکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ انہیں بکریوں کا دودھ پلا آتے۔ اور عبداللہ بن ابو بکر کے پیچھے پیچھے بکریاں ہانک لاتے۔ تاکہ حضرت عبداللہ کے نقوش قدم مٹ جائیں۔ اور کوئی دشمن کھوج نہ لگا سکے۔

قریش تعاقب اور تجسس کرتے کرتے عین غار کے کنارے جا پہنچے۔ ایک گلہ بان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ گلہ بان نے اٹکل سے جواب دیا۔ ممکن ہے کہ ما ہیں روپوش ہوں۔ قریش غار کے دہانے پر آن کھڑے ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ کو پسینہ آگیا۔ عرض کیا "یا رسول اللہ اگر کسی کی اپنے قدموں پر نظر پڑ جائے۔ تو وہ ہمیں ضرور دیکھ پائے گا"[1]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا — غم نہ کیجیے اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

قریش غار کی تنگی و تاریکی دیکھ کر پلٹ گئے خصوصاً غار کے دروازہ پر جب انہوں نے مکڑی کا جال دیکھا تو یہ کہنے لگے "محمدؐ اگر اس غار میں جاتے تو دروازے پر مکڑی کا جال باقی نہ رہ سکتا"[2]

---

[1] حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جان کا ڈر نہ تھا۔ بلکہ محبوب آقا سے جدائی کا اندیشہ

[2] حافظ عسقلانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی کفار کے یہ تاثرات نقل کیے ہیں۔

Marfat.com

منازلِ سفر

سایۂ رحمتِ خداوندی:

چوتھی رات میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے دو اونٹنیاں آگئیں۔ عبداللہ بن اریقط رہبر بنا۔ یہ مختصر قافلہ عام راستہ سے ہٹ کر مدینہ کی سمت ——— یکم ربیع الاوّل بروز دوشنبہ (۱۶ ستمبر ۶۲۲ء) کو روانہ ہوا۔ ایک اُونٹ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ دوسرے پر عبداللہ بن اریقط اور عامر بن فہیرہ (ابوبکرؓ کے خادم) سوار تھے۔

جب حضور رابغ کے موجودہ قلعہ اور ساحلِ بحر کے درمیانی میدان سے گزر رہے تھے تو سُراقہ نے ان شتر سواروں کے قافلہ کو دیکھ لیا۔ انعام کے لالچ میں تعاقب شروع کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن مالک مدلجیؓ کے الفاظ میں۔

"سراقہ خود سر پر لگائے، نیزہ تانے، بدن پر ہتھیار سجائے۔ اپنی گھوڑی پر سوار ہوا سے باتیں کرتا جا رہا تھا۔ کہ اس کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑ گئی۔ اس نے سمجھا کہ کامیاب ہو گیا۔ اتنے میں گھوڑی گھٹنوں کے بل گری۔ سراقہ نیچے آیا۔ اُٹھا، گھوڑی کو سنبھالا، سوار ہوا، پھر چلا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اور اپنے مالک سے لَو لگائے بڑھے چلے جاتے تھے۔ اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سُراقہ کے قریب تر پہنچنے کی اطلاع کی گئی، آپؐ نے فرمایا:

"الٰہی بس اس کے شر سے بچا" اِدھر یہ الفاظ مبارک زبان سے ادا ہوئے۔ اُدھر گھوڑی کے سُم دو قوائم زمین میں دھنس گئے۔ اور سُراقہ سمجھ گیا کہ "حفاظتِ الٰہی" پر غالب آنا

---

[1] سیرت ابن ہشام۔

محال ہے۔ اس نے جان کی امان مانگی، جو دی گئی۔ سراقہ آگے بڑھا، عرض کی "اب میں ہر حملہ آور کو راستے ہی میں روکتا رہوں گا۔"

قبا میں چند روزہ قیام:

۸ ربیع الاوّل ۱۳ سنہ نبوی بروز دوشنبہ[1] (۲۳ ستمبر ۶۲۲ء) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء کا مختصر کاروان وادیٔ قبا میں پہنچ گیا۔ ایک شخص نے آنحضورؐ کی تشریف آوری کی منادی کر دی۔ لوگ "اللہ اکبر" کے نعرے لگاتے ہوئے جمالِ نبوی سے بہرہ ور ہونے کے لیے دوڑ پڑے۔ لوگوں کو نبی اللہؐ اور حضورؐ کے رفیق ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کی شناخت میں شبہ ہوتا تھا۔ حضرتِ صدیقؓ اس صورت حال کو بھانپ گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر اپنی چادر کا سایہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خادمِ رسولؐ میں تمیز کرنا ممکن ہو گیا۔

رسولِ خدا تین روز تک یہاں ٹھیرے۔ اِس سہ روزہ قیام میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹی سی مسجد کی بنیاد رکھی، جسے "مسجدِ تقویٰ" یا "مسجدِ قبا" کہا جاتا ہے۔ اسی مسجد کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى	البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی روز تقویٰ پر رکھی
مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ	گئی۔ وہ مسجد اس بات کی اوّلین حقدار ہے
فِيْهِ	کہ آپ اس میں جا کر کھڑے ہوں۔"

عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ ہر شنبہ (ہفتہ) کو اس مسجد کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے۔ کبھی سوار ہو کر اور کبھی پا پیادہ[2]!

سہل بن حنیف فرماتے ہیں کہ رسولؐ نے اس مسجد کے بارے میں فرمایا:

---

[1] فتح الباری و زرقانی۔ [2] صحیح مسلم و بخاری۔

Marfat.com

"جو شخص مسجد قباء میں نفلِ دوگانہ ادا کرے تو ایک عمرے کا ثواب پائے گا"[1]

وادیٔ قبا میں تین چار روز قیام فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوئے، اور مدینہ منورہ کا ارادہ کیا۔ راستے میں ایک محلہ بنی سالم پڑتا تھا۔ وہاں پہنچے تو نمازِ جمعہ کا وقت قریب آگیا۔ وہیں نمازِ جمعہ ادا کی۔ اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ قبا میں یہ آپ کی پہلی نمازِ جمعہ تھی۔ اور پہلا خطبۂ جمعہ تھا۔[2]

سلمان منصور پوری نے اپنی تالیف "رحمۃ للعالمین (جلد اوّل)" میں اس خطبے کے الفاظ مع ترجمہ نقل کیے ہیں۔ جو فصاحت و بلاغت اور ایجاز و اعجاز کی نادر مثال ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ اس خطبے میں دشمنوں کی مذمت یا شکایت کا ایک حرف بھی نہیں۔

مدینہ میں ورودِ مسعود:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر یثرب کی جنوبی جانب سے شہر میں داخل ہوئے۔ اُسی دن سے اس شہر کا نام "مدینۃ النبی" پڑ گیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تعپن ۵۳ برس کی تھی۔ اور حضور کو مبعوث ہوئے تیرہ ۱۳ برس ہو چکے تھے۔ آپ کے ورودِ مسعود کے وقت یوں تو ہر سمت سے لوگ جوشِ مسرت سے ——— پیش قدمی کے لیے دوڑے۔ لیکن آپ کے ننھیالی رشتہ دار بنو نجار ہتھیاروں سے سج دھج کر، نرالی شان سے نکلے۔[3]

انصارِ مدینہ دو رویہ قطاروں میں کھڑے تھے۔ اور اپنے مہمانِ عزیز کی تشریف آوری پر مسرت اور تکبیر کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ اور فرطِ مسرت سے ہر بڑے اور چھوٹے کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے:-

---

[1] ابن ماجہ۔ [2] ابن اسحاق۔

[3] سیرۃ المصطفیٰ۔

Marfat.com

جَآءَ نَبِیُّ اللّٰہِ۔ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ آئے اللہ کے نبیؐ ـــ آئے اللہ کے رسولؐ

عورتوں بچیوں کی زبان پر یہ ترانہ تھا :۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ

چودھویں رات کا چاند ہمارے لیے، کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے طلوع ہوا۔

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعِ

ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے، جب تک اللہ کو کوئی پکارنے والا باقی ہے

اَیُّھَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

اے وہ ذات مبارک کہ جو ہم میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے آپ اللہ کی طرف سے ایسے امور لے کر آئے ہو جن کی اطاعت واجب ہے[1]

مدینہ کا ذرّہ ذرہ فرطِ مسرت سے جگمگا رہا تھا۔ بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رونق افروز ہوئے، تو مدینہ کا ذرّہ ذرّہ روشن تھا۔

چودھری افضل حق کے الفاظ میں :۔

"آپ جس جس محلے سے گزرے وہاں کے انصار نے ملتجی نگاہوں اور منّت پذیر زبانوں سے مہمانی قبول کرنے کی دعوت دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کو دعائے خیر دیتے آگے بڑھے۔"

جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑنا چاہتا، حضورؐ فرماتے :

"اس کو چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے[2]"

قیامِ مدینہ :

آپ کی اونٹنی محلہ بنی النجار (جو آپ کے ننھیالی قرابت دار ہیں) میں پہنچ کر خود بخود بیٹھ گئی

---

[1] بخاری شریف۔ [2] زرقانی اور وفاء الوفاء

Marfat.com

جہاں اس وقت مسجد نبوی کا دروازہ ہے۔ مگر آپ اونٹنی سے نہ اُترے۔ کچھ دیر بعد یہ اونٹنی ابوایّوب انصاریؓ کے دروازے کے سامنے جاکر بیٹھ گئی۔ اور اس نے اپنی گردن زمین پر ڈال دی شروع سے ہی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طبعی میلان تھا۔ کہ بنی النجار کے ہاں اُتریں۔ جو آپ کے دادا عبدالمطلب کے رشتہ میں ماموں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا کی تکمیل فرمادی[1]

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ:

"میں نے اہل مدینہ کو کسی چیز سے اتنا خوش نہیں دیکھا۔ جتنا کہ رسول اللہؐ کی تشریف آوری پر وہ شاداں و فرحاں تھے"[2]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں وارد ہوئے۔ تو حبشیوں نے آپ کی آمد کی خوشی میں نیزہ بازی کے کرتب دکھائے[3]

ابوایّوب انصاری کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا انہوں نے آپ سے اصرار کیا کہ بالاخانہ میں رونق افروز ہوں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نچلی منزل میں رہیں گے۔ تاکہ میزبان کے اہل خانہ کو احباب کی آمد و رفت سے زحمت نہ ہو۔ بعد ازاں ابوایّوب انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا حق ادا کیا۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدِ نظر مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی۔ ابوایّوب انصاری رضؓ کے گھر سے قریب خاندان نجار کے دو یتیم بچوں کی زمین تھی جو

---

[1] زادالمعاد۔ [3] سنن ابی داؤد۔

[2] صحیح بخاری۔

Marfat.com

خرید کر ہموار کر لی گئی۔ اور مسجد کی تعمیر شروع ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تعمیر مسجد میں شریک تھے۔ اور یہ اشعار، لسانِ نبوت پر جاری تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃْ
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃْ

اے اللہ، کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے۔ اے خدا مہاجرین اور انصار دونوں کو بخش دے۔

یہ مسجد انتہائی سادہ تھی۔ انصارِ مدینہ نے کچھ مال جمع کر کے عرض کیا کہ اس مسجد کو مزین و آراستہ کیا جائے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کے طریقِ سادگی سے ہٹنا نہیں چاہتا[1]

اس مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں۔ کھجور کے تنوں کے ستون تھے۔ اور کھجور ہی کی شاخوں اور پتوں کی چھت ڈالی گئی تھی۔

ابن جریج جعفر بن عمر سے روایت ہے کہ اس مسجد کو عہدِ نبوی میں دو مرتبہ بنایا گیا۔ پہلی مرتبہ ۱ھ میں مسجد تعمیر ہوئی۔ تب اس کا طول و عرض سو گز سے کم تھا۔ دوسری مرتبہ مسجد کی عمارت ۷ھ ہجری میں از سر نو بنائی گئی۔ تب اس کا طول و عرض سو گز سے زیادہ ہو گیا۔ اس کی توسیع کے لیے جو زمین خریدی گئی، اس کی قیمت جناب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس ہزار درہم ادا فرمائی تھی[2]

بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس مسجد کی مرمت ہوئی۔ مگر اصل ہیئت اور سادگی کو برقرار رکھا گیا۔ حضرت عثمان رضؓ کے دور میں اس مسجد کی توسیع بھی ہوئی۔ اور فنِ تعمیر میں اعتدالی آرائش و نفاست بھی پیدا کر دی گئی۔

---

[1] سیرۃ النبی صفحہ ۲۶۰ — [3] البدایہ والنہایہ۔

[2] سیرۃ المصطفیٰ صفحہ ۲۵۸ — [4] مسند احمد اور جامع ترمذی۔

Marfat.com

اَزواجِ مُطَہَّرات کے حجُرے:

مسجدِ نبوی کے متصل حارثہ بن نعمان انصاریؓ کے قطعاتِ اراضی تھے۔ جو وہ وقتاً فوقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر دیا کرتے تھے۔ انہی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے حجرے بنائے جاتے رہے۔ یہ حجرے کیا تھے؟ زہد و قناعت کی تصویر! دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ! اِن حجروں میں اکثر و بیشتر راتوں میں چراغ نہ جلتے تھے۔ جن حجروں میں شمعِ نبوت روشن ہو، ان میں شمع و چراغ کی کیا حاجت؟ بقولِ شاعر:

"جس گھر میں تو رہتا ہو۔ وہ کسی چراغ کا محتاج نہیں!"

خواجہ حسن بصری نے تصریح کی ہے کہ یہ تمام حجرے مشرق (شام) کی طرف بنائے گئے[1] ازواجِ مطہرات کی وفات کے بعد ولید بن عبدالملک کے حکم سے یہ سارے حجرے مسجد نبوی میں شامل کر لیے گئے[2]

ابو امامہ سہل بن حنیف فرمایا کرتے تھے "کاش وہ حجرے اسی طرح چھوڑ دیے جاتے تاکہ لوگ دیکھتے، کہ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر دنیا کے خزانوں کی کنجیاں رکھ دی گئی تھیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیسے حجروں اور کیسے چھپروں میں زندگی بسر کرتے تھے[3]

اصحابِ صُفّہ:

صحابۂ کرام میں اکثر لوگ دینی مشاغل کے ساتھ ساتھ اپنا کاروبار کیا کرتے تھے۔ مثلاً تجارت و زراعت! لیکن چند افراد نے اپنی ساری زندگی کتاب و حکمت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے وقف کر دی تھی۔ یہ لوگ دن کو بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتے۔ اور رات کو اُس چبوترے (صفہ) پر پڑ رہتے۔ جو مسجدِ نبوی کے ایک طرف بنا ہوا تھا۔ دعوتِ اسلام کے لیے یہی لوگ جیسے

---

[1] خلاصۃ الوفاء۔ [2] خلاصۃ الوفاء

[3] زرقانی۔

Marfat.com

جاتے تھے۔

ان کی زیادہ سے زیادہ تعداد چار سو رہی ہے[۱] فاقہ مستی ان کا شعار تھا۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتے۔ بسا اوقات اصحابِ صُفّہ بھوک کی وجہ سے عین حالت نماز میں بے ہوش ہو جاتے۔ باہر سے کوئی اجنبی آتا تو انہیں مجنون سمجھتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بڑا خیال رکھتے۔ دولت مند حضرات ان کی خدمت اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔

مہاجرین و انصار کی شیرازہ بندی :

مکہ سے جو لوگ گھر بار چھوڑ کر مدینہ آ گئے تھے، وہ تقریباً سب بے سروسامان تھے۔ ان میں سے جو لوگ متمول و باثروت تھے وہ بھی مکہ سے اپنا مال و منال اپنے ساتھ نہ لا سکے تھے۔ سب کچھ انہیں چھوڑ کر آنا پڑا تھا۔ اگرچہ یہ سب مہاجر مدینہ کے مسلمانوں کے مہمان تھے۔ لیکن ان کے مستقل قیام کے بندوبست کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

ہجرت سے پانچ ماہ بعد جب مسجدِ نبوی کی تعمیر تقریباً ختم ہونے کو تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ نے فیصلہ کیا کہ۔ مہاجرینِ مکہ کے قیام کا مستقل بندوبست کر دیا جائے۔ اس غرض سے حضورؐ کے ایماء پر مہاجرین و انصار کا مشترکہ اجلاس حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پر بلایا گیا۔ اور ایک مہاجر اور ایک انصار کو آپس میں بھائی بھائی[۲] قرار دے دیا گیا۔ اور اس طرح سلسلۂ مواخات کو نسبی رشتے کے مساوی قرار دے دیا گیا۔

انصارِ مدینہ کا ایثار، فیاضی اور قربانی کے پاکیزہ جذبات کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے ساتھ لیا۔ اور گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ لے کر کہا "اس میں سے آدھا ہمارا اور آدھا تمہارا ہے۔ اور اس طرح اپنی نصف زمینیں اور نصف باغات و اموال

---

[۱] عوارف المعارف، عارف سہروردی۔

[۲] مؤرخین نے لکھا ہے کہ ۴۵ مہاجرین اور ۴۵ انصار آپس میں بھائی بھائی بنے۔

Marfat.com

مہاجرین کو دے ڈالے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی انصاری درہم و دینار کا خود کو اپنے مہاجر بھائی سے زیادہ مستحق نہ سمجھتا تھا۔ انصار مدینہ کے اسی ایثار کی اللہ رب العزت نے اپنی کتاب پاک میں تعریف فرمائی ہے :-

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (القرآن)

انصار کے اس بے پناہ ایثار سے مہاجر صحابہ کو رشک ہونے لگا۔ ایک دن مہاجرین نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "یا رسول اللہ! جس قوم کے پاس ہم آکر ٹھیرے ہیں۔ ان سے بڑھ کر ہم نے کسی قوم کو ہمدرد و غم گسار، مخلص اور وفا شعار نہیں پایا۔ نیز تنگی و فراخی ہر حال میں ہم نے ان کو اپنا مددگار پایا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ سب اجر ان کو مل جائے اور ہم اجر سے محروم رہ جائیں"۔ آپ نے فرمایا "نہیں جب تک تم ان کے لیے دعا کرتے رہو تمہیں بھی مساوی اجر ملے گا"۔

یہ رشتہ مواخات اس قدر مضبوط و محکم تھا کہ بمنزلۂ قرابت و نسب سمجھا جاتا تھا چنانچہ جب کوئی انصاری فوت ہوتا، تو اس کا مہاجر بھائی بھی اس کا وارث ہوتا۔ کچھ مدت بعد میراث کے نئے احکام نازل ہوئے۔ اور مواخات کا رشتہ محض ہمدردی و غم خواری، نصرت و حمایت کے لیے رہ گیا۔

Marfat.com

باب دہم

میثاقِ مدینہ

پس منظر:

رحمتِ دو عالم کی دعوت کی برکت سے اہل مدینہ کے دو گروہ اوس و خزرج متحد و منظم ہو گئے جن میں عرصۂ دراز سے خونریز جنگیں چلی آتی تھیں پھر مہاجرین و انصار شیر و شکر ہو گئے لیکن ابھی مدینہ میں بعض دوسرے عناصر بھی تھے۔ مثلاً یہودی، عیسائی اور مشرک قبائل۔ نبی اکرمؐ نے ان سب عناصر کی شیرازہ بندی کی غرض سے اور مدینہ کو اسلام کا اہم مرکز بنانے کے لیے ایک ایسا عہد نامہ مرتب کروایا جس سے تمام عناصر کے مذہبی عقائد و افکار کی آزادی بھی برقرار رہے اور وہ ایک سیاسی وحدت میں بن جائیں تاکہ اسلام دشمن طاقتوں کو ریشہ دوانیوں کا موقع نہ ملے اور اگر دشمن حملہ آور ہو تو اُسے منہ کی کھانی پڑے۔

یہ معاہدہ ہجرت کے پانچ چھ ماہ بعد مرتب ہوا جس میں مسلمانوں اور دوسری اقوام خصوصاً یہود کے باہمی تعلقات اور حقوق کی پوری تفصیل ملتی ہے۔

فریقین معاہدہ:

معاہدہ یثرب (مدینۃ الرسول) کے جن چھ گروہوں کے درمیان طے پایا وہ یہ ہیں۔

۱۔ محمد رسول اللہؐ۔ ۲۔ مہاجرینِ مکہ۔

۳۔ مسلمانانِ یثرب (انصارِ مدینہ)۔ ۴۔ یثرب کے یہودی[1]۔

۵۔ یثرب کے بت پرست۔ ۶۔ یثرب کے عیسائی۔

---

[1] اس میں یہود کے یہ قبیلے شامل تھے۔ بنی نجار۔ بنی حارث۔ بنی ساعدہ۔ بنی جشم۔ بنی ثعلبہ۔ بنی جفنہ۔ بنی شطیبہ۔ بنو اوس۔ بنو قینقاع۔ بنو نظیر اور بنو قریظہ بھی شریک معاہدہ ہو گئے (الوفا فی احوال المصطفیٰ)

Marfat.com

معاہدے کی چند دفعات:

مکمل معاہدہ سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے ہم اُس کی اہم دفعات نقل کرتے ہیں۔

- بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں (بنی نجار۔ بنی حارث۔ بنی ساعدہ بنی جشم۔ بنی اوس۔ بنی ثعلبہ بھی ایسے ہی ہیں)۔
- جو کوئی معاہدہ کرنے والی قوموں کے ساتھ جنگ کرے گا۔ تو اس کے خلاف سب لڑیں گے۔ اور مسلمان اُس کی امداد کریں گے۔
- جنگ کے دنوں میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ جنگی مصارف میں شریک رہیں گے۔
- معاہدہ قوموں کے باہمی تعلقات، خیر خواہی، خیر اندیشی اور نفع بخشی کے ہوں گے خود گناہ کے نہ ہوں گے۔
- یہودیوں کی حلیف قوموں کے حقوق، یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے۔
- ہر مظلوم کی امداد کی جائے گی۔
- مدینے کے اندر گشت و خون کرنا اس معاہدے کی شریک سب جماعتوں پر حرام ہوگا۔
- اس معاہدہ کی شریک قوموں کے اندر، اگر کوئی ایسی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول کریں گے۔

معاہدے کی اہمیت:

میثاقِ مدینہ تاریخی اہمیت کی حامل دستاویز ہے۔ اور آنحضورؐ کے تدبر کا بیّن ثبوت ہے۔ چنانچہ محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں،

"یہ معاہدہ ایک سیاسی کارنامہ ہے۔ جسے آنحضرتؐ نے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر انجام دیا۔ اس کی رو سے افکار و عقائد کی آزادی اور مدینہ میں اہلِ مدینہ کی حفاظت

لہ سیرت ابن ہشام اور ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب الوثائق السیاسیہ۔

Marfat.com

کے لیے ایک نظام معرضِ وجود میں آ گیا۔ اس طرح رسولِ اکرمؐ مدینہ اور اطرافِ مدینہ کے لیے امن وسلامتی کے مرکز و محور بن گئے۔ مُعاہدین پر معاہدے کی حفاظت اور جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کی نصرت لازم ہو گی۔"

اسلم جیراج پوری تاریخ الامت میں لکھتے ہیں:

"اس معاہدہ کے بعد آنحضورؐ تبلیغِ رسالت کرنے لگے۔ اور اسلام کی ترقی کا دور شروع ہوا۔"

نعیم صدیقی "محسنِ انسانیتؐ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ دستوری معاہدہ محسنِ انسانیتؐ کی سیاسی بصیرت، اور قائدانہ مہارت کی ایسی مثال پیش کرتا ہے جس کا کہیں جواب نہیں۔"

Marfat.com

باب یازدھم

غزوۂ بدر کبریٰ

۱۷ رمضان ۲ھ

قریش کی سازشیں:

۱۔ جب محمد مصطفیٰؐ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اور قریشِ مکہ کو ان کے تعاقب میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ تو انہوں نے نبی اکرمؐ اور ان کے (مہاجرین) رفقاء کی املاک و جائداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا۔ کہ مہاجرین مکہ، مدینہ جا کر دانے دانے کو ترس جائیں۔ اور نبی کریمؐ کو سرزمینِ مدینہ میں قدم جمانے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکے۔ لیکن آنحضرتؐ نے اپنے تدبر اور خداداد فراست سے اس پیچیدہ مسئلہ کو حل فرما دیا۔ آپ نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ (مواخاۃ) قائم کر دیا۔ جس کی برکت سے بہت جلد مہاجرینِ مکہ دوبارہ اقتصادی استقلال اور معاشی رفاہیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

۲۔ قریشِ مکہ نے دوسری تدبیر یہ کی کہ اہالیانِ مدینہ اور عبداللہ بن اُبی کو ایک خط بھجوایا، جس میں انہیں آنحضرتؐ کو مدینہ سے نکال باہر کرنے کی تاکید کی اور ان الفاظ میں دھمکی دی کہ تم نے جلاوطن آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔ حضورِ انورؐ کو بروقت اس خط کی آمد کی اطلاع ہو گئی۔ آپ نے عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کو جا کر فہمائش کی (جو آمادۂ جنگ ہو رہے تھے) اور یہ بات سمجھائی کہ اہلِ قریش نے تم سے ایسی چال چلی ہے کہ اگر تم ان کی دھمکیوں میں آ گئے تو تمہارا اپنا ہی نقصان زیادہ ہوگا کیونکہ اگر تم مسلمانوں سے لڑو گے تو اپنے

Marfat.com

بہن بھائیوں اور فرزندوں کو (جو مسلمان ہو چکے ہیں) خود ہی قتل کرو گے۔

آپ کی اس حکیمانہ نصیحت نے اثر دکھایا، تمام مجمع منتشر ہو گیا۔ عبداللہ بن اُبی تنہا رہ گیا۔ اور اپنے غلط ارادے سے باز رہا۔

۳۔ جب قریش کی تدبیریں کامیاب نہ ہوئیں تو قریشِ مکہ نے ایک اور تدبیر سوچی اور یثرب کے یہودیوں سے ناحق پیام شروع کر دیا اور انہیں محمد مصطفیٰ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ مگر اس تدبیر میں بھی انہیں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے مدینہ پہنچتے ہی دور اندیشی اور حکمت عملی سے کام لے کر یہود سے "میثاقِ مدینہ" کے نام سے ایک سیاسی سمجھوتہ کر لیا تھا۔ جس کی ایک واضح شرط یہ تھی۔ کہ اگر کوئی بیرونی حملہ آور اس معاہدے کے فریقوں میں سے کسی ایک فریق سے جنگ کرے گا تو دوسرے فریق اُس کی مدد کریں گے[1]۔ اس معاہدے کی موجودگی میں یہود بالکل بے بس تھے۔ اور مشرکین مکہ کی امداد سے قاصر تھے۔ گو انہوں نے حیلہ گری سے کام لیا۔ اور خفیہ طور پر قریش کی امداد کا وعدہ بھی کیا۔ لیکن کُھلم کُھلا جنگ کرنے کے دروازے حضور اقدسؐ کی حکیمانہ سیاست نے اُن پر بند کر دیے تھے۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوابی تدبیریں:

اگر قریشِ مکہ، مدینۃ الرسول پر حملہ کی خفیہ تیاریوں میں مصروف تھے تو مدینہ میں نبی اکرمؐ اندرونی استحکامات اور داخلی انتظامات کے ساتھ ساتھ مدینہ کے چاروں طرف حلیفوں میں اضافے اور کچھ قبائل کو غیر جانبدار بنانے کی پُرامن کوششوں میں ہمہ تن مشغول تھے چنانچہ بعض مشرک قبائل مثلاً بنو ضمرہ اور بنو مدلج جو آنحضرتؐ اور مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتے پر رضامند ہو گئے۔

---

[1] الوثائق السیاسیہ (رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی) ڈاکٹر محمد حمید اللہ

Marfat.com

ابوسفیان کے قافلے کی ناکہ بندی:

مورخینِ اسلام بیان کرتے ہیں کہ وہ قافلہ جو رئیسِ مکہ ابوسفیان بن حرب کی سرکردگی میں ملکِ شام گیا تھا۔ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ جو تمام کے تمام سامان تجارت سے لدے ہوئے تھے۔ اس قافلے کے پاس سامان کی مالیت پچاس ہزار مثقال تھی۔ اکیلے ابوجہل نے اس میں ۲۰ ہزار مثقال کا سرمایہ لگایا تھا۔ اس قافلۂ تجارت میں مکہ کی ہر عورت اور ہر مرد نے اپنا سرمایہ لگایا تھا۔ اور یہ کاروانِ تجارت پچھلے تمام تجارتی قافلوں سے بڑھ چڑھ کر تھا[1]

محمد مصطفیٰؐ نے پہلے اس کاروان کو جاتے وقت روکنے کی کوشش کی۔ اور خود ذی العشیرہ تک ایک مختصر جمعیت کے ہمراہ گئے اور دو افراد کو اس قافلے کی پوری معلومات لانے کے لیے آگے بھجوایا۔ لیکن ذوالمرۃ کے مقام پر جاکر انہیں معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ اصل راستے سے ہٹ کر ساحل کے کنارے کنارے تیزی سے نکل گیا ہے۔ ابوسفیان اچھی طرح جانتا تھا کہ آنحضورؐ کے مقرر کیے ہوئے دستے معروف تجارتی شاہراہوں پر ناکہ بندی کی غرض سے متعین ہیں اور انہیں مدینہ سے ینبوع تک بنی حمزہ اور بنو مدلج کا تعاون بھی حاصل ہے۔ اس پر آنحضرتؐ خفیہ طور سے اس کاروانِ تجارت کی واپسی کا انتظار فرمانے لگے[2]

۱۰ دو ماہ بعد جب ابوسفیان کثیر منافع حاصل کرکے ملکِ شام سے واپس لوٹا تو اسے تشویش ہوئی کہ کہیں مسلمانوں کے فوجی دستے رکاوٹ پیدا نہ کریں۔ جب وہ حجاز کے قریب پہنچا تو اسے اطلاع ملی کہ محمدؐ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قافلے کو روکنے نکلے ہیں۔ اس خبر

---

[1] رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر حمید اللہ اور طبقات ابن سعد۔

[2] طبقات ابن سعد۔

Marfat.com

نے ابوسفیان کو متوحش کر دیا۔ اُس نے ایک شخص ضمضم بن عمرو کو اُجرت دے کر روانہ کیا۔ کہ وہ قریشِ مکہ کو اصل صورتِ حال سے آگاہ کر دے۔ اور انہیں قافلے کو بچانے کے لیے آمادہ کرے۔ یہ قاصد تیزی سے سفر کرتا ہوا مکہ پہنچا۔ اور چلّانا شروع کیا۔

"اے اہلِ مکہ! تمہارے قافلے پر محمدؐ اور اس کے ساتھی حملہ کرنے کے لیے نکلے ہیں۔ چلو، دوڑو اور اُسے بچاؤ"[1]

جس پر قریش آمادۂ پیکار ہوئے اور مدینہ کی طرف چڑھ دوڑے۔

ادھر بدر کے مقام پر پہنچ کر رئیسِ مکہ ابوسفیان کو معلوم ہوا۔ کہ محمد مصطفیٰؐ اور اُن کے رفقاء قریب آن پہنچے ہیں۔ پس وہ راستہ بدل کر ساحل کے کنارے کنارے مکہ معظمہ کی طرف بڑھنے لگا۔ جب وہاں پہنچا۔ تو اسے معلوم ہوا۔ کہ اہلِ قریش مسلمانوں سے جنگ آزما ہونے کی غرض سے بدر کی سمت گئے ہیں۔ اس پر ابوسفیان نے قیس بن امرئ القیس کو بھیج کر خبر کر دی کہ قافلہ بچ کر نکل آیا ہے۔ اس لیے سب لوگ واپس چلے آئیں[2] جس پر رؤسائے قریش میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ ایک گروہ واپسی کے حق میں تھا۔ دوسرا گروہ بہر حال مسلمانوں سے لڑنا چاہتا تھا۔ جن کا سربراہ ابوجہل تھا۔ اُس نے قسم کھا کر کہا۔

"ہم بدر تک ضرور جائیں گے۔ اور محمدؐ اور اُن کے ساتھیوں کا قلع قمع کرنے کے بعد وہاں تین دن تک جشن منائیں گے، تاکہ ہمیشہ کے لیے ہمارا رعب بیٹھ جائے اور لوگ ہم سے ڈرنے لگیں"[3]

نئی صورتِ حال اور مجلسِ مشاورت:

ادھر مقامِ صفرا پر پہنچ کر آنحضرتؐ کو اطلاع ملی۔ کہ ابوسفیان کا قافلہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا

---

[1] طبقات ابن سعد۔ [2] سیرت ابن ہشام [3] طبقات ابن سعد۔

Marfat.com

ہے۔ لیکن قریشِ مکہ بڑے کروفر سے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے بڑھتے چلے آتے ہیں۔ اس موقعہ پر آنحضورؐ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا۔ کیونکہ مسلمان تو ایک کاروانِ تجارت سے نمٹنے کے لیے نکلے تھے۔ کسی لشکرِ جرار سے مقابلہ کے لیے تیار ہو کر نہ آئے تھے۔ اس لیے اُن سے مشورہ ضروری تھا۔

مہاجرین کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت مقداد بن اسود نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"اے اللہ کے رسولؐ! جس چیز کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے۔ اُس کو انجام دیجیے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم! ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہیں کہیں گے کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا رب جا کر لڑ لو۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ ہم آپ کے دائیں بائیں۔ آگے پیچھے لڑیں گے۔"

اُس وقت رسول اللہؐ کا چہرۂ مبارک فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔ تاہم آپ کو انصارِ مدینہ کے مشورے کا انتظار تھا۔

تب سعد بن معاذ اُٹھے۔ اور عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! آپ مدینہ سے کسی اور ارادے سے نکلے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا کر دی۔ جو صواب دید ہو۔ اُس کے مطابق اقدام فرمائیے۔ آپ جو حکم ہمیں دیں گے۔ ہم اُس کی تابع داری کریں گے۔"

"قسم ہے اُس ذاتِ پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تو ہم اسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا۔"

پس آنحضرتؐ انصار و مہاجرین دونوں کی جانثاری اور حوصلہ مندی سے مطمئن ہو کر آگے بڑھے۔ اور میدانِ بدر میں قریش کو خیمہ زن اور مقابل پایا۔ میدانِ بدر بیضوی شکل کا ایک

Marfat.com

میدان ہے۔ جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ اس میدان کا طول ۵½ میل اور عرض ۴ میل ہے۔

جنگِ بدر کے واقعات:

کفار کا سالارِ اعظم عتبہ بن ربیعہ تھا۔ اور ابولہب کے سوا تمام رؤسائے قریش اس کے ہمراہ تھے۔ ایک ہزار کی جمعیت تھی۔ اور سو سواروں کا رسالہ سامانِ جنگ وافر تھا۔ پھر قریش کو اپنی سرداری بڑائی اور عزت کا زعم تھا اور ہر ایک نشۂ غرور میں بدمست تھا۔

ادھر مسلمان مجاہدین صرف ۳۱۴ تھے۔ جن میں ۸۳ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ دشمن کے مقابلے میں اُن کے پاس سامانِ جنگ عشرِ عشیر بھی نہ تھا۔ اُن کے پاس صرف تین گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ محمد مصطفیٰ سالارِ اعلیٰ تھے جنہیں خدا تعالیٰ پر پورا بھروسہ تھا اور مسلمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر توکل تھا۔

دو جماعتیں آمنے سامنے تھیں۔ حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام! تب آنحضرتؐ دست بدعا ہوئے۔

"خدایا! تُو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے، اُسے پورا کر! خدایا اگر یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیری بندگی نہ ہوگی۔"

عربوں کے عام طریق پر جنگ کا آغاز ہوا۔ عتبہ بن ربیعہ بڑی شان سے میدانِ کارزار میں اترا۔ اُس کا بیٹا ولید اور بھائی شیبہ بھی آگے بڑھے اور مبارزت طلب کی۔

علیؓ ولید کے مقابل ہوئے اور حمزہؓ شیبہ سے نبرد آزما ہوئے۔ دونوں مجاہدین نے اپنے حریفوں کو ایک دو ضربوں میں تہ تیغ کر دیا۔

عتبہ اور عبیدہؓ نے ایک دوسرے کو کئی کاری ضربیں لگائیں۔ تب حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے آگے بڑھ کر عتبہ کو ہلاک کیا۔ اور عبیدہؓ کو اٹھا کر خیمے میں لے آئے۔ جو بُری طرح زخمی ہو چکے تھے۔

ان انفرادی حملوں کے بعد حملۂ عام شروع ہو گیا۔

Marfat.com

مہاجرین کے عزیز و رشتہ دار اُن کی تلواروں کے سامنے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی تلوار اپنے نورِ نظر کے مقابلہ میں بے نیام ہوئی۔ حضرت عمرؓ کی شمشیر اپنے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی۔ حضرت حذیفہؓ نے اپنے والد عقبہ کا جم کر مقابلہ کیا۔

محمدؐ مشرکین سے بہت قریب تھے۔ اور اُن کے جانثار اُن کے دائیں بائیں، آگے پیچھے لڑ رہے تھے۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ معاذ و معاذ دو جوان سال انصاریوں نے ابوجہل کو جہنم رسید کر دیا۔ آنحضورؐ کو اطلاع ہوئی تو فرمانے لگے:

"اللہ کے لیے حمد و شکر ہے۔ جس نے اپنا وعدۂ نصرت سچ کر دکھایا۔"

آدھے دن میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ قریش میدان چھوڑ کر بھاگے۔ اُن کے ستر اشخاص ہلاک ہوئے۔ جن میں گیارہ چوٹی کے سردار تھے۔ مثلاً عتبہ، شیبہ، اور ولید!

ستر قریش اسیر ہوئے۔ جنہیں رحمتِ عالم نے زرِ فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ یا پھر اُن کی رہائی کی یہ شرط لگائی۔ کہ وہ دس مسلمان انصار بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

اس جنگ میں صحابہ کرامؓ میں سے چودہ شہید ہوئے۔ ان میں سے چھ مہاجر تھے اور آٹھ انصار!۔

میدانِ بدر میں جو صحابہ شریک ہوئے۔ اُن کے بارے میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"جو شخص بدر میں حاضر ہوا وہ ہرگز جہنم میں نہ جائے گا۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

"اُن کے لیے جنت واجب ہو چکی ہے۔"

معرکۂ بدر کی اہمیت:

اس غزوہ میں فتح مند ہوتے ہی حضور سرورِ کائناتؐ نے عبداللہ بن رواحہؓ اور زید بن حارثہؓ کو اہلِ مدینہ کی سمت یہ مژدۂ جانفزا سنانے کے لیے مدینہ بھیج دیا۔ اہلِ مدینہ

Marfat.com

کو خوشخبری ملی تو وہ پھولے نہ سماتے تھے۔

- اس غزوہ پر تبصرہ کرتے ہوئے آنحضرتؐ نے خود فرمایا:

"یہ پہلی جنگ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو ذلیل و تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔"

- اس معرکے کے بارے میں اللہ رب العزت نے ایک سورۃ (سورہ الانفال) نازل فرمائی جس میں یوم بدر کو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کا معیار قرار دیا۔ نجاشی شاہ حبشہ کو اطلاع ملی تو اُس نے اس فتح عظیم پر اظہارِ مسرت کیا۔
- محمد بن جریر الطبری کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب مدینہ کے مسلمانوں کو اس فتح کی خوشخبری پہنچی تو اُن میں سے بعض محمدؐ کا استقبال کرنے کے لیے مقام روحا تک آئے اور آنحضورؐ کو مبارکباد پیش کی۔
- سیرۃ ابن ہشام کے مؤلف نے متعدد ہمعصر مسلم شعراء کے اشعار اپنی تالیف میں درج کیے ہیں جو انہوں نے فتح کی خوشخبری پر نظم کیے تھے۔
- علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں "کہ یہ معرکہ اسلام کی ترقی کا اولین قدم تھا۔ قریش کے تمام بڑے بڑے سردار، جن میں سے ایک ایک اسلام کی ترقی کی راہ میں سدِ آہن تھا، فنا ہو گئے۔"
- اسلم جیراج پوری "تاریخ الامت" میں لکھتے ہیں "یہ لڑائی درحقیقت شوکتِ اسلام کا سنگِ بنیاد تھی۔"
- عمر ابو النصر لکھتا ہے "اس جنگ سے یہ واضح ہو گیا کہ اسلام نے مسلمانوں کے اندر کس قدر عزم راسخ اور قربانی کا بے نظیر جذبہ پیدا کر دیا تھا۔"

****

Marfat.com

غزوۂ اُحد

۱۵ شوال ۳ھ ہجری

دوسرا بڑا معرکہ جو حق و باطل کے درمیان برپا ہوا۔ وہ غزوۂ اُحد[1] کہلاتا ہے۔ اس کے اسباب و وجوہ پر بھی پہلی نظر ڈالتے ہی اندازہ ہو جائے گا کہ یہ جنگ کفارِ مکہ کے جارحانہ عزائم اور پیروانِ دینِ حق کے دفاعی اقدام کی آئینہ دار ہے۔ اس کے اسباب یہ تھے۔

اسباب:

قریشِ مکہ کی سیاسی برتری اور فوجی قوت صدیوں سے مسلّم چلی آتی تھی۔ وہ عرب کے سرتاج، سرخیل اور سردار مانے جاتے تھے۔ جب بدر کے معرکے میں انہیں شکست ہوئی تو پورے عرب میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جس سے قریش کا وقار بہت کم ہو گیا۔ اسی وقار کو بحال کرنے کے لیے ابوسفیان کی زیرِ سرکردگی سال بھر اہالیانِ مکہ جنگ کی تیاری میں مشغول رہے۔ اور ابوسفیان کے کاروانِ تجارت کا سارا مال، جس میں سب اہالیانِ مکہ نے رقم لگائی تھی۔ جنگ کی تیاری اور فراہمی میں لگا دیا گیا۔

جنگِ بدر میں ستّر اکابرینِ قریش مارے گئے تھے۔ ان مقتولین کے رشتہ دار مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

عورتوں نے مردوں کو طعنے کوسنے دے کر جنگ کے لیے ابھارا۔ شعرا نے اپنی آتش نوائی

---

[1] ۔ مدینہ منورہ سے شمالی جانب قریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے (علامہ شبلی)
لیکن مولانا ابوالاعلیٰ صاحب نے تفہیم القرآن میں اس پہاڑ کا فاصلہ تقریباً مدینہ سے چار میل بیان کیا ہے۔

[2] ۔ سیرت ابن ہشام۔

Marfat.com

سے انتقام کی آگ کو زیادہ بھڑکا دیا۔ جن میں عمرو جمحی اور مسافع جیسے شعراء قابل ذکر ہیں۔

۳ھ میں آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے (جو ابھی اسلام نہ لائے تھے) حضورِ اکرمؐ کو اہلِ مکہ کی جنگی تیاریوں سے آگاہ کیا۔

اسی دوران آنحضرتؐ نے ایک قاصد تحقیقِ احوال کے لیے بھیجا جس نے اطلاع دی کہ کفارِ مکہ کا لشکر جو تقریباً تین ہزار جنگجو سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ مدینہ کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔

تب حضورِ اقدس نے صحابہ کرامؓ اور اہالیان مدینہ سے مشورہ لیا۔

اکابر صحابہؓ نے مدینہ میں محصور ہو کر لڑنے کا مشورہ دیا۔ لیکن نوجوانوں نے کھلے میدان میں لڑنے پر اصرار کیا۔ حضورؐ نے ان کے جوشِ ایمانی کی قدر فرمائی اور زرہ بکتر پہن کر ایک ہزار کا لشکر لے کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے۔ شوط کے مقام پر پہنچ کر عبداللہ بن ابی تین سو افراد کو لے کر کھسک گیا۔ اور مسلمانوں کی تعداد سات سو باقی رہ گئی۔ لیکن آنحضرتؐ کے آہنی عزم میں کوئی فرق نہ آیا۔ سات سو مجاہدین کو لے کر آگے بڑھے۔ کوہِ اُحد کو پسِ پشت رکھا۔ جہاں پچاس تیر اندازوں کا دستہ مقرر فرمایا[1] اور تاکید فرمائی کہ کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا۔ اگر تم دیکھو کہ ہماری بوٹیاں پرندے نوچے لیے جاتے ہیں، تب بھی تم اس جگہ سے نہ ہلنا۔"

مذکورہ بالا تمام حقائق پر دوبارہ نظر ڈالیے۔ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ظالم کون تھا اور مظلوم کون؟ جارحیت کا کون مرتکب تھا۔ اور کون سا گروہ محض سرگرمِ دفاع تھا۔

۱۵ شوال بروز شنبہ میدانِ کارزار گرم ہوا۔ آنحضرتؐ نے ایک جھنڈا حباب بن منذر کو دوسرا اسید بن حضیرؓ کو تیسرا علی بن ابی طالبؓ کو دیا۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ اور

---

[1] تاریخ طبری اور سیرت ابن ہشام۔

[2] اسی جنگ میں وحشی نے سیدنا حمزہؓ کو شہید کر دیا۔

حضرت ابو دجانہؓ نے اس معرکے میں خوب دادِ شجاعت دی۔ قریش کے بارہ علمبردار یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ جن میں سے آٹھ کو حضرت علی مرتضیٰؓ نے قتل کیا۔ آخری علمبردار کے قتل ہونے پر کسی کو جھنڈا اٹھانے کی ہمت نہ پڑی۔ مسلمانوں کی بہادرانہ شمشیر زنی اور صف شکن حملوں سے قریش بدحواس ہو کر بھاگے۔ مطلع صاف ہو گیا اور مشرکوں کی شکست میں کوئی شبہ باقی نہ رہ گیا۔

ادھر وہ تیر انداز جو کوہِ احد پر عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں درے پر مقرر تھے کثرتِ غنیمت لوٹنے اور کفار کا تعاقب کرنے کے شوق میں درے سے ہٹ گئے۔ خالد بن ولید نے پہاڑی کے عقب سے چکر کاٹ کر عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چار پانچ ساتھیوں کو شہید کر دیا۔ جو درہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اور مسلمان فوج کو دونوں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پانسہ پلٹ گیا۔[1]

کفارِ مکہ کے غیر متوقع حملے سے مسلمان مجاہدین خلاف توقع نرغے میں آ گئے اور کفارِ مکہ نے آنحضورؐ کی طرف اپنے حملے کا رخ کر دیا۔

وقت سخت نازک تھا۔ تلواریں بجلیوں کی طرح چمکیں۔ نیزے بارش کی طرح برسے۔ تیروں کی زبردست بوچھاڑ ہوئی۔ لیکن شمعِ رسالت کے پروانوں نے آنحضورؐ کے گرد حلقہ باندھ لیا حضرت ابو دجانہؓ نے اپنی پشت کو تیروں سے چھلنی کروانے کی سعادت حاصل کی۔ حضرت طلحہؓ نے اپنے ہاتھ پر دشمنوں کے وار سہے جو بے کار ہو گیا۔ قریش کے بہادر عبداللہ بن قمیہ نے آنحضرتؐ پر وار کیا تو امام عمارہؓ نے ابن قمیہ پر پے در پے تلوار کے وار کیے۔[2]

آخر حضور انورؐ اپنے چند جانثاروں سمیت اُحد پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اور اس شدت سے

---

[1] تاریخ طبری۔ اور سیرت ابن ہشام۔

[2] یہ سارا مواد صحیح بخاری اور ابن ہشام سے لیا گیا ہے۔

Marfat.com

دشمن پر پتھر برسائے۔ کہ دشمن پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا۔

اس جنگ میں فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ طرفین کا پلہ برابر رہا۔ گو مسلمانوں کا جانی نقصان کافی ہوا۔ کفار کے بیس آدمی ہلاک ہوئے اور ۷۰ مجاہدوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ مگر ایک لحاظ سے اس جنگ میں پلہ مسلمانوں کا بھاری تھا۔ کیونکہ ان کی تعداد تین ہزار کے مقابلہ میں صرف ۷۰۰ تھی۔ لیکن وہ اپنے سے چوگنی تعداد سے مغلوب نہ ہوئے۔

جنگِ اُحد پر تبصرہ :

الف :۔ اس جنگ کے اختتام پر ابوسفیان نے دعویٰ کیا تھا۔ یہ جنگ غزوۂ بدر کے برابر ہو گئی۔ یعنی ہم نے جنگِ بدر کا بدلہ لے لیا۔

لیکن تب ہی ہادیٔ برحق نے اس کے دعویٰ کی تردید کر دی تھی۔ اور فرمادیا تھا:

"نہیں برابر نہیں ہوئی..... کیونکہ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین دوزخ میں ہیں۔"

ب جنگِ احد کا سب سے نمایاں پہلو حضور سرورِ کائنات کے لیے مسلمان مجاہدین کی جان نثاری و فداکاری ہے۔ حضرت ابودجانہؓ نے اپنی پشت کو تیروں سے چھلنی کروا لیا۔ حضرت طلحہؓ نے اپنے ہاتھوں سے تلواروں کے وار روکے۔ حضرت انس بن نضرؓ جو شہید ہو گئے اُن کے جسم پر ستّر زخم تھے۔ حضرت سعد بن ربیعؓ زخموں میں دم توڑ رہے تھے۔ مگر زبان پر آخری الفاظ تھے "رسول اللہؐ کی خدمت میں میرا آخری سلام عرض کر دینا!" حضرت عمارۃ بن زیادؓ شہید ہوئے مگر کتنے خوش نصیب تھے کہ مرنے سے پہلے اپنے رخسار رسولِ کریمؐ کے تلووں سے لگا دیے۔

؎ سر بوقتِ ذبح اپنا اُس کے زیرِ پائے ہے
یہ نصیب، اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

؎ سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری۔

Marfat.com

خواتین اسلام بھی رسولِ اکرمؐ سے شیفتگی کے اظہار میں مردوں سے پیچھے نہ رہیں۔ ابن قمیہ جب رسولِ اکرمؐ پر حملہ آور ہوا تو حضرت اُم عمارہؓ نے اُس پر تلوار سے وار کیے جس پر ابن قمیہ نے انہیں بھی زخمی کر دیا۔

بنو دینار کی ایک خاتون کو معلوم ہوا کہ اس کا بھائی، باپ اور بیٹا تینوں جنگ میں شہید ہو گئے ہیں۔ مگر جب اس کی نگاہ حضور انورؐ کے چہرہ مبارک پر پڑی تو کہنے لگی،

"تمہارے سلامت رہ جانے کے بعد تمام مصیبتیں ہیچ ہیں۔"

غرض جنگ اُحد صحابہ کرام اور صحابیات کی جانثاری اور فداکاری کا ایک زرّیں باب ہے۔

ج۔ اُحد کی جنگ کے بارے میں دس مسلم شعراء نے اشعار کہے ہیں۔ جن میں کعب بن مالکؓ حسان بن ثابت اور عمر بن العاصؓ کے اشعار مقبولِ خاص و عام ہوئے۔

د۔ یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ مؤرخِ اسلام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کے الفاظ میں:

"اس جنگ کی نسبت عام طور پر مشہور ہے کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی لیکن یہ سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ مسلمانوں نے کفار کو اپنے سامنے سے بھگا دیا اور کفار شکست پا چکے تھے۔ بعد میں وہ پھر حملہ آور ہوئے۔ لیکن آنحضرتؐ اور مسلمانوں کے لشکر نے میدان نہیں چھوڑا۔ کفار ہی نے جنگ کو آئندہ سال پر ملتوی کر دیا۔ اور مسلمانوں نے اس التواء کو منظور کر لیا۔ میدان سے اوّل کفار، مکہ کی طرف چلے۔ حمراء الاسد میں مسلمانوں کے آنے کی

سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری۔

Marfat.com

خبر سن کر کفار ہی سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ مسلمان، کفار مقتولین کی نسبت زیادہ شہید ہوئے۔ اور یہ میدانِ جنگ کے معمولی واقعات ہیں۔"

۱۔ اب رہا یہ سوال کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو کیوں نقصان اٹھانا پڑا تو اس کے دو بنیادی اسباب تھے۔

اوّل سبب یہ تھا۔ کہ رسول اللہؐ نے جن تیر اندازوں کو درّے پر متعین فرما دیا تھا اُن میں سے بعض نے اپنا فرض ادا نہ کیا۔ اگر وہ حکم نبی سے انحراف نہ کرتے اور درّہ پر سے نہ ہٹتے تو اُحد کی فتح بدر کی کامیابی کو بھی مات کر دیتی اور اُحد کا دن یومِ بدر سے زیادہ شاندار و یادگار ہوتا۔

دوم۔ یہ چیز مسلمانوں کی پریشانی و تکلیف کا باعث بنی کہ انہوں نے دشمن کو میدانِ جنگ سے بھگانے پر اکتفا کر لیا۔ اور مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ حالانکہ مناسب یہ تھا۔ کہ دشمن کا اتنی دور تک تعاقب کیا جاتا کہ وہ دوبارہ مجتمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ نہ کر سکتے۔ پس انہیں اپنی کوتاہی کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ جس پر صحابہ کرام نے توبہ استغفار کر لی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں معاف کر دیا۔

Marfat.com

جنگِ احزاب

ذیقعدہ ۵ھ ہجری

جنگ بدر اور جنگ احد اگر قریشِ مکہ کے جارحانہ عزائم اور اسلام کو مٹانے کے ناپاک منصوبوں کی آئینہ دار تھیں تو جنگِ احزاب بنیادی طور پر یہودیوں کی ریشہ دوانیوں اور عیارانہ سازشوں کا شاخسانہ تھی۔

یہودیوں کی اسلام دشمنی کے اسباب یہ تھے:۔

۱۔ پورے عرب میں یثرب (مدینہ) اور خیبر دو مقامات تھے جہاں یہودِ عرب کی آبادی کافی تھی اور اثر و رسوخ بے پناہ تھا۔

مدینہ کو جب مسلمانوں نے اپنی دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا تو یہودی بہت گھبرائے اسلام کی روز افزوں قوت سے انہیں نہ صرف دینی اعتبار سے عناد تھا بلکہ انہیں یہ بھی کھٹکا تھا کہ مدینہ میں اُن کی معاشی اجارہ داری ختم ہو جائے گی۔ وہ جانتے تھے کہ قریشِ مکہ تجارت میں بڑے ماہر ہیں اور وہ جلد کاروبار پر چھا جائیں گے۔ پس انہوں نے صحابۂ کرام اور پیغمبرِ اسلام کی مخالفت شروع کر دی۔

۲۔ آنحضرتؐ نے ۲ھ میں یہود کو "میثاقِ مدینہ" کا پابند بنا دیا تھا۔ مگر یہودی قبائل نے اس عہد کو بار بار توڑا۔ اِسی عہد شکنی کی پاداش میں آنحضرتؐ نے پہلے بنی قینقاع کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا۔ اور پھر جنگِ اُحد کے بعد یہودی قبیلے بنو نضیر کو جلاوطنی کی سزا دی۔ یہ دونوں قبیلے یکے بعد دیگرے خیبر میں جا آباد ہوئے اور اب خیبر نبیِ اکرمؐ کے خلاف سازشوں کا مرکز بن گیا۔[1]

---

[1] تمام مواد سیرت ابن ہشام، طبری اور صحیح بخاری سے لیا گیا ہے (مصنف)

Marfat.com

۳- پھر یہودیوں کے متعدد سردار مثلاً حیی ابن اخطب اسلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع مکہ گئے۔ اور کفارِ مکہ کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے ابھارا۔ اور اُن سے جنگی معاہدہ کے لیے اپیل کی۔ قریشِ مکہ نے خوب بڑھ چڑھ کر مال و زر دیا۔

۴- یہ یہودی سردار بعد ازاں قبائلِ غطفان اور قبائلِ بنو کنانہ میں گئے اور اُن کی شاخوں مثلاً بنو سلیم۔ بنو فزارہ، بنو اشجع۔ بنو سعد۔ بنو مرہ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا دی۔

۵- اسلام دشمن عناصر نے خانہ کعبہ میں جا کر قسمیں کھائیں۔ کہ "جب تک زندہ رہیں گے مسلمانوں کی مخالفت سے منہ نہ موڑیں گے۔ اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہ چھوڑیں گے" اس سازش کو بالکل مخفی رکھا گیا۔

۶- گو اس سازش کے اصل محرک یہودی تھے۔ لیکن چونکہ قریشِ مکہ اور دوسرے متعدد قبائل ان کے ساتھ شریک ہو گئے، اس لیے اس حملے کو "معرکۂ احزاب" کا نام دیا گیا ہے۔

واقعات:

ذی قعدہ ۵ھ میں ابوسفیان چار ہزار قریش کا لشکر لے کر بڑے کرّ و فر سے روانہ ہوا۔ جس میں بنو نضیر اور بنو قینقاع کے یہودی قبیلے خیبر سے آ کر شریک ہوئے اور مرالظہران کے مقام پر بنو سلیم کی فوج اور کچھ فاصلے پر قبائلِ غطفان بھی آ کر اس لشکر میں شریک ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ اس لشکر کی کل تعداد چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) ہو گئی۔

جونہی آنحضرتؐ کو اس زبردست لشکر کے حملہ آور ہونے کی اطلاع پہنچی تو مجلسِ مشاورت منعقد فرمائی۔ جس میں طے پایا کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمنوں کے لشکروں سے مقابلہ کیا جائے ساتھ ہی حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے کو قبول کر لیا گیا کہ شہر کے ایک طرف خندق کی کھدائی کی جائے۔ باقی تین طرف سے پہاڑیوں کی وجہ سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔

Marfat.com

چنانچہ مدینہ کے ایک طرف (کوہِ سلع سے[1]) خندق کھودنے کے کام کا آغاز ہوا۔ بیس دن کی ان تھک کوششوں سے ۵ گز گہری خندق مسلمانوں نے باہم مل کر کھود ڈالی۔ خندق کھودتے اور پتھر توڑتے ہوئے اُن کی زبان پر صحابیٔ رسول ابن رواحہ کا یہ شعر تھا۔

اِنَّ الْاَعْدَاءَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا
اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

بے شک دشمن ظلم سے ہم پر چڑھ آئے ہیں۔ وہ فتنہ طراز ہیں جب کہیں فتنہ کی بات نہیں بھاتی۔

خندق کی کھدائی اور سرطرفہ سلسلہ کوہ سے بیضوی شکل کا ایک میدان بن گیا۔ یہی مسلمانوں کا قلعہ تھا۔

سالارِ اعظم ابوسفیان کی سرکردگی میں قریشِ مکہ، یہودِ خیبر، اور دوسرے مشرک قبائل کا یہ متحدہ لشکر جب مدینہ پہنچا۔ تو حیران رہ گیا کیونکہ اس سے پہلے وہ خندق سے ناآشنا تھے اور اس طریقہ جنگ سے بالکل بے خبر تھے۔

چند دنوں تک وہ دور سے تیروں کا مینہ برساتے رہے۔ لیکن جب کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوتا دیکھا تو انہوں نے عام حملہ کی تدبیر کی۔ ایک جگہ سے خندق کا پاٹ کم تھا۔ یہی مقام دشمنوں کے حملے کا مرکز ٹھہرا۔

عمر بن عبدود۔ نوفل۔ ضرار۔ ضبیرہ۔ گھوڑوں پر سوار خندق کے اس پار آنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے مردانہ وار مقابلہ کر کے عمر بن عبدِ وُدّ کو ہلاک کر دیا جسے آج تک کسی نے نہ پچھاڑا تھا۔ نوفل خندق میں گر گیا۔ حضرت علیؓ نے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ ضرار اور ضبیرہ ڈر کر بھاگ گئے۔ اور دن بھر کی شدید جنگ کے بعد کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

ادھر یہود کے تیسرے معاہد قبیلے بنو قریظہ نے مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔

---

[1] مدینہ کا ایک پہاڑ ہے۔ کذا فی القاموس۔

Marfat.com

اوسان میں سے ایک نابنجار نے مسلمان خواتین کے حفاظتی مکان پر (جو شاعرِ رسول جناب حسان بن ثابتؓ کی ملکیت تھا) حملہ کرنے کی ناکام کوشش کی لیکن حضرت صفیہؓ کی مدافعت سے وہ ہلاک ہوگیا۔ تب کسی یہودی کو اس سمت آنے کی جرأت نہ ہوسکی۔

ادھر نومسلم صحابی نعیم بن مسعودؓ نے آنحضورؐ کی اجازت سے یہود اور قریش میں پھوٹ ڈلوادی۔ محاصرے کی طوالت، موسم کی ناسازگاری، سامانِ رسد کی قلت نے کفار کو بہت پریشان کردیا۔ جب محاصرے کو ستائیس دن گزر گئے تو ایک رات خداوندِ عالم کے حکم سے نہایت تیز و تند ہوا چلی۔ کفار کے خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں، میخیں اکھڑ گئیں۔ چولھوں پر سے دیگچیاں گر گئیں اور حذیفہ بن الیمانؓ نے آکر خوشخبری سنائی کہ کفار کی لشکرگاہ خالی پڑی ہے اور وہ سب بھاگ گئے ہیں۔

جنگِ احزاب کی اہمیت:

یہودی قبائل، سردارانِ قریش اور تمام مشرک قبائل کی متحدہ قوت شکست کھا گئی۔ کفر کا علم سرنگوں ہوگیا۔ سرورِ کائناتؐ نے جنگ سے پہلے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ "یہ لوگ جو اس طرح متحد ہوکر حملہ آور ہوئے ہیں، جیسے ایک ہی کمان سے کئی تیر نکلے ہوں! لیکن آئندہ یہ لوگ کبھی مدینہ کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھ سکیں گے"[1]۔ بعد میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور قریش کو مدینہ پر حملے کا کبھی حوصلہ نہ ہوا۔ اس جنگ کے اختتام پر حضورؐ نے بڑی مسرت سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے یہ فرمایا:

"اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ وہ یگانہ ہے۔ جس نے اپنے لشکر کو غالب کیا۔ اور اپنے بندے کی مدد کی۔ اور جماعتِ کفار کو مغلوب کیا۔ خدا کے بعد کوئی طاقت نہیں ہے"[2]

---

[1] حبیبِ خدا (مولانا اشرف علی تھانوی) [2] صحیح بخاری۔

Marfat.com

غزوۂ بنو قریظہ

اس سے پہلے بنو نضیر (یہودی قبیلے) کے چند سرداروں مثلاً حی ابن اخطب نے قریشِ مکہ اور مشرک قبائل کے پاس جاکر انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور مرکزِ اسلام مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کر لیا۔ اس کے نتیجے کے طور پر کفار کے کئی لشکر ۵ھ میں مدینہ پر چڑھ دوڑے اور غزوۂ احزاب پیش آیا۔

اس غزوے کے دوران جب یہودیوں اور دوسری اسلام دشمن طاقتوں نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ بنو نضیر کا رئیس حی ابن اخطب، یہودی قبیلے بنو قریظہ کے رئیس کعب بن اسد کے پاس پہنچا اور اسے مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے اور جنگ لڑنے پر آمادہ کرنا چاہا لیکن اُس نے "میثاقِ مدینہ" کا پابند ہونے کی وجہ سے شروع میں معذرت کر دی۔ حی ابن اخطب نے اُسے قایل معقول کرتے ہوئے کہا "اے کعب! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ہم نے بہت سے قبائل کے بڑے بڑے لشکروں کو جمع کر لیا ہے۔ قریش اور بنو غطفان اپنے اپنے سرداروں کی سرکردگی میں شمشیر بکف ہیں اور یہ عزم لے کر آئے ہیں کہ مسلمانوں کی قوت کو ختم کر کے دم لیں گے۔"

تھوڑی سی ردوکد کے بعد کعب بن اسد زیرِ دام آگیا۔ اور کعب بن اسد اور حی ابن اخطب کے مابین خفیہ فوجی سمجھوتہ ہو گیا۔ حضور سرورِ کائنات کو اس سمجھوتے کی اطلاع ملی تو آپ نے کعب بن اسد کے پاس سابقہ معاہدے (میثاقِ مدینہ) کا پابند رہنے کی تاکید کی غرض سے ..... ایک وفد بھجوایا۔ جس کی سرکردگی قبیلۂ اوس کے رئیس سعد بن معاذ اور قبیلۂ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ کر رہے تھے۔ کعب بن اسد نے انصارِ مدینہ کے رؤساء اور اس وفد کے ساتھ انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا اور ناعاقبت اندیشی کے باعث یہاں تک کہہ دیا "جاؤ!

Marfat.com

ہم نہیں جانتے محمدؐ کون ہیں؟ ہمارا اُن سے ایسا کوئی معاہدہ نہیں جس کی پابندی ہم پر لازم ہو۔"

اب رسولِ اکرمؐ کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ عہد شکن بنو قریظہ کہیں حملہ آوروں کو مدینہ میں داخل ہونے کا راستہ نہ دے دیں اور مسلمانوں پر کوئی بڑی مصیبت نہ آن پڑے۔

اُدھر دورانِ جنگ آنحضرتؐ کے ایماء پر حسان بن ثابت کی حویلی میں مسلمان خواتین کو جمع کر دیا گیا تھا تاکہ اُن کی حفاظت کی کوئی دقت نہ رہے۔ اُن میں سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب بھی تھیں جنہوں نے ایک یہودی جاسوس کو حویلی کے اردگرد گھومتا ہوا دیکھ لیا اور حوصلے سے کام لے کر لاٹھی سے ہلاک کر دیا۔ اس پر یہودیوں کو اس سمت جانے کی دوبارہ ہمت نہ ہوئی۔ تاہم اُن کے ناپاک ارادے ظاہر ہو چکے تھے۔

جب معرکۂ احزاب میں شدید سردی اور طوفانِ باد و باراں کی تاب نہ لا کر قریشِ مکہ اور دوسرے مشرک قبائلِ مدینہ کا چھبیس ۲۶ روز تک کا محاصرہ کرنے کے بعد ناکام لوٹ گئے تو حضور اکرمؐ نے اذنِ خداوندی پا کر بنو قریظہ کی بستی کی طرف صحابہ کو روانگی کا حکم دے دیا اور حضرت علیؓ کو علمِ جنگ عطا فرمایا۔

یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح و صفائی کی بات چیت کرنے کی بجائے رسولِ اکرمؐ اور امہات المومنینؓ کی شانِ اقدس میں نازیبا کلمات کہے۔ اور جن محفوظ قلعوں پر انہیں بے حد ناز تھا۔ اُن میں پناہ گزین ہو کر مسلمانوں کے لشکر پر پتھراؤ اور تیر اندازی کرنے لگے۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے اس عزم و قوت سے اُن کا جواب دیا کہ پچیس ۲۵ دن بعد وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

سعدؓ بن معاذ کی تحکیم:

یہودیوں کے سابق حلیف قبیلہ اوس نے آنحضرتؐ سے بنو قریظہ کی جان بخشی کی درخواست

Marfat.com

کی لیکن آپ نے خود فیصلہ کرنے کی بجائے معاملہ انہی کے سردار سعد بن معاذؓ پر چھوڑ دیا۔ جن کی ثالثی کو یہود نے بھی بخوشی قبول کر لیا۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے یہود کی مجرمانہ بدعہدی کے پیش نظر فیصلہ فرمایا کہ،

"بنو قریظہ کے تمام لڑنے والے افراد کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے جائیں اور اُن کے مال و اسباب کو ضبط کر لیا جائے۔"

سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو قریظہ کے تمام نوجوانوں کے علاوہ بنو نضیر کے سردار حی ابن اخطب کا سر قلم کرنے کا حکم دیا کیونکہ بلاذری کی روایت کے مطابق اس نے اپنے قبیلہ (بنو نضیر) کی جلاوطنی کے موقعہ پر حضور سرورِ کائنات ؐ سے اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ آنحضرت ؐ کے خلاف کسی کی مدد نہ کرے گا۔ لیکن اُس نے سرے سے اپنے قول و قرار کا پاس نہ کیا اور تمام عرب کو انگیخت کر کے جنگِ احزاب برپا کر دی اور دورانِ جنگ بھی بنو قریظہ کو بھی بدعہدی پر آمادہ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔

غزوۂ بنو قریظہ کا تذکرہ سورۂ احزاب میں ہے اور قبیلۂ اوس کے سردار کے معقول فیصلے کا بھی وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

آنحضرت ؐ نے حضرت سعد بن معاذؓ کے اس فیصلے کو سُن کر ارشاد فرمایا تھا:

"اے سعدؓ تم نے یہ فیصلہ خدا کے حکم کے مطابق دیا ہے۔"

بعض مستشرقین نے حضرت سعد بن معاذؓ کے اس فیصلے پر انگشت نمائی کی ہے لیکن جنگِ احزاب کے دوران جب پورا عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا تھا بنو قریظہ نے "میثاقِ مدینہ" کا احترام نہ کیا جس کی پابندی اُن پر لازم تھی اور مسلمانوں کی مدد کرنے کی بجائے اُن کی پشت میں چھرا گھونپنے کی خوفناک تدبیر کی تھی۔ اُس کی نزاکت کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلے کی معقولیت ظاہر ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

صلح نامۂ حدیبیہ

سنہ ۶ھ ماہ ذی قعدہ میں آنحضرتؐ کو عالمِ خواب میں زیارتِ خانۂ کعبہ کا اشارہ ہوا چنانچہ آپ عمرے کی غرض سے مدینہ کی سمت روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ چودہ پندرہ سو زائرین بھی ہو گئے۔ یہ مقدس کاروان مکہ معظمہ سے ایک منزل دور حدیبیہ کے مقام پر آ رکا۔ قریشِ مکہ کو شک گزرا کہ مسلمانوں کا اغلباً مقصد مکہ پر حملہ کرنا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کئی وفود بھجوائے تاکہ مسلمانوں کی اصل نیت کو بھانپ سکیں۔

سب سے پہلے قبیلہ خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقا آنحضورؐ سے ملنے آیا۔ اور اُس نے پوری طرح اطمینان کر کے قریش کو سمجھایا۔ کہ مسلمانوں کا مقصد صرف زیارتِ خانۂ کعبہ ہے۔

پھر احابیش کے سردار حُلیس نے صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ اور آنحضورؐ سے ملاقات کے بعد جا کر قریش کو رائے دی۔ کہ مسلمان عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ اس لیے مناسب نہیں کہ انہیں طوافِ کعبہ سے روکا جائے۔

قبیلہ ثقیف کے ایک جہاندیدہ شخص عروہ بن مسعود ثقفی نے مسلمانوں سے گفت و شنید کے بعد جا کر قریش کو بتلایا۔ "محمدؐ پر اُن کے ساتھی جان و دل سے فدا ہیں۔ اور قیصر و کسریٰ کو بھی اپنے جانثاروں میں اتنی قدر و منزلت حاصل نہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو عمرے سے مت روکو۔" مگر ان تمام وفودِ قریش کی یقین دہانیاں اہلِ مکہ پر بے اثر رہیں۔

اس مرحلے پر آنحضورؐ نے اپنی طرف سے بھی وفود بھجوائے۔ سب سے پہلے خراشؓ بن اُمیہ کعبی کو بھجوایا گیا۔ جس سے اہلِ قریش نے ناپسندیدہ رویہ اختیار کیا۔ پھر آنحضورؐ نے عثمانؓ بن عفان کو بھیجا۔ تاکہ وہ ابوسفیان اور رؤسائے قریش سے مفاہمت کی بات کریں۔ انہیں واپسی میں قدرے تاخیر ہوئی۔ کسی نے افواہ اڑا دی۔ کہ حضرت عثمانؓ کو اہلِ مکہ نے شہید کر دیا ہے اس پر صحابہ کرام قصاص کے لیے آمادہ ہوئے۔ اور آنحضرتؐ نے اپنے رفقاء سے بیعتِ جہاد (بیعتِ رضوان) لی۔ یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ ہم سب موت کو فرار پر ترجیح دیں گے" مسلمان بیعت کر چکے تو حضرت عثمانؓ بخریت لوٹ آئے۔ اس پر چمکتی ہوئی تلواریں نیام میں کر لی گئیں۔

ادھر قریش کا آخری سفیر سہیل بن عمرو مصالحت کی غرض سے آیا۔ کافی ردوکد کے بعد قریش نے مسلمانوں سے مندرجہ ذیل شرائط پر معاہدہ کر لیا۔ جو صلح نامہ حدیبیہ کہلاتا ہے۔

شرائطِ صلح:

- اے اللہ! تیرے نام سے!
- یہ وہ معاہدہ ہے۔ جو حضرت محمدؐ ابن عبداللہ اور سہیل بن عمر کے درمیان قرار پایا۔
- ان دونوں نے اس بات پر صلح کر لی ہے۔ کہ دس سال تک جنگ روک دی جائے۔
- قریش کا کوئی آدمی اگر بلا اجازت مدینہ چلا جائے۔ تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی مسلمان مکہ میں آجائے۔ تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔
- ہمارے درمیان نزاع موقوف رہے گا۔ نہ تلوار اٹھائی جائے گی۔ اور نہ ہی خیانت کی جائے گی۔
- جو محمدؐ کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہو۔ وہ ایسا کر سکے گا اور جو قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہو۔ وہ بھی ایسا کر سکے گا۔
- اس سال محمدؐ واپس چلے جائیں۔ مکہ میں داخل نہ ہوں۔ اور جب آئندہ سال

آئیں تو اُن کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت ہوگی۔

- تب وہ مع اپنے اصحاب کے تین دن تک قیام کر سکیں گے۔
- البتہ مسلمان سامانِ حرب ہمراہ نہ لائیں گے۔ تلواریں اگر ساتھ ہوں گی، تو وہ نیام میں ہوں گی۔

مورخ طبری کی روایت کے مطابق اس معاہدے کی اصل تحریر (ORIGINAL) حضورِ اکرمؐ کے پاس رہی۔ اور نقل سہیل بن عمرو کے سپرد کر دی گئی۔ معاہدے کی دستاویز کے کاتب حضرت علیؓ تھے۔ اس پر قریش کی طرف سے مکرز بن حفص اور حویطب بن عبدالعزیٰ گواہ بنے۔ اور مسلمانوں کی جانب سے۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ بن ابی طالب، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، عبداللہ بن سہیلؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ شاہد قرار پائے۔

عہد نامے کی تحریر کے بعد آنحضرتؐ نے حدیبیہ کے مقام پر ہی قربانی دی جس کی صحابہ کرام نے بھی پیروی کی۔ اس سال آنحضرتؐ عمرہ کیے بغیر واپس تشریف لے آئے۔ لیکن اگلے سال شان و شوکت سے آنحضرتؐ نے عمرۃ القضاء ادا فرمایا۔ قریش کے مرد و زن کوہ ابوقبیس کے دامن میں شرم و ندامت سے جا چھپے۔ اور قرآنِ عظیم کی پیش گوئی ٹھیک ٹھیک پوری ہوئی۔

"ان شاء اللہ تم مسلمان مسجدِ حرام میں کسی خوف و خطر کے بغیر اطمینان سے داخل ہوگے۔"

صلحِ حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی صلح جوئی اور اس سال اسلام کی عظمت و شوکت دیکھ کر خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ ایمان لے آئے۔ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اور سیّد المرسلینؐ کے مکہ میں فاتحانہ داخلے کے لیے راہ ہموار ہو گئی۔

صلح نامۂ حُدَیبیہ کی اہمیت:

- اللہ جلّ شانہٗ نے سورۂ فتح نازل فرمائی۔ اور اس معاہدے کو فتحِ مبین، اور نصرِ عزیز

قرار دیا۔

▲ حضرت براء بن عازب کہا کرتے تھے۔ تم لوگ مکہ کی فتح کو کامیابی سمجھتے ہو۔ گو وہ فتح ہی ہے۔ لیکن ہم (صحابۂ کرام) تو صلحِ حدیبیہ کو فتح کہتے ہیں[1]

▲ محدثین لکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں اور کافروں کا آپس میں میل جول ہوا تو اسلام کی تعلیمات پھیلنے لگیں۔ اور اس کثرت سے لوگ ایمان لائے۔ جو پہلے اٹھارہ برس کی مدت میں نہ لائے تھے۔

▲ امام زہری فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ سے بڑھ کر اس سے پہلے اسلام میں کوئی فتح نہیں ہوئی۔ جس شخص میں تھوڑی بہت عقل تھی۔ وہ اسلام ضرور قبول کر لیتا تھا[2]

▲ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ امام زہری کے اس قول کی دلیل یہ ہے۔ کہ جب حضور حدیبیہ تشریف لائے۔ تو آپ کے ساتھ چودہ سو آدمی تھے۔ مگر اس کے دو ہی برس بعد جب فتح مکہ ہوئی۔ تب آپ کے ساتھ دس ہزار قدسی صفت انسان تھے۔ صلحنامۂ حدیبیہ کے بعد جو لوگ ایمان لائے۔ ان میں خالد بن ولید (فاتحِ شام اور عمرو بن العاص (فاتحِ مصر) جیسی عظیم ہستیاں شامل ہیں۔ اور ان کا اسلام اسی زمانے کی یادگار ہے۔

▲ اسی ضمن میں شمس الائمہ علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ مدینہ۔ مکہ اور خیبر کے درمیان واقع تھا۔ اس زمانے میں اگر مسلمان مکہ پر حملہ کرتے تو ڈر تھا۔ کہ خیبر کے لوگ مدینہ پر نہ چڑھ دوڑیں۔ اور اگر مسلمان خیبر پر حملہ آور ہوتے تو اندیشہ تھا۔ کہ مکہ والے آکر مدینہ پر چڑھائی نہ کر دیں۔ اس لیے سیاست دانی کا تقاضا یہ تھا۔ کہ کسی ایک دشمن سے صلح کر لی جائے۔ سو حضور اکرمؐ نے قریش سے صلح کر کے بڑی دانش مندی

---

[1] صحیح بخاری۔ [2] سیرت ابن ہشام۔

Marfat.com

کا ثبوت دیا۔ اور کم از کم ایک دشمن کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہو گئے۔

▲ محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں: "کہ حدیبیہ میں کافروں نے اسلام کی نوزائیدہ مملکت کی آئینی حیثیت کو اصولی طور پر تسلیم کر لیا۔

▲ علامہ شبلی فرماتے ہیں؟

"حدیبیہ کی صلح کو خدا نے فتح کہا ہے۔ لیکن احسام کی نہیں تلوب کی۔ اسلام کو اپنی اشاعت کے لیے امن درکار تھا۔ وہ اسے حاصل ہو گیا۔

▲ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب اپنی تالیف "رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی" میں لکھتے ہیں،

"قریش کا اس صلح پر آمادہ ہو جانا اسلامی سیاستِ خارجہ کی ایک واقعی فتحِ مبین اور نصرِ عزیز تھی۔ جس کے باعث اُن کے ہاتھ کھل گئے اور فوری خطرات سے نجات ملنے پر انہوں نے آزادی کے ساتھ تین ہی سال میں پُرامن ذرائع سے اپنی مملکت کو قفر بنا دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنا مطیع بنا لیا۔ یہی وہ صلحِ حدیبیہ ہے جسے عہدِ نبوی کی سیاستِ خارجہ کا شہکار کہنا چاہیئے۔"

▲ نعیم صدیقی صاحب "محسنِ انسانیت" میں لکھتے ہیں:

"یہ تھا وہ تاریخی معاہدہ! جو اپنے نتائج کے اعتبار سے بجائے خود فتحِ عظیم کی حیثیت رکھتا تھا اور جس تک قریش کو لانے، اور اس سلسلے کے جملہ پُرپیچ مراحل کو طے کرنے میں حضورِ انورؐ نے ایسی سیاست حکمت اور قائدانہ بصیرت کا مظاہرہ کیا۔ جس سے بعد والوں کو تاقیامت رہنمائی ملتی رہے گی۔ یہ مصالحت حضورؐ کی سیاست کاری کا ایک بے مثال شہکار ہے۔"

لہ المبسوط۔ سلہ سیرت الرسول (صفحہ ۸۰۴)

Marfat.com

باب دوازدھم

معاصر سلاطین کے نام خطوط

عالمی تبلیغ کی ابتدا :

بلاشبہ سرورِ عالم محمد مصطفیٰ تمام بنی نوع انسان کے لیے ہادی و رہنما بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے۔

قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ	اے پیغمبر کہہ دو۔ اے انسانو! میں
اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ۝	تم سب کی طرف اللہ کا فرستادہ ہوں۔
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً	اے محمدؐ ہم نے تجھے تمام افرادِ نسل انسانی
لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۝	کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے
	والا بنا کر بھیجا ہے۔

۶ھ میں جب حضور انور کو قریش مکہ کے حملوں سے ایک گونہ فرصت ملی۔ تو انہوں نے معاصر بادشاہوں اور امراء کو دعوتی خطوط ارسال فرمائے۔ یہ سارے خطوط حدیبیہ کی صلح کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے بھجوائے گئے۔ اس لیے مورخین ۶ھ میں ان خطوط کی ترسیل کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ہرقل قیصرِ روم کے نام مکتوب نبوی :

اس دور کی عظیم ترین عیسائی حکومت بزنطینی سلطنت تھی جس کے رئیس اعظم قیصر روم کو دعوتی مراسلہ دحیہ بن خلیفہ کلبی صحابیٔ رسول کے ہاتھ بھجوایا گیا۔ جو اس نے آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل میں گورنر بصریٰ کے حوالے کر دیا۔ گورنر بصریٰ نے یہ مکتوب قیصرِ روم کے پاس بیت المقدس بھیج دیا۔ خط کا متن یہ تھا:

Marfat.com

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ..... یہ خط محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے ہرقل کی جانب ہے۔ جو عظیم الروم ہے۔ سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی اتباع کرے۔ میں تجھے اسلام کے کلمۂ طیبہ کی دعوت دیتا ہوں۔ دینِ اسلام قبول کر لے تمام آفتوں سے محفوظ رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تجھے دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر تو روگردانی کرے گا۔ تو تیری رعایا کا وبال تیری گردن پر رہے گا۔" اے اہل کتاب اس بات پر آؤ۔ جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب یا معبود نہ بنائیں۔ پس اگر وہ اسلام قبول نہ کریں۔ تو آپ کہہ دیجئے۔ کہ ہم خدا کے فرمانبردار بندے ہیں"

قیصرِ روم نے خط سنتے ہی حکم دیا۔ کہ عرب تاجروں کا جو قافلہ آیا ہو۔ اُسے پیش کیا جائے۔ چنانچہ ابوسفیان نے قیصرِ روم کے دربار میں حاضر ہو کر بادشاہ کے چند سوالات کے جوابات دیے جس پر قیصرِ روم آنحضرتؐ کی نبوت کا قائل ہو گیا۔ اور آخر کار اس قافلے کے شرکاء کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"میں نے اول تم سے اُن کا نسب دریافت کیا۔ تم نے کہا وہ نہایت عالی نسب اور شریف خاندان سے ہیں۔ بے شک انبیاء ایسے ہی خاندان میں مبعوث ہوتے ہیں جو حسب و نسب میں سب سے افضل ہو۔

پھر میں نے تم سے یہ دریافت کیا۔ کہ اُن کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔ تم نے کہا نہیں۔ اگر اُن کے خاندان میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں یہ سمجھتا۔ کہ محمدؐ اپنے باپ دادا کا ملک حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے تم سے یہ دریافت کیا۔ کہ تم نے اُن کو جھوٹا تو نہیں پایا۔ تم نے کہا نہیں۔ جس سے میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں۔ کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ کہ جو شخص بندوں پر جھوٹ نہ باندھے۔

Marfat.com

وہ اللہ پر جھوٹ باندھے۔

میں نے تم سے اُن کے پیروکاروں کے بارے میں دریافت کیا۔ تم نے کہا کمزور اور غریب لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ بے شک حضرات انبیاء کے اتباع کرنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

میں نے تم سے پوچھا۔ کہ اُن کے پیروکار بڑھتے ہیں یا گھٹتے ہیں۔ تم نے کہا بڑھتے جاتے ہیں۔ بے شک اہلِ ایمان کا یہی حال ہوتا ہے۔

میں نے تم سے پوچھا۔ کہ اُن کے دین میں کوئی شخص داخل ہونے کے بعد مرتد بھی ہو جاتا ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ بے شک ایمان کا یہی حال ہے۔ جب اس کی شیرینی جلاوت اور لذت دلوں میں سما جائے تو پھر کسی طرح نہیں نکلتی۔

میں نے تم سے دریافت کیا۔ کہ وہ بدعہدی کرتے ہیں؟ تم نے کہا نہیں۔ بے شک پیغمبروں کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ بدعہدی نہیں کرتے۔

میں نے تم سے لڑائی کے متعلق دریافت کیا۔ تم نے کہا کبھی ہم غالب اور کبھی وہ غالب۔ بے شک انبیاء اور ان کے رفقاء کے ساتھ ابتداء اللہ کا ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔ کبھی وہ غالب ہوتے ہیں اور کبھی مغلوب۔ تاکہ انبیاء کے متبعین کے صدق و اخلاص کا امتحان ہوتا رہے۔ لیکن انجام کا غلبہ اُن ہی کو حاصل ہوتا ہے۔

دلائلِ قاطعہ اور کتبِ سابقہ کی رہنمائی میں قیصرِ روم پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ آنحضورؐ نبی برحق ہیں۔ لیکن مذہبی پیشواؤں، درباریوں اور رعیت کے مخالفت کے ڈر سے وہ ایمان نہ لا سکا۔

معجم طبرانی میں ہے: کہ قیصرِ روم نے دحیہ کلبی کو اپنے پاس بلایا اور کہا

"میں خوب جانتا پہچانتا ہوں کہ آنحضورؐ نبی برحق ہیں۔ لیکن اسلام قبول کروں تو میری سلطنت جاتی رہے گی۔ اور لوگ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔

شرح شفا میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کا یہ نامہ مبارک اب تک ایمن کے بادشاہوں

کے پاس موجود ہے۔ وہ اس کی عزت و تکریم کرتے ہیں۔ ایک سفری صندوق میں حفاظت سے رکھتے ہیں۔ اور نسلاً بعد نسل اس کی نگہداشت کی وصیت کرتے آتے ہیں۔

معلوم رہے کہ شاہانِ اسپین قیصر روم کی اولاد میں سے ہیں۔ اور یہ نامہ مبنوی ہرقل کے وقت سے اب تک محفوظ چلا آتا ہے۔

مکتوبِ نبویؐ بنام نجاشی:

قیصر روم کی بزنطینی سلطنت کے زیر اثر، فرمانروائے حبش، اصحمہ بن الجبر کی حکومت تھی۔ جس کا لقب نجاشی تھا۔ اُس نے پندرہ سال پہلے، مسلمانوں کو اپنے ملک میں پناہ دی تھی۔ اس کے پاس عمرو بن اُمیہ الضمری، حضور انورؐ کا مکتوب گرامی لے کر گئے (یہ واحد سفارت تھی۔ جو سمندر پار بھجوائی گئی) مکتوب کے الفاظ یہ تھے۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم: محمد اللہ کے رسول کی جانب سے، نجاشی شاہ حبشہ کی طرف۔ سلام ہو تجھ پر! اما بعد میں حمد و ثنا کرتا ہوں۔ اُس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی حقیقی بادشاہ ہے۔ تمام عیبوں سے پاک ہے۔ امن دینے والا ہے۔ اور سب کا نگہبان ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ عیسیٰ ابن مریمؑ۔ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف القا کیا۔ پس وہ حاملہ ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی روح اور نفخ سے پیدا کیا۔ جیسے آدمؑ کو بلا ماں باپ اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا کیا تھا۔ میں تجھ کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔" (ترجمہ)

نجاشی نے آپ کے "والا نامہ" کو آنکھوں سے لگایا۔ تخت سے اُتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اپنے عمائدین سمیت اسلام قبول کیا۔ اس نے آنحضورؐ کے مکتوب کا جواب بھجوایا۔ اور ایک وفد حضورؐ کی خدمتِ عالیہ میں بھیجا۔ جس کی قیادت اُس کا فرزند ارجمند ارہا بن اصحمہ کر رہا تھا۔ جب یہ وفد مدینہ منورہ پہنچا۔ تو حضور انورؐ نے بنفسِ نفیس اس وفد

Marfat.com

مان داری اور پذیرائی فرمائی۔ اریاہا بن اصحمہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اور مدینہ میں مقیم ہو گیا محمد بن الجبر کچھ عرصہ بعد فوت ہو گیا، تو نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔

نبی اکرمؐ کا یہ دعوتی خط حبشہ کے حکمرانوں یعنی نجاشی خاندان کے پاس آج تک محفوظ لا آتا ہے۔

مکتوبِ نبویؐ بنام مقوقس مصر:

مصر و اسکندریہ کے عیسائی بادشاہ کے پاس آنحضورؐ کے قاصد حاطب بن ابو بلتعہ حضورؐ کا مراسلہ لے کر گئے۔ مصر اس وقت ایک بہت بڑی عیسائی ریاست تھی۔ مکتوب کے الفاظ یوں تھے:

"محمدؐ اللہ کے بندے۔ اور اس کے رسول کی جانب سے مقوقس عظیم قبط کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرے تو سلامت رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دُہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر تو نے اس دعوت سے اعراض کیا۔ تو تمام قبطیوں کے حق کو قبول نہ کرنے کا گناہ تجھ پر ہو گا۔

"اے اہلِ کتاب آؤ! ایسی سیدھی بات کی طرف، جو ہمارے تمہارے مابین مسلّم ہے۔ وہ یہ کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔ اور ہم خدا کے ماسوا انسانوں کو اپنا معبود نہ بنائیں۔ پس اگر وہ اعراض کریں۔ تو کہہ دو۔ کہ گواہ رہو۔ کہ ہم اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں۔ (ترجمہ)

مقوقس کے دل پر آنحضرتؐ کے اس دعوتی خط کا گہرا اثر پڑا۔ اس نے جواباً اپنے خط میں عرض کیا:

Marfat.com

"میں ضرور جانتا تھا۔ کہ ایک نبی مبعوث ہوگا۔ مگر میرا گمان تھا۔ کہ شاید وہ مُلکِ شام میں پیدا ہو"۔

اگرچہ اس نے دعوتِ اسلام کو قبول نہ کیا۔ مگر اُس نے دو کنیزیں اور ایک خچر بھیج کر خیر سگالی اور اطاعت گزاری کے جذبات کا اظہار کیا۔

مورخین لکھتے ہیں، کہ مقوقس نے آنحضورؐ کے مکتوبِ گرامی کو ایک ہاتھی دانت کے ڈبے میں محفوظ کر لیا تھا۔

کسریٰ ایران کے نام دعوت نامہ:

اس دور کی ایک عظیم مملکت ایرانیوں کی تھی۔ حضور پاکرمؐ نے عبداللہ بن حذافہ السہمی کو خسرو پرویز کے کلاہِ ایران کی طرف اپنا مکتوب دے کر روانہ فرمایا۔ جس کے الفاظ یہ تھے،

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، من جانب محمد رسول اللہ۔ بجانب کسریٰ شاہِ فارس!

سلام ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اور گواہی دے۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ میں تجھ کو اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق اس دین کی دعوت دیتا ہوں۔ کہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ تاکہ زندہ دلوں کو ڈراؤں۔ اور کافروں پر اللہ کی حجت پوری کروں۔ تو اسلام قبول کر لے۔ سلامت رہے گا۔ اور اگر تو نے رُوگردانی کی۔ تو تمام مجوس کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ (ترجمہ)

اس مکتوب کا عنوان، اور انداز خطاب دیکھتے ہی خسرو پرویز نے نامہ مبارک پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور اپنے یمن کے گورنر کو حکم دیا۔ کہ نبی اکرمؐ کو گرفتار کر لیا جائے۔ آنحضرتؐ کو تو فرمایا "اُس نے اپنی سلطنت کو چاک چاک کر دیا ہے۔ اور دنیا نے دیکھا۔ کہ بہت جلد آنحضرتؐ کی پیشین گوئی کے عین مطابق، سلطنتِ ایران ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مغلوب ہو گئی۔ گستاخ

Marfat.com

خسرو پرویز کو اس کے لڑکے شیرویہ نے قتل کر دیا۔ اور تخت و تاج کا مالک بن بیٹھا۔ اُس نے یمن کے گورنر باذان کو حکم بھیجا۔ کہ میرے والد نے آنحضرتؐ کو گرفتار کرنے کا جو حکم دیا تھا۔ اُسے منسوخ سمجھا جائے۔ اور تاکید کر دی۔ کہ لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لو۔ اور محمدؐ کو بُرا بھلا نہ کہو۔ اگرچہ شیرویہ ایمان نہ لایا۔ لیکن اس کا یمنی گورنر باذان ایمان لے آیا۔ اور وہ ایرانی جو یمن کے صوبے میں تھے مسلمان ہو گئے۔

چھوٹی ریاستوں کے حکّام کے نام مکتوباتِ نبویؐ :

ان چار بڑے بادشاہوں کے علاوہ، آپ نے مختلف امراء و روساء کو مراسلات بھجوائے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی تلقین کی۔ جن میں سے۔ بحرین۔ عمّان۔ یمامہ۔ غسان کے رؤساء کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اول الذکر ریاستوں کے حکّام آنحضورؐ پر ایمان لائے۔ اور ثانی الذکر دونوں امراء نے انکارِ نبوّت کیا۔

ا۔ امیر بحرین مُنذر بن ساوی کے پاس علاء بن حضرمی مراسلہ نبوی لے کر گئے۔ منذر نے دینِ اسلام قبول کر لیا۔ اور آنحضرتؐ کے سفیر کو مخاطب کر کے کہا:

"میں جس دین پر تھا۔ میں نے اُس میں غور کیا۔ تو اُسے فقط دنیا کے لیے پایا۔ آخرت کے لیے نہیں۔ اور تمہارے دین میں غور و فکر کیا۔ تو اُس کو دنیا اور آخرت دونوں کے لیے پایا۔ پس مجھے اس دین کے قبول کرنے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔؟ کہ جس کے قبول کرنے سے زندگی کی تمنائیں بر آتی ہیں۔ اور موت کی راحت حاصل ہوتی ہے۔ اب تک میں اس شخص پر تعجب کرتا تھا۔ جو دینِ اسلام قبول کرے۔ اور اب اُس پر تعجب کرتا ہوں۔ جو اس دینِ برحق کو قبول نہ کرے۔"

ب آنحضورؐ نے عمرو بن عاصؓ کو جبد اور جیفر دونوں بھائیوں کے نام نامۂ مبارک دے کر بھیجا۔ جو ریاست عمّان کے سیاہ و سپید کے مالک تھے۔ عمرو بن عاصؓ کی پہلے جبد سے

Marfat.com

ملاقات ہوئی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ محمدؐ اللہ عزوجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔ اور اُس کی نافرمانی سے منع فرماتے ہیں۔ بھلائی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ ظلم و زیادتی، زناکاری اور شراب خوری، بُت پرستی اور صلیب پرستی سے منع فرماتے ہیں۔ تو وہ پکار اٹھا۔ "کیا ہی اچھی دعوت! اور کتنی عمدہ نصیحت ہے"۔ پھر عبد عمرو بن عاص کو اپنے بھائی جیفر کے پاس لے گیا جس نے ایک دو روز غور و فکر کے بعد اپنے بھائی عبد کے ہمراہ قبولِ اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کا اُن کی رعایا پر بھی خوشگوار اثر پڑا۔ اور وہ اسلام کی دعوت پر متوجہ ہو گئے۔

ج۔ رئیسِ یمامہ ہوذہ بن علی کے پاس سلیط بن عمرو عامری مکتوبِ نبوی لے کر پہنچے۔ ہوذہ نے سوچ بچار کے لیے مہلت مانگی۔ بعد ازاں آنحضورؐ کے والا نامہ کا یہ جواب بھجوایا:

"جس چیز کی طرف آنجناب دعوت دیتے ہیں۔ وہ کیا ہی خوب ہے۔ اور کیا ہی بہتر ہے۔ عرب میرے دبدبے اور مرتبے سے ڈرتے ہیں۔ مجھے کچھ خصوصی اختیارات دے دیجئے۔ میں اس صورت میں آپ کا اتباع کروں گا۔"

آنحضورؐ کے پاس حضرت سلیط جواب لائے۔ تو حضورِ اکرمؐ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! ہوذہ بن علی اگر ایک بالشت زمین بھی مانگے گا۔ تو نہ دوں گا۔ ان شاء اللہ ہوذہ بھی ہلاک ہو گا۔ اور اُس کا مُلک بھی غارت ہو جائے گا۔ مسلمان مورخین لکھتے ہیں۔ کہ آنحضورؐ کی یہ پیش گوئی، حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔

د۔ امیرِ دمشق حارث غسانی کے پاس شجاع بن وہب، نبی اکرمؐ کا مراسلہ لے کر پہنچے۔ حارث، نبی اکرمؐ کا مکتوبِ عالی دیکھ کر برہم ہو گیا۔ اور کہنے لگا:

"کون ہے۔ وہ جو میرا ملک مجھ سے چھین لینے کا خیال رکھے۔ میں خود ہی فوج کشی کرنے والا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اُس نے فوج کو تیار ہو جانے کا حکم دیا۔ اور قیصرِ روم کے نام

Marfat.com

ایک خط روانہ کر دیا۔ قیصرِ روم کا جواب آیا۔ کہ تم فوج کشی کا ارادہ چھوڑ دو۔ اس پر حارث غسانی اپنے ارادے سے باز رہا۔ آنحضورؐ کو شجاع بن وہب نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا۔ اُس کا ملک جاتا رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور حضور سرورِ کائناتؐ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

مُراسلاتِ نبویؐ کے ہمہ گیر اثرات:

۱۔ سرورِ دو عالمؐ نے معاصر سلاطین کو خطوط بھجوا کر یہ واضح کر دیا۔ کہ اُن کی دعوت صرف اہلِ عرب کے لیے نہیں۔ بلکہ تمام عالمِ انسانیت کے لیے ہے۔

۲۔ آنحضرتؐ کے اِن خطوط کا مجموعی اثر بہت اچھا رہا۔ شاہِ حبشہ نجاشی۔ امیر بحرین اور عمان کے رؤسا نے اسلام قبول کر لیا۔ اگرچہ قیصرِ روم اور مقوقس مصر نے اسلام قبول نہ کیا۔ لیکن انہوں نے مصالحت و مسالمت کا رویہ اختیار کیا۔

۳۔ ان تمام ممالک کی رعایا میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ اور لوگ تحریکِ اسلامی سے تیزی سے متاثر ہونے لگے۔

۴۔ جن ممالک کے فرمانرواؤں نے اسلام قبول نہ کیا۔ اُن پر اتمامِ حجت ہو گیا۔ البتہ اُن کی رعایا اسلام کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے غور و فکر کرنے لگی۔

۵۔ آنحضرتؐ کے ان خطوط کے پہنچنے سے معاصر ملوک و سلاطین پر یہ گہرا نفسیاتی اثر پڑا کہ مسلمان اب ایسی زبردست قوت بن چکے ہیں۔ جسے کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔

نعیم صدیقی کے الفاظ میں:

"دعوت کے علاوہ، ان خطوط کا ایک بڑا مقصد یہ تھا۔ کہ آس پاس کے حکمرانوں کو یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہو جائے۔ کہ اب عرب پہلے کی طرح کوئی کھلی چراگاہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک باضابطہ حکومت کے زیرِ نظام ہے۔

Marfat.com

غزوۂ خیبر

محرم الحرام ۷ھ ہجری

غزوۂ احزاب کے اسباب و وجوہ پر گفتگو کرتے ہوئے ہم نے اس نکتے کی وضاحت کی تھی کہ گو قریشِ مکہ، مشرک قبائل اور یہود متحد ہو کر مسلمانوں کے مرکز مدینۃ الرسول پر حملہ آور ہوئے تھے، لیکن اس میں یہودی فتنے کی جڑ تھے۔

یہ یہود عرب وہ تھے۔ جنہوں نے پہلے پہل "میثاقِ مدینہ" کا پیمان باندھا تھا۔ اور یہ عہد کیا تھا۔ کہ مدینہ پر حملہ کرنے والے گروہ کا مسلمانوں سے مل کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن اُن کے ایک قبیلے بنو قینقاع نے اس عہد سے انحراف کیا جس کی پاداش میں وہ جلاوطن ہوئے۔ پھر یہود کے دوسرے قبیلے بنو نضیر نے ۴ھ میں اپنی شرارتوں کے سبب جلاوطنی کی سزا پائی۔ یہ دونوں قبیلے خیبر میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ ۵ھ میں انہی قبائل کی کوششوں سے عرب کی تمام اسلام دشمن طاقتوں میں یکجہتی پیدا ہوئی۔ اور معرکۂ احزاب پیش آیا۔

اس معرکہ کے دوران یہودیوں کے تیسرے قبیلے بنو قریظہ نے بدعہدی کی اور اپنے سنگین جرم کی پاداش میں کیفرِ کردار کو پہنچے۔

اس وقت نبی اکرمؐ کو دو دشمن طاقتوں سے نمٹنا تھا۔ ایک قریشِ مکہ سے اور دوسرے یہودیوں سے۔ اور اب مکہ کے بعد اسلام دشمن سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز خیبر بن گیا تھا جو یہودیوں کا مضبوط ترین مرکز تھا۔ ان ہی حالات میں جب کفارِ مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ تو آنحضرتؐ نے اُسے قبول فرمایا۔ تاکہ آپ اُن سے بے خوف ہو کر یہودیوں سے نمٹ سکیں۔

شمس الائمہ سرخسی کے الفاظ میں:

Marfat.com

"مدینہ، مکہ معظمہ اور خیبر کے درمیان واقع تھا۔ اس زمانے میں اگر مسلمان مکہ پر حملہ کرتے۔ تو ڈر تھا۔ کہ خیبر کے لوگ مدینہ پر نہ چڑھ دوڑیں۔ اور اگر مسلمان خیبر پر حملہ آور ہوتے۔ تو اندیشہ تھا کہ مکہ والے آکر مدینہ پر چڑھائی نہ کر دیں اس لیے سیاست دانی کا تقاضا یہ تھا کہ کسی ایک دشمن سے صلح کر لی جائے سو حضور اکرمؐ نے قریش سے صلح کر کے بڑی دانش مندی کا ثبوت دیا۔ اور کم از کم ایک دشمن کے حملے کے خطرے سے نجات حاصل کر لی"۔

آنحضورؐ کو سفرِ حدیبیہ سے لوٹ کر آئے ہوئے ابھی چند دن ہوئے تھے۔ کہ انہیں معلوم ہوا۔ کہ خیبر کے یہودی مدینے پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے یہی یہودی قبائل مدینۃ الرسول پر (جنگ احزاب میں) حملہ آور ہو چکے تھے۔ اور اپنی ناکامی کا بدلہ چکانے کے لیے زبردست جنگی تیاریوں میں مشغول تھے۔ صحابۂ کرام سے مشورے کے بعد آنحضورؐ نے طے فرمایا۔ کہ آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

۷ھ میں محرم الحرام کے مہینے میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کی مختصر جمعیت کے ساتھ نبی اکرمؐ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں یہودیوں نے "ناقابلِ تسخیر" قلعے بنا رکھے تھے۔ حباب بن المنذر کے مشورے کے مطابق اہل خیبر اور بنو غطفان کے قبیلے کے درمیانی میدان کو منتخب کیا گیا۔ تاکہ غطفان کے یہود مرعوب ہو کر اہل خیبر کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ صبح کے وقت نبی اکرمؐ نے دعا فرمائی: اے اللہ! خیبر کی قوت کو برباد کر دے۔ سب سے پہلے قلعۂ ناعم پر حملہ کیا گیا۔ محمود بن مسلمہؓ جیسے جلیل القدر صحابی اس معرکے میں کام آئے۔

قلعۂ ناعم کے بعد قموص کے قلعے کی باری آئی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ لشکر کے اس قلعے پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن یہ قلعہ مسخر نہ ہو سکا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "کل میں کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں جھنڈا دوں گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ دونوں اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اور ان شاء اللہ کامیابی اس کے قدم

Marfat.com

چرمے گی۔" اگلے دن نبی اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا۔ "اے علیؓ! جاؤ پہلے کافروں کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر تمہارے ہاتھ پر ایک شخص بھی مسلمان ہو جائے۔ تو یہ کام مالِ غنیمت کے حاصل ہونے سے بہتر ہے۔"

یہود کا مشہور پہلوان مرحب، رجز پڑھتا ہوا، سب سے پہلے میدانِ جنگ میں آیا عامر بن اکوع مقابلے پر نکلے۔ لیکن شہید ہو گئے۔ پھر مرحب کے مقابلے کے لیے حضرت علیؓ خود آگے بڑھے۔ اور اس زور کی تلوار ماری۔ کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور قلعہ فتح ہو گیا۔

قلعہ قموص کے بعد صعب بن معاذ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ جس سے مسلمانوں کو غلہ، چربی اور خورد و نوش کا بہت سا سامان ہاتھ لگا۔

اس کے بعد یہود نے حصنِ قلہ، میں پناہ ڈھونڈلی۔ جو پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔ جنگی نقطۂ نظر سے اُس کے چشموں کا پانی روک دیا گیا۔ تب جا کر کہیں یہ قلعہ فتح ہوا۔

حافظ ابن کثیر کی روایت کے مطابق۔ یہ علاقہ نطاۃ کا آخری قلعہ تھا۔ اس کے بعد آنحضورؐ علاقہ شق کے قلعوں کی طرف بڑھے۔ جو بآسانی فتح ہو گئے۔

البتہ وطیح اور سلالم کے قلعوں کو فتح کرنے میں کافی دشواری پیش آئی۔ طویل محاصرے کے بعد یہود نے صلح کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ تاہم یہود پر پابندی لگا دی گئی۔ کہ وہ سب جلاوطنی کی سزا قبول کریں۔ اور سونا چاندی اور ہتھیار سب قلعہ میں چھوڑ جائیں۔ یہود نے یہ شرط مان لی۔ لیکن تعمیل کرتے ہوئے چوری چھپے بہت کچھ مال و اسباب ساتھ لے گئے۔

خیبر کی جنگ میں پندرہ ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔ اور ترانوے ۹۳ یہودی ہلاک ہوئے۔ یہودیوں کی قوت سرزمینِ عرب میں ختم ہو گئی۔ اور اسلام کے غلبے کی صورت پیدا ہوئی۔

قلعاتِ خیبر کی ترتیب۔ سیرت ابن ہشام اور البدایہ والنہایہ ابن کثیرؒ میں مذکور ہے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتحِ مکّہ

مسلمانوں اور اسلام کو سرزمینِ عرب سے مٹانے کے درپے دو بڑی طاقتیں تھیں۔ ایک قریشِ مکہ اور دوسرے یہودی!

۵ھ میں یہ دونوں طاقتیں، دوسرے مشرک قبائل سے گٹھ جوڑ کر کے مرکزِ اسلام پر حملہ آور ہوئی تھیں۔ لیکن انہیں منہ کی کھانا پڑی۔

۶ھ میں حضور سرورِ کائنات خانۂ کعبہ کی زیارت اور عمرہ ادا کرنے کی غرض سے سوئے مکہ گئے۔ راستے میں حدیبیہ کے مقام پر انہیں روک دیا گیا۔ جہاں حضورِ انورؐ نے قریشِ مکہ کے ساتھ ایک معاہدہ صلح کیا تھا۔ جس میں یہ طے پایا کہ دونوں فریق آیندہ دس سال تک باہم جنگ نہ کریں گے۔ اور تمام قبائلِ عرب کو کھلی آزادی ہوگی کہ کسی ایک گروہ کے حلیف بن جائیں۔ تاکہ امن و امان کی فضا پورے عرب میں قائم ہو سکے۔

اسی معاہدے کو طے کرنے کے بعد ۷ھ میں آنحضرتؐ نے خیبر پر حملہ کیا۔ اور یہودیوں کی قوت کو پاش پاش کر دیا۔ جس کی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اور اب مسلمانوں کو یہ اُمید بندھ گئی۔ کہ ملکِ عرب میں امن و سکون بحال ہو جائے گا۔[1]

لیکن ۸ھ میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا۔ جس سے پورے مُلک کا امن خطرے میں پڑ گیا اور مسلمانوں کو دوبارہ قیامِ امن کے لیے تلوار اٹھانا پڑی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ

---

[1] زیادہ تر تفصیلات تاریخِ طبری۔ طبقات ابن سعد سے لی گئی ہیں۔

Marfat.com

صلح نامۂ حدیبیہ کی روشنی میں بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے دوستی کا معاہدہ کر لیا تھا۔ اور بنو بکر نے دوسرے فریق قریش سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ ۸ھ میں بنو بکر نے قریش کی شہ (اکسانے) پر بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ جو شکست کھا کر حدودِ حرم میں جا پہنچے۔ مگر بنو بکر نے انہیں وہاں ذبح کر ڈالا۔ بنو خزاعہ کا سردار چالیس سواروں کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا۔ اور بڑے درد بھرے الفاظ میں اپنی مظلومیت کی داستان کہہ سنائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خونین داستان سُن کر دلی صدمہ ہوا۔ اور انہوں نے قریشِ مکہ کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ اور ان کے سامنے تین متبادل صورتیں پیش کیں۔

۱۔ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کر دیا جائے۔

۲۔ یا قریش بنو بکر کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں

۳۔ یا قریش یہ اعلان کر دیں۔ کہ صلحنامۂ حدیبیہ ختم ہو گیا۔

قریش نے پہلی دو صورتیں مسترد کر کے آخری صورت قبول کر لی۔ پس آنحضرتؐ نے فوجی تیاری کا حکم دے دیا۔ اور ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو دس ہزار صحابہ کا عظیم لشکر لیے منزلوں پر منزلیں طے کرتے۔ مرالظہران کے مقام پر جا پہنچے۔ اسلامی لشکر نے رات کو آگ کے الاؤ روشن کیے۔ ابوسفیان رئیسِ مکہ تحقیقِ حال کے لیے آیا۔ گرفتار ہوا، لیکن رحمتِ دو عالم نے اُسے معاف کر دیا۔

اس کے بعد ابوسفیان کو ایک ٹیلے سے اسلامی فوج کا معائنہ کرنے کا موقعہ بہم پہنچایا گیا ابوسفیان نے جب اسلامی لشکر کی شان و شوکت دیکھی تو عرض کیا،

"اے اللہ کے رسولؐ! اب قریش پر آپ کا غلبہ یقینی ہے۔ اور آپ کے لشکر میں کچھ ایسے افراد بھی ہیں۔ جو انتقامی جذبے سے لبریز ہیں۔ پس میری درخواست ہے کہ فتح پانے کے بعد آپ نرمی سے کام لیں!"

حضور انورؐ نے جواب دیا۔ ابوسفیان! تم اطمینان رکھو۔ مکہ میں تو مسلمانوں کے

Marfat.com

اپنے بھائی بند ہیں، مہاجرین کے بھی باپ دادا موجود ہیں۔ محترم گھر بھی تو وہاں ہی ہے۔ ابراہیم و اسماعیل کا گھر!، اے ابوسفیان! اپنی قوم کے پاس جاؤ۔ اور کہہ دو۔ "محمدؐ مکہ میں ایک اچھے بھائی کی طرح داخل ہوگا۔ آج نہ کوئی غالب ہے۔ نہ کوئی مغلوب! آج نہ کوئی فاتح ہے۔ اور نہ مفتوح! آج تو اتحاد و موانست کا دن ہے۔ آج اَمن و امان کا دن ہے۔"[1]

مکہ پر فوج کشی سے حضور کے مقاصدِ جلیلہ کئی تھے:

۱۔ اَمن و امان کا قیام جسے بنو بکر اور قریش نے ظلم و زیادتی سے چیلنج کر دیا۔

۲۔ دوستدار قبائل کی حفاظت کا عملی ثبوت دینا۔

۳۔ فریق مظلوم (بنو خزاعہ) کی دادرسی۔

۴۔ صلح نامۂ حدیبیہ کی شرائط کے احترام پر دوسرے فریق کو مجبور کرنا۔

۵۔ خانکعبہ کو کفر کی آلائشوں سے پاک کرنا۔

چونکہ مقاصد ارفع و اعلیٰ تھے۔ اس لیے فوج کو بھی جو ہدایات دیں وہ آنحضورؐ کی شانِ رحمۃ اللعالمینی کی ترجمانی کر رہی تھیں۔ سیّد المرسلین نے فوج کو تاکید کر دیں۔

- جو کوئی ہتھیار پھینک دے۔ اُسے قتل نہ کیا جائے۔
- جو خانہ کعبہ میں پناہ لے، اُسے قتل نہ کیا جائے۔
- جو ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے، اُسے قتل نہ کیا جائے۔
- جو حکیم بن حزام کے گھر جا ٹھہرے اُس سے تعرض نہ کیا جائے۔
- بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔
- زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔
- اسیر کو تہِ تیغ نہ کیا جائے۔

---

[1] محمد عربی۔ محمد عنایت اللہ سبحانی اصلاحی۔

Marfat.com

شہر میں داخل ہونے والے دستوں میں سے صرف اُس مجاہدین کے فوجی دستہ کا قریش سے مقابلہ ہوا جو خالد بن ولید کے ماتحت تھا۔ مقابلہ میں ۲ مسلمان شہید ہوئے اور ۲۸ کافر کام آئے۔

مکہ پر مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کے وجوہ بیان ہو چکے۔ فوج کے لیے کن احتیاطی تدابیر کی پابندی لازم تھی۔ اُس کا تذکرہ ہو چکا۔ اب یہ بھی دیکھئے۔ کہ فاتحِ مکہ کس طرح مکہ معظمہ میں داخل ہوتے ہیں۔

۲۰ رمضان المبارک کو خدا کا یہ برگزیدہ رسولؐ شہر میں داخل ہوتا ہے۔ سر جھکائے ہوئے: سورہ فتح کی تلاوت کرتے ہوئے۔ حمدِ خداوندی پڑھتے ہوئے۔ اور توبہ و استغفار کرتے ہوئے۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ "جب آپ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ تو تمام لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن آپ تواضع کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے تھے۔"[1]

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں "میں نے فتحِ مکہ کے دن رسول اللہؐ کو دیکھا کہ ناقہ پر سوار ہیں۔ اور خوش الحانی سے سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا پڑھ رہے ہیں۔"[2]

حرم میں داخل ہو کر آنحضرتؐ نے خدا کے گھر کو بتوں سے پاک کیا۔ نبی اکرمؐ بنفس نفیس کمان کے گوشے سے ہر ایک بُت کو گراتے جاتے۔ اور زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ	حق آ چکا۔ اور باطل مٹ گیا۔
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔	یقیناً باطل مٹنے والی شے ہے۔

صفا و حرم میں ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس کے چند جملے یہ ہیں:

---

[1] حاکم [2] بخاری شریف۔

Marfat.com

"اللہ ایک ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اور اپنے بندے کی مدد کی۔ اُس نے سب قوتوں کو توڑ دیا۔ ہاں! تمام مفاخر اور خون بہائے قدیم میرے قدموں تلے ہیں۔ اے قومِ قریش اب جاہلیت اور نسب کے غرور کو خدا نے مٹا دیا ہے۔ تمام لوگ آدم کی اولاد سے ہیں۔"

اور پھر ان سب لوگوں کو معاف کر دیا۔ جنہوں نے زر سے، مال سے، زور سے تدبیر سے، ہتھیار سے، تزویر سے[1] ۲۱ برس تک مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کی تھی۔ ارشاد ہوا۔

"تم سب آزاد ہو۔ تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔"

عفوِ عام کے اس اعلان کی مثال قدیم و جدید انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ اس اعلان سے متاثر ہو کر لوگ دوڑ دوڑ کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ اور اسلام لے آئے۔

صلوٰۃ الفتح یا نمازِ شکرانہ:

فتح مکہ کے دن بوقت چاشت آنحضرتؐ نے اس لیے نماز شکرانہ ادا فرمائی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے باطل کو نیچا دکھایا۔ اور حق کو غلبہ عطا فرمایا۔ فقہا اسے صلاۃ الفتح کہتے ہیں۔ تب سے فاتحینِ اسلام کا طریق رہا ہے۔ کہ جب وہ کسی شہر کو فتح کرتے ہیں۔ تو فتح کے شکرانے میں آٹھ رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے جب مدائن فتح کیا۔ اور ایوانِ کسریٰ میں داخل ہوئے۔ تو آٹھ رکعت نماز (ایک سلام سے) ادا فرمائی[2]

فتح مکہ کی اہمیت:

فتحِ مکہ کے دن انصار کا علم لیے ہوئے حضرات سعد بن عبادہ، جب ایک ٹیلے کے پاس سے گزرے جس پر ابوسفیان مبہوت کھڑا شکرِ اسلام کا معائنہ کر رہا تھا۔ تو سعد بن

---

[1] تاریخِ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی۔

[2] روض الانف۔

Marfat.com

عبادہ نے حالتِ جوش میں کہہ دیا "آج کا دن لڑائی کا دن ہے۔ آج کعبہ میں قتل و قتال ہوگا"
آنحضرتؐ کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا "سعدؓ نے غلط کہا۔ آج خانہ کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ اور آج
خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا"

فی الحقیقت فتح مکہ سے خانہ کعبہ کے وقار میں اضافہ ہوا۔ اللہ کا یہ مقدس گھر بتوں اور
مشرکانہ تصویروں سے پاک ہوا۔ اور جلوۂ توحید کی روشنی سے منور ہوا۔

فتح مکہ اور قریش کا معمولی سی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دینا اس امر کا واضح اعلان
تھا۔ کہ کفر کا زور ٹوٹ گیا۔ حضرت بلالؓ نے آنحضرتؐ کے ارشاد کی تعمیل میں کعبہ کی چھت پر کھڑے
ہو کر اذان دی۔ تو عتاب بن اسید کہہ اٹھا "خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز
کے سننے سے پہلے اس کو دنیا سے اٹھا لیا" ایک دوسرے قریش سردار نے کہا "اب جینا بیکار ہے"
اسی طرح صفوان بن اُمیہ، عبداللہ بن زبعری اور عکرمہ بن ابوجہل اسلام کی شوکت کی تاب نہ لا کر مکہ
سے بھاگ کھڑے ہوئے (اگرچہ یہ تینوں بعد میں کفر سے تائب ہو کر اسلام لے آئے) غرضیکہ اسلام کی
قوت و شوکت سے اہل کفر کے دل دہل گئے۔

قریش اہل عرب کے سیاسی قائد اور روحانی پیشوا تھے۔ اس لیے جب فتح مکہ کے بعد
وہ دعوتِ اسلام کو قبول کرنے لگے تو دست سے عرب اُن کی دیکھا دیکھی ایمان لے آئے عمرو بن سلمی
کی روایت صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ کہ عرب فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ
محمدؐ اور اس کی قوم کو چھوڑ دو۔ اگر محمدؐ اُن پر غالب آ گئے۔ تو وہ سچے نبی ہیں۔ جب مکہ فتح ہوا۔ تو ہر
قوم اسلام لانے لگی۔ اور میرے باپ نے بھی مسلمان ہونے میں اپنی قوم میں سے جلدی کی۔

Marfat.com

غزوۂ حنین

ہوازن و ثقیف کی جنگی تیاریاں:

فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کا اطمینان و سکون بہت جلد تردد و تشویش میں تبدیل ہو گیا۔ فتح مکہ سے ٹھیک پندرہ دن بعد مسلمانوں کو یہ اطلاعات پہنچنے لگیں۔ کہ ہوازن و ثقیف کے قبیلے بڑے زور و شور سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ دونوں قبیلے مکہ سے بارہ میل دور طائف اور مکہ کے درمیان، حنین کے درے کے پار وادی میں آباد تھے اور خود کو قریش کے ہمسر سمجھتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد انہیں اندیشہ لاحق ہوا۔ کہ قریش مکہ کے بعد ان کی باری ہے۔ اور مسلمان اُن پر حملہ آور ہونے والے ہیں چنانچہ ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے بنو ثقیف اور اپنے قبیلے کے سربرآوردہ افراد کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا اگرچہ اُس کے اپنے قبیلے کے دو خانوادے بنی کعب اور بنی کلاب شریک نہ ہوئے لیکن دوسرے قبائل مثلاً بنی نصر اور بنی جشم نے اُن کے ساتھ تعاون کیا۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد انہوں نے بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور مالک بن عوف کو سالار اعظم بنا دیا گیا۔ کسی طرح آنحضرتؐ تک بھی یہ ساری باتیں پہنچیں؛ انہوں نے عبداللہ بن ربیعہ کو جاسوس بنا کر بھیجا۔ جنہوں نے ساری صورت حال سے محمدؐ کو آگاہ کر دیا۔ پس آپ ان کی سرکوبی کے لیے تیاریاں کرنے لگے۔

اس موقعہ پر صفوان بن اُمیہ سے ایک سو زرہیں ادھار لی گئیں۔ اور عبداللہ بن ربیعہ سے [illegible] ہزار درہم قرض لیے گئے[1]۔ اچھی خاصی تیاری کے بعد شوال ۸ھ مطابق ۶۳۰ء

---

[1] حالانکہ یہ دونوں مشرک تھے۔

Marfat.com

مسلمانوں کی مکہ سے اتنی بھاری تعداد میں روانگی ہوئی۔ کہ جس کی نظیر اب تک نہ دیکھنے میں آئی تھی۔ اس فوج میں بارہ ہزار جنگ جو تھے۔ جن میں دس ہزار وہ تھے جنہوں نے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ اور دو ہزار وہ تھے۔ جو قریش میں سے اسلام لائے تھے۔ اس موقعہ پر بعض نو مسلم افراد کی زبان پر جوش کی حالت میں یہ الفاظ آگئے۔

"آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟"

اللہ جل شانہ کو ان کی یہ نازش پسند نہ آئی۔ اور غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا

حُنَین کے درّے پر پڑاؤ :

اسلام کے فرزندوں کا یہ لشکرِ جرار شام کے وقت حُنَین کے مقام پر جا پہنچا اور انہوں نے وادی سے باہر پڑاؤ ڈال دیا۔ اس سے پہلے۔ مالک بن عوف رئیس بنو ہوازن کے اشارے پر کفار کے تیر انداز حنین کی پہاڑیوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ تاکہ جب مسلمان یہاں پہنچیں تو وہ اُن پر ٹوٹ پڑیں اور اس طرح مسلمانوں کو فتح مکہ سے جو قوت حاصل ہو گئی تھی اُسے ختم کر کے بنو ہوازن و ثقیف یہ فخر حاصل کریں۔ کہ انہوں نے ایسی طاقت کو نیچا دکھایا ہے۔ جو تمام بلادِ عرب پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتی تھی۔ (معاذ اللہ) مشرک قبائل نے مالک بن عوف کے حکم کی تعمیل کی۔ اور وادی حُنَین کے درے کے دائیں بائیں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ مسلمانوں کا یہ لشکر وادی حنین کے درے میں داخل ہو کر تہامہ کی ایک وادی میں اترا۔ جونہی انہوں نے وادی میں قدم جمائے۔ مخالفین نے مالک بن عوف کی ہدایات کے مطابق مسلمانوں پر تیروں کی بارش کر کے اچانک غیر متوقع حملے کا آغاز کر دیا۔ چونکہ رات کی تاریکی ابھی باقی تھی۔ اس لئے انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ مسلمانوں پر اس ناگہانی حملے سے خوف طاری ہو گیا۔ قریش کے نو مسلموں نے تو پسپائی اختیار کر لی۔ جس سے مسلمانوں کے آزمودہ کار لشکر میں بھی بھگدڑ مچ گئی۔

Marfat.com

اس نازک موقعہ پر نومسلموں میں سے بعض قریش نومسلموں کا ایمان متزلزل ہونے لگا۔ چنانچہ اُن میں سے ایک نے کہا: "مسلمانوں کی ہزیمت اب رد کے نہیں رک سکتی۔ یہ لوگ اسی طرح ساحل سمندر تک بھاگتے چلے جائیں گے۔" دوسرا بولا:

"آج محمدؐ سے میں اپنے والد کے قتل کا بدلہ لوں گا۔"

یوں نومسلموں میں سے بعض منافقوں کے مخفی عزائم اُن کی زبانوں پر آنے لگے۔ تاہم محمدؐ پہاڑ کی سی عزیمت کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے۔ مہاجرین و انصار اور آپؐ کے اہل بیت اردگرد کھڑے اس ناگہانی حملے کا مؤثر جواب دینے کے لیے فکرمند تھے۔ بنو ہوازن کمین گاہوں سے نکل کر سیلاب کی طرح امنڈے چلے آرہے تھے۔ آنحضرتؐ کا جذبۂ حمیت اُبھرا اور آپ نے تنِ تنہا آگے بڑھ کر اس بے پناہ سیلاب کو روکنا چاہا۔ لیکن ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے آپ کے خچر کی لگام پکڑ لی اور آپ کی پیش قدمی کو روک دیا۔

اس آن سیّدالانبیاء کی زبان پر یہ رجزیہ کلمات تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ	میں پیغمبر ہوں۔ یہ جھوٹ نہیں۔
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ	میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

تب رسولِ اکرمؐ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا۔ کہ لوگوں کو جمع کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے آواز دیں۔ حضرت عباسؓ کی صداؤں سے تمام وادی گونج اٹھی۔

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ	اے گروہ انصار!
یَا اَصْحَابَ السَّمُرَۃْ	اے بیعت رضوان والو!
یَا اَصْحَابَ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃْ	اے سورہ بقرہ والو!

جنگ کا فیصلہ کُن دَور

حضرت عباسؓ کی آواز کانوں میں پڑنا تھا۔ کہ لوگ آنحضورؐ اور عباسؓ کے اردگرد

Marfat.com

لبیک لبیک کہتے ہوئے جمع ہونے لگے۔ اور دشمن کے لشکر کے سامنے تیروں کی بوچھاڑ میں سینہ سپر ہو گئے۔ اب سورج بھی طلوع ہو چکا تھا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ مہاجرین و انصار نے اپنی بہادری و شجاعت کے جوہر دکھانے شروع کیے۔ اور دشمنوں کے پرے کے پرے صاف ہونے لگے۔ تب نبی اکرمؐ نے بڑے پُرعزم لہجے میں ارشاد فرمایا:

"اب جنگ اپنے پورے شباب پر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے جو وعدہ کیا تھا۔ ان شاء اللہ وہ پورا ہو گا۔" اور مٹھی بھر مٹی لے کر دشمنوں کی طرف یہ کہہ کر پھینکی:

شَاهَتِ الْوُجُوهُ (کفار کے) چہرے مسخ ہو گئے۔!

جب بنی ہوازن نے اور بنو ثقیف نے پیغمبرِ اسلام کے فدائیوں کی جانثاری اور شجاعت کے عملی مظاہرے دیکھ لیے تو تاب مقاومت نہ لا کر راہِ فرار اختیار کی۔ مالک بن عوف اہل و عیال سمیت وہاں سے ایسا بھاگا۔ کہ طائف میں جا کر دم لیا۔

ہوازن و ثقیف کے قبیلے بائیس ہزار اونٹ۔ چالیس ہزار بکریاں۔ اور چار ہزار اوقیہ مالِ غنیمت چھوڑ کر بھاگ گئے۔ قیدی ان کے سوا تھے۔ مرد و زن ملا کر قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔

گو اس جنگ میں مسلمانوں کے مقتولین کی خاصی تعداد تھی۔ لیکن فتح مندی نے ان کے قدم چومے اور پورے عرب پر اسلام کی دھاک بیٹھ گئی۔

مسلمانوں کو مصیبت کیوں اُٹھانا پڑی:

اس جنگ میں مسلمانوں کی پسپائی کا سبب کون لوگ تھے؟ اس بارے میں مورخین کی دو رائیں نہیں۔ سب کا اتفاق ہے۔ کہ نومسلم قریش اس کے ذمہ دار تھے۔

مورخ طبری کی رائے ہے۔ کہ نومسلم اہلِ مکہ دل سے مسلمانوں کے ساتھ نہ تھے کے نفاق آمیز فقرے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔

Marfat.com

ھ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ "سب سے پہلے طلقاء مکہ حریف سے شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ اور اس میں بے ترتیبی اور پسپائی ہونے لگی۔"

ھ امام نووی فرماتے ہیں۔ "یہ ناگہانی ہزیمت اس وجہ سے ہوئی تھی۔ کہ دشمنوں نے ایک ساتھ تیروں کی بارش کر دی تھی۔ اور فوج میں اہل مکہ بھی تھے۔ جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہوا تھا۔"

ھ ابو حیان اندلسی کی رائے یہ ہے "کہا جاتا ہے کہ مکہ کے طلقاء بھاگے تھے۔ اور ان کا مقصد یہ تھا۔ کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے۔"

ھ قرآن عظیم میں سورۂ توبہ میں اس جنگ پہ کتنا عمدہ تبصرہ کیا گیا ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے تم کو مدد دی بہت سے میدانوں میں اور حنین کے دن! جب تم اپنی کثرت پہ اترائے۔ پس وہ کثرت تمہارے کسی کام نہ آئی۔ اور زمین باوجود فراخی کے تم پہ تنگ ہو گئی۔"

Marfat.com

غزوۂ تبوک

ماہِ رجب ۹ھ

عہدِ نبوی میں سب سے زبردست قوت بزنطینی سلطنت تھی، جو ایران کی بادشاہت کو حال ہی میں شکست دے کر اپنی بالادستی کا لوہا منوا چکی تھی۔ اس عظیم مملکت کا شہنشاہ ہرقل تھا۔ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل (شاہِ روم) کو عرب کی نوزائیدہ مملکت پر حملہ آور ہونے کے لیے اکسایا اور یہ خط لکھ کر بھیجا کہ محمدؐ کا انتقال ہوگیا ہے اور لوگ قحط اور فاقوں سے بھوکے مر رہے ہیں۔ یہ نہایت مناسب موقعہ ہے کہ عرب پر حملہ کر دیا جائے۔ ان غلط بیانیوں سے متاثر ہو کر ہرقل نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا اور چالیس ہزار کا لشکرِ جرار فراہم کر لیا[1]

ادھر شام کے نبطی سوداگر مدینہ، زیتون کا تیل فروخت کرنے آئے تو انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ ہرقل ایک عظیم الشان لشکر تیار کر رہا ہے اور اس کا مقدمۃ الجیش بلقا تک پہنچ گیا ہے[2]

اگرچہ اُن دنوں قحط و گرانی کا زمانہ تھا، موسم سخت گرم تھا اور مسافت بڑی طویل، لیکن حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم ان موانعات کو خاطر میں نہ لائے اور صحابۂ کرام کو تیاری کا حکم دے دیا۔

خلوصِ ایمان کے عملی نمونے:

سب سے پہلے صدیقِ اکبر نے اپنا تمام مال لا کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ مال چھوڑا ہے؟" ابوبکرؓ نے کہا، "صرف اللہ اور اُس کے رسول کو"

---

[1] معجم طبرانی۔ [2] ابن سعد۔

Marfat.com

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوئے۔ اور جب ابوبکر صدیقؓ کے ایثار کو دیکھا تو کہہ اُٹھے "میرا خیال تھا کہ میں آج کے دن ابوبکرؓ پر سبقت لے جا سکوں گا۔ لیکن ابوبکرؓ ہم سب پر بازی لے گئے"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین سو اُونٹ مع ساز و سامان لا کر دیے اور ایک ہزار دینار بھی پیش کیے۔ آنحضورؐ اُن دیناروں کو پلٹتے تھے اور فرماتے تھے "اس نیک عمل کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دو سو وسق چاندی لا کر بارگاہِ نبوی میں حاضر کی۔

یہ تو متمول صحابہ کا ایثار تھا۔ غریب صحابی بھی بقدرِ ہمت اس کارِ خیر میں شریک ہوئے۔ حضرت ابو عقیل انصاری نے رات بھر ایک یہودی کی مزدوری کی، جو کھجوریں معاوضہ میں ملیں، وہ لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر دیں۔

ایک صحابی نے مٹھی بھر جَو پیش کیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلوص کی قدر افزائی کی اور یہی جَو تمام سامان رسد پر بکھیر دیے اور فرمایا:

"بعد کے مسلمان اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی صدقہ دیں تو اس کے برابر انہیں درجہ نہ ملے گا"

چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم بالکل نادار ہیں۔ اگر سواری کا کچھ تھوڑا بہت ہم کو سہارا ہو جائے تو ہم اس سعادت سے محروم نہ ہوں — قرآن مجید کے الفاظ میں:

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۔	وہ لوگ اس حالت میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ رہی تھیں، اس غم میں کہ ان کے پاس

Marfat.com

(سورۂ توبہ) سرمایۂ سفرِ جہاد نہ تھا۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوری طور پر تیس ہزار، آزمودہ کار صحابہ کا لشکرِ جرار تیار کر کے شام کی سرحد کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ بڑا کٹھن تھا۔ بہت دور ایک منزل پر پہنچے تو پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، اس زور کا مینہ برسا کہ سب سیراب ہو گئے۔ پھر مسلمان آگے بڑھے۔ اور تبوک کے مقام پر پہنچے۔ جہاں ایک ایسا چشمہ تھا۔ جس سے پانی قطرہ قطرہ رس رہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑا سا پانی اپنے دست مبارک سے اُس چشمہ میں ڈال دیا تو خدا کی قدرت سے وہ چشمہ فوارہ بن گیا۔

تبوک کی طرف مسلمانوں کے لشکر کے بڑھنے کی اطلاع قیصرِ روم کو ملی تو وہ مرعوب ہو کر شام کی طرف پلٹ گیا۔ اُدھر تبوک کے گرد و نواح کے قبائل مثلاً اہل جربا اور ایلہ کے فرمانروا نے حاضرِ خدمت ہو کر صلح کر لی۔ اور جزیہ دینا منظور کیا۔ دومۃ الجندل کے حاکم کا بھائی خالد بن ولید کے فوجی دستہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اور دومۃ الجندل کا حاکم (اکیلا) خود گرفتار ہو گیا۔ آخر اس نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے۔ اور چار سو زرہیں، اور اتنے ہی نیزے دے کر رہائی حاصل کر لی۔ کئی روز تک نبی اکرمؐ نے تبوک میں قیام فرمایا۔ مگر قیصرِ روم مقابلے پر نہ آیا۔ البتہ گرد و نواح کے رؤساء نے آپ کی اطاعت گزاری اختیار کر لی۔ اس طرح اسلامی ریاست کی دنیا بھر میں دھاک بیٹھ گئی۔

بیس روز بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے تو اہالیانِ مدینہ آنجناب کے اور اسلامی لشکر کے استقبال کو آئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ پر اوّلین نظر پڑی تو فرمایا، "ھٰذہٖ طابۃ" یہ مدینہ طیبہ ہے۔" اور جب جبلِ اُحد پر نظرِ مبارک جا کر رُکی تو فرمایا "یہ پہاڑ ہم کو محبوب رکھتا ہے۔ اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں۔"

اخیر شعبان میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے۔ پہلے مسجد میں

Marfat.com

میں جاکر دوگانہ ادا فرمایا، نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی ملاقات کے لیے کچھ دیر بیٹھے۔ بعد ازاں گھر تشریف لے گئے۔

تبصرہ:

- یہ آخری غزوہ تھا۔ جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس شریک ہوئے اور جس سے دنیا بھر میں اسلامی مملکت کا وقار قائم ہو گیا۔
- اس غزوہ کی تیاری کے لیے صحابۂ کرام نے تن من دھن کی بازی لگا دی۔ اغنیاء اور غرباء دونوں طبقوں نے اِنفاق فی سبیل اللہ کے لیے ایسے ایثار کا مظاہرہ کیا۔ جس کی مثال تاریخِ انسانی میں شاید ہی کہیں ملے۔
- سرزمینِ عرب میں اس سے پہلے مجاہدین کی اتنی بڑی تعداد کبھی فراہم نہ ہوئی تھی۔ بیس ہزار مجاہدین اس لیے جمع کیے گئے تھے کہ انہیں اپنے وقت کی عظیم عالمی طاقت سے مقابلہ درپیش تھا۔
- تمام مجاہدین رضاکار تھے۔ اور سامانِ راہ اور سواریاں (دس ہزار گھوڑے) سب رضاکارانہ پیش کش سے فراہم کی گئی تھیں۔ کوئی تنخواہ دار فوج موجود نہ تھی۔ یہ صرف اسلام کی تعلیم جہاد کا کرشمہ تھا۔
- اگرچہ منزلِ جہاد بہت دور تھی (تقریباً چھ سو میل) راستہ دشوار گزار تھا، موسم ناخوشگوار تھا لیکن اہلِ حق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ جہاد پر لبیک کہنے میں ایک لمحہ تامل نہ ہوا۔ یہ تھا صحابہ کی جاں نثاری کا جذبہ!
- اس جنگ نے مومنین اور منافقین میں واضح خط کھینچ دیا۔ اور منافقین کا پردہ بُری طرح سے چاک کر دیا۔
- سالارِ مدینہؐ نے ابتدائی مرحلے پر ہی جنگ کو حملہ آور کے ملک میں پہنچا کر دشمن کو خوفزدہ کرنے اور اپنے ملک کو قتل و غارت سے محفوظ کر لینے کی حربی تکنیک اختیار کی جس کے سبب فتح مندی اور کامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے۔

باب سیزدھم

حج الوداع

(۶ ذی قعدہ ۱۰ھ ہجری)

۱۰ھ ہجری میں جب ذی قعدہ کا مہینہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا کرنے کا ارادہ فرمایا، اور صحابۂ کرام کو تیاری کا حکم دے دیا۔ چودہ فروری کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ سے روانہ ہوئے۔ تمام ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ اکابر صحابہ ہم رکاب و ہم سفر تھے۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا اور دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ اس سفر میں ایک لاکھ کا جم غفیر جمع ہو گیا تھا۔ جس طرف نظر اٹھتی حلقہ بگوشانِ اسلام کا دریا تھا کہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

۴ ذوالحج کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے۔ اور حج کے مقررہ ایام میں مناسکِ حج ادا فرمائے۔

عرفات اور منیٰ کے میدانوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مضمون کے دو خطبے ارشاد فرمائے مضمون کی یکسانیت، اور وحدت کے پیش نظر ان دونوں خطبوں کو اکثر و بیشتر سیرت نگاروں نے یکجا بیان کر دیا ہے۔ اور ہم نے بھی ان ہی کا اتباع کیا ہے

خطبۂ حج الوداع:

○ "لوگو! میں گمان کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔"

○ "لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں، جیسا کہ تم آج کے دن اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال فرمائے گا۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے

Marfat.com

○ "لوگو! جاہلیت کی ہر بات میں اپنے قدموں تلے پامال کرتا ہوں۔ اور جاہلیت کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں۔ اپنے خاندان سے میں ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کے زمانہ کا سود ملیامیٹ کر دیا گیا۔ اور اپنے خاندان سے عباس بن عبدالمطلب کا سارے کا سارا سود چھوڑ دینے کا اعلان کرتا ہوں۔"

○ "لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تم نے انہیں خدا کے نام کی ذمہ داری سے اپنی بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا۔ ان کے ساتھ مہربانی اور ملاطفت سے پیش آنا۔"

○ "لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے۔"

○ "لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ کوئی جدید اُمّت پیدا ہونے والی ہے۔ باخبر رہو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ پنج گانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک ماہ کے روزے رکھو۔ مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی سے ادا کرو۔ خانۂ خدا کا حج بجا لاؤ۔"

○ "لوگو! تم سے قیامت کے دن میری بابت سوال کیا جائے گا۔ مجھے دراتبا دو کہ تم کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے احکام ہم تک پہنچا دیے۔ آپ نے نبوت و رسالت کا حق ادا کر دیا آپ نے ہم کو کھرے کھوٹے کی بابت اچھی طرح بتا دیا۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشتِ شہادت آسمان کی جانب اٹھاتے ہوئے فرمایا۔ اے خدا اس سے اے خدا گواہ رہنا۔ اے خدا شاہد رہنا۔"

○ "آخر میں فرمایا! دیکھو جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ان باتوں کی تبلیغ کرتے رہو۔ ممکن ہے کہ بعض سامعین سے وہ لوگ اس کلام کو زیادہ یاد رکھنے والے ہوں جن تک

Marfat.com

تبلیغ کی جائے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ میں ہر جملے پر توقف فرماتے اور حضرت ربیعہ بن اُمیہ (بن خلف) اُن ہی الفاظ کا اعادہ بآوازِ بلند فرماتے۔

مسلمان مورخین کی آراء:

مورخینِ اسلام نے اِس خطبہ کے بارے میں اپنی جن آراء کا اظہار کیا ہے، اُن میں سے چند درج ذیل ہیں:

قاضی سلمان منصور پوری "رحمۃ للعالمین" میں فرماتے ہیں:

"ناظرین! اس خطبۂ نبوی کو غور سے پڑھیں، ذرا تفکر و تدبر سے پڑھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکر اپنے الوداعی خطبے میں قرآنِ مجید پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اور کیونکر قرآنِ مجید پر عمل کرنے والے کے لیے یہ حتمی وعدہ کیا ہے کہ وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا، کیونکر مسلمانوں کے باہمی حقوقِ جان و مال و عزت کو محفوظ فرمایا، کیونکر بیویوں کے حقوق پر نہایت مستحکم الفاظ میں توجہ دلائی ہے۔ کیونکر اپنی ذاتِ مبارک کے متعلق اپنے عمر بھر کے کارناموں کے متعلق، ہمارے باپ داداؤں سے گویا مہریں کرا لی ہیں، کیونکر ہر ایک مسلمان کو تبلیغ و اشاعت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ یہی ہیں وہ اصول و احکام جن پر عمل کرنا مسلمانوں کو دنیا اور دین میں سربلند کر دیتا ہے۔ اور جن کا ترکِ عمل انہیں خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق بنا دیتا ہے۔"

چودھری افضل حق اپنی تالیف حبیبِ خدا میں مخصوص انداز میں رقم طراز ہیں:-

"اس خطبہ کو سن کر بالغ النظر لوگوں کی نظر وسیع تر ہو گئی۔ کم نگاہوں میں وسعتِ نظر پیدا ہو گئی۔ رحم، حلم، عدل، انصاف، مساوات اور بھلائی کا دور دورہ ہو گیا

Marfat.com

زندگی کا حسن بے حجاب دکھائی دینے لگا۔ چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔ مگر اس گیت کی ترنم ریزیوں سے مشرق و مغرب کی فضائیں گونج رہی ہیں۔"

شاہ معین الدین ندوی تاریخِ اسلام میں خطبۃ الوداع کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں :۔

"یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور عطر ہے۔ یہ وہ دن تھا کہ اسلام اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بے ہودہ رسوم مٹا دیے گئے۔"

نعیم صدیقی "محسنِ انسانیت" میں لکھتے ہیں :۔

"جب کبھی بھی اور جہاں کہیں بھی اسلامی تحریک چلے گی۔ اور نظامِ حق استوار ہوگا۔ اس کی بنیادیں بہر حال ان ہی اٹل نظریات و تصورات پر رکھی جائیں گی یہ منشورِ اسلام کا بنیادی منشور ہے۔ اور اس کی طرف انسانیت کو بلایا جا سکتا ہے۔ ان کلماتِ حقیقت افروز سے ہٹ کر زندگی کا جو نقشہ بھی بنایا جائے گا وہ غیر اسلامی ہوگا۔"

عمر ابو النصر اپنی تالیف نبی الامی میں فرماتے ہیں :۔

"خطبہ فصاحت و بلاغت، اور جذب و تاثیر میں اپنی نظیر آپ ہے۔"

سید امیر علی اس خطبے کے بارے میں "سرورِ کائنات" میں رقم طراز ہیں :۔

"یہ خطبہ جس میں کوئی شاعرانہ نکتہ آفرینی نہ تھی، جو اپنے اندر لاینحل عقدے نہ رکھتا تھا، عقلمندوں کے لیے عملی تعلیم کا سرمایہ ہے۔ انسان کی فطری ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اور انہیں اخلاقی رہنمائی کے لیے ایک قطعی اور مکمل لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔

۸۹۶۵۸

باب چہاردہم

سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی

عَلالَت و وَفات

عَلالَت کا آغاز :

۲۸ صفر ۱۱ھ بروز دوشنبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دردِ سر شروع ہو گیا۔ پھر شدید بخار نے آلیا۔

ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک پر رومال باندھ رکھا تھا۔ میں نے اُسے ہاتھ لگایا تو سینک محسوس ہوا۔ بدن ایسا گرم تھا کہ میرے ہاتھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ مجھے اچنبھا محسوس ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاءؑ کو سب سے بڑھ کر تکلیف ہوتی ہے۔ اسی لیے اُن کا اجر بڑھا ہوا ہوتا ہے۔

وجہِ علالت :

یہ سیرتِ نبوی کا معروف واقعہ ہے کہ آنحضورؐ کو خیبر کی ایک یہودی خاتون نے گوشت میں زہر دے دیا تھا۔ اور آپ نے تھوڑا سا تناول فرمانے کے بعد (جب بذریعۂ وحی اطلاع ہوئی) اُسے چھوڑ دیا تھا۔ دورانِ مرض خود ہی سیّد الانبیاءؑ نے انکشاف فرمایا کہ اس زہر کا اثر برابر اثر انداز ہوتا رہا ہے۔ اور اب اس نے اپنا کام پورا کر دیا ہے۔ حضورؐ کے اس ارشادِ گرامی سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اسی زہر سے ہوئی۔ دوسرے عوارضات عارضی و ظاہری تھے۔

علالت کے مرحلے :

دَورِ اوّل :۔ تقریباً گیارہ دن جب کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں علالت طبع کے باوجود

Marfat.com

زاز خود جا کر پڑھاتے رہے اور آپ میں چلنے پھرنے کی ہمت و سکت تھی۔

دورِ ثانی :۔ تقریباً تین دن جب کہ حضورِ اقدس مسجد میں بیماری کی شدت کے باعث نہ آسکے تھے۔ اِس مختصر مدت میں صدیقِ اکبر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے سترہ نمازیں پڑھائیں۔

بیماری کی شدّت میں اضافہ

بقیع الغرقد کے گورستان میں :

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بسترِ علالت پر دراز ہوئے تو اُس رات شدتِ تکلیف و کرب سے نیند نہ آئی۔ آپ نے ابو مویہبہ کو ساتھ لے لیا۔ اور فرمایا "مجھے بقیع الغرقد کے مدفون لوگوں کی مغفرت کا حکم دیا گیا ہے۔" چنانچہ سیّد المرسلین نے قبرستان میں جا کر اہلِ قبور کے لیے مغفرت کی دعا بھی فرمائی اور یہ الفاظ ادا فرمائے :۔

"اے اہلِ قبور! تم پر سلامتی ہو۔ جس حالت میں تم ہو، یہ تمہیں مبارک رہے۔ یہ حالت اس سے بہتر ہے۔ جس میں لوگ گرفتار ہونے والے ہیں۔ دیکھو فتنے اس طرح یکے بعد دیگرے چلے آرہے ہیں۔ جس طرح اندھیری رات کے سائے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا۔ دوسرا فتنہ پہلے فتنے سے بدرجہا بڑھ کر ہوگا۔"

ابو مویہبہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا :

"مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ میں دنیا کے خزانوں حیاتِ جاودانی، اور جنت میں سے کسی ایک کو پسند کرلوں۔ چنانچہ میں نے حیاتِ جاودانی، اور دنیا کے خزانوں کے مقابلے میں اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو پسند کرلیا ہے۔"

اگلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی۔ اور لوگوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی

صدیقِ اکبرؓ کی امامت :

بیماری و علالت کے بارھویں[1] دن علی الصبح سید الانبیاءؐ نے مسجد میں جا کر نماز پڑھانے کا ارادہ کیا، لیکن بستر سے اُٹھ نہ سکے۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا جائے۔ کہ وہ میری جگہ نماز پڑھا دیں"۔ چنانچہ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ محققین نے لکھا ہے، اِس کے بعد چونکہ نبی اکرمؐ صاحبِ فراش ہو گئے تھے۔ اِس لیے حضرت ابوبکر صدیق ہی نمازیں پڑھاتے رہے۔ جن کی کل تعداد سترہ[17] ہے۔ البتہ درمیان میں ایک نماز محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر ادا فرمائی تھی۔

مسجدِ نبوی میں آخری خطبہ :

صدیق اکبر کی امامت کے دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ حضرت عباسؓ کے ہمراہ انصار کی ایک مجلس کے پاس سے گزرے۔ دیکھا کہ سب حاضرین اشک ریز ہیں صدیقِ اکبرؓ نے اُن سے (گریہ) پوچھا تو انہوں نے کہا ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ بابرکت کو یاد کر کے رو رہے ہیں۔ حضرت عباسؓ نے اس بات کی اطلاع حضورِ انور کو کر دی۔ یہ سن کر آپؐ حضرت علیؓ اور حضرت فضلؓ کے کاندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے مسجدِ نبوی میں تشریف لے آئے۔ منبر کی نچلی سیڑھی کو زینت بخشی۔ اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا :

"اے لوگو! مجھے معلوم ہُوا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈر رہے ہو۔ کیا مجھ سے پہلے کوئی نبیؑ ہمیشہ زندہ رہا ہے، جو میں ہمیشہ زندہ رہوں۔ ہاں میں اپنے پروردگار سے ملنے والا ہوں اور تم مجھ سے ملنے والے ہو۔ ہاں تمہارے ملنے کی جگہ حوضِ کوثر ہے۔ پس جو شخص یہ پسند کرے کہ قیامت کے روز اس حوض سے سیراب ہو تو اس کو چاہیئے کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو بے ضرورت

---

[1] اس سے پہلے تقریباً گیارہ دن تک بیماری کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے

باتوں سے روکے۔ میں تمہیں مہاجرین کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہوں اور ارشاد فرمایا کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو اُن کے حکام اور بادشاہ اُن کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ اور جب وہ اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتے ہیں تو حکام اُن کے ساتھ ظلم و تشدد کرتے ہیں[1]۔

اس کے بعد جنابِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم واپس اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اور وفات سے تین دن پہلے ایک مرتبہ مسجد میں دوبارہ تشریف لائے۔ اور بہ دقت ایک نماز پڑھائی صحیح روایت کے مطابق اُس وقت آپ نے ہی امامت کروائی۔ صدیق اکبرؓ بلند آواز سے تکبیر کہتے جاتے تھے۔ تمام جماعت نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ یہ آخری نماز تھی جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔

یومِ وصال یا حیاتِ طیبہ کا آخری دن :

دوشنبہ کے روز نمازِ صبح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت قدرے سنبھلی تو اُنھوں نے حضرتِ عائشہؓ کے حجرہ سے پردہ اُٹھانے کا حکم صادر فرمایا۔ اس وقت ابوبکر صدیقؓ کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک اس حسین نظارہ کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم مقدس کا ثمرہ تھا، حضورِ انور نے مشاہدہ فرمایا۔ رُخِ انور پر اتنی بشاشت اور ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی کہ چہرۂ مبارک ورقِ قرآن معلوم ہوتا تھا۔

جب دن چڑھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ فاطمہ بتول علیہا السلام کو پاس بلایا کان میں چپکے سے کچھ فرمایا۔ فاطمہؓ رو پڑیں۔ پھر کچھ اور بات کہی تو وہ ہنس دیں۔ سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے :۔

"پہلی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی تھی کہ اب میں دنیا کو چھوڑ رہا ہوں۔ دوسری بات یہ فرمائی تھی کہ اہلِ بیتِ اطہار میں سے تم ہی میرے پاس

---

[1] دروس السیرۃ، محمدیہ۔

سب سے پہلے (انتقال کرکے) پہنچوں گی۔"

بیماری میں تکلیف بڑھی تو سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء نے کہا "آہ کتنا کرب ہے!" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا "تیرے باپ کو آج کے بعد کوئی کرب نہ ہوگا" پھر حسن اور حسین اپنے دونوں نواسوں کو بلایا۔ اور لوگوں کو اُن کے احترام کی وصیت فرمائی پھر آخری نصیحت کے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

اَلصَّلٰوۃَ ۔ اَلصَّلٰوۃَ ۔ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ

انسؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ کی یہ آخری وصیت تھی۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس جملے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار دھراتے رہے۔

حالتِ نزع میں حضرتِ عائشہؓ آپ کو سہارا دیے بیٹھی تھیں۔ چہرۂ مبارک کا رنگ کبھی سُرخ ہو جاتا اور کبھی زرد۔ پانی کے پیالے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ ڈال کر چہرے پر ہاتھ پھیر لیتے تھے۔ اور زبان مبارک سے فرماتے تھے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرٰتٍ ۔

آخر وقت میں مسواک بھی فرمائی اور ہاتھ کو بلند کرکے ارشاد فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بروز دوشنبہ وقت چاشت تھا۔ کہ اس ہستیٔ جلیل کے جسم اطہر سے اُن کی روح انور نے پرواز کی۔ اُس وقت عمر مبارک ۶۳ سال اور چار دن تھی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

Marfat.com

معاون کتب

سیرت ابن ہشام : ——— علامہ محمد بن عبدالملک بن ہشام۔

طبقات کبیر : ——— امام محمد ابن سعد۔

کتاب الشفاء : ——— امام قاضی عیاض۔

شرح شفاء : ——— امام ملا علی قاری۔

شمائل ترمذی : ——— امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی۔

زادالمعاد : ——— علامہ حافظ ابن قیم۔

تاریخ ابن خلدون : ——— ترجمہ حکیم احمد حسین۔

مدارج النبوۃ : ——— شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔

رسول رحمتؐ : ——— مولانا ابوالکلام آزاد، (ملاحظات مولانا غلام رسول مہر)

سیرت النبیؐ : ——— علامہ شبلی نعمانی۔

رحمۃ للعالمینؐ : ——— محمد سلیمان سلمان منصور پوری۔

نشرالطیب (فی ذکر حبیبؐ) ——— مولانا اشرف علی تھانوی۔

سیرت المصطفیٰؐ : ——— مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔

سیرت الرسولؐ : ——— ڈاکٹر محمد حسین ہیکل۔

حیاۃ محمدؐ : ——— ڈاکٹر محمد حسین ہیکل۔

رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی : ——— ڈاکٹر حمید اللہ۔

اصح السیر : ——— مولانا عبدالرؤف قادری، دانا پوری۔

سیرت رسول عربیؐ : ——— محمد نور بخش توکلی۔

Marfat.com

سیرت رسولؐ : ——— اسلم جے راج پوری۔
محسن انسانیت : ——— نعیم صدیقی۔
محبوب خداؐ : ——— چودھری افضل حق۔
ذکر حبیبؐ ؟ ——— مولانا عبدالشکور۔
سیرت خاتم الانبیاء : ——— مفتی محمد شفیع۔
تاجدار دو عالم : ——— عبدالرحمٰن عزام بے۔
حیات طیبہ : ——— مولانا عبدالحی۔
النبی الامی : ——— عمر ابوالنصر۔
سراپائے رسول : ——— مفتی محمد شفیع اوکاڑوی۔
رحمتِ عالم : ——— سیّد سلیمان ندوی
النبی الخاتم : ——— مناظر احسن گیلانی
کتاب و سنت غیروں کی نظر میں : ——— عبدالحامد قادری بدایونی
محمد رسول اللہ (غیروں کی نظر میں) : ——— مولانا محمد حنیف یزدانی
رحمت دو عالم : ——— مولانا قاری احمد
سرورِ کائنات : ——— سید امیر علی، ترجمہ منصور احمد
انسانی زندگی پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ ابوالحسن علی ندوی
وصل حبیب اللہ : ——— پروفیسر ملک محمد اقبال

Marfat.com

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى

سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى

اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ كَمَا

تُحِبُّ وَتَرْضٰى دَائِمًا اَبَدًا ؕ

Marfat.com

غیر فانی مہذیب

(حصۂ خلافتِ راشدہ)

فہرست مندرجات

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

عنوان	صفحہ
★	
ابتدائی حالاتِ زندگی	۱
خلافتِ صدیق (خطبۂ خلافت)	۱۴
فتنۂ ارتداد	۲۲
دورِ صدیقی میں ابتدائی فتوحات	۳۱
جمع و تدوینِ قرآن	۳۹
وصال	۴۴

حضرت عمر فاروق رضؓ

عنوان	صفحہ
ابتدائی زندگی	۴۵
خلافتِ فاروقی (خطبۂ خلافت)	۵۱
معرکہ آرائیاں اور فتوحات	۵۴
نظامِ حکومت میں اصلاحات	۶۱
فاروقِ اعظمؓ کی شہادت	۶۸
★	

حضرت عثمان رضؓ غنی

ابتدائی زندگی	۶۹
خلافت عثمانی۔ خطبۂ خلافت	۷۴
باغیوں کی سرکوبی اور فتوحات	۷۸
حضرت عثمان۔ ناشر قرآن	۹۳
فتنوں کا آغاز	۹۷
مدینہ میں گورنروں کانفرنس	۱۰۳

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ

ابتدائی حالات	۱۱۴
خلافتِ مرتضوی۔ (خطبۂ خلافت)	۱۲۷
حضرت علی اور حضرت عائشہ کا اجتہاد	
اختلاف (جنگ جمل)	
امیر معاویہ اور علی مرتضیٰ کا اجتہادی اختلاف	
جنگ صفین	

Marfat.com

فہرست مندرجات

حضرت عثمانؓ غنی

تحقیقاتی کمیشن

خطبۂ حج (الزامات کی تردید) ۱۰۷

فتنہ بر سرِ عروج ۱۱۳

فضائل عثمان

شہادتِ عثمان ۱۲۱

حضرت علیؓ مرتضیٰ

حضرت علیؓ اور خوارج کی سرکوبی

جنگ نہروان ۱۴۹

حضرت علیؓ کے سیاسی کارنامے ۱۵۶

☆

اسلام کا عروج

(عہد خلافت راشدہ میں)

خلافتِ راشدہ کا مفہوم ۱۶۱

امتیازی خصوصیات ۱۶۳

مفکرین اسلام کی نظر میں ۱۶۸

غیر مسلموں کی نظر میں ۱۷۳

☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ابتدائی زندگی

(دورِ اسلام سے پہلے)

حضرت صدیق اکبرؓ خاندانِ قریش کی شاخ بنو تیم کے چشم و چراغ تھے۔ ایامِ جاہلیت میں اُن کا نام عبدالکعبہ تھا۔ عہدِ اسلام میں حضورؐ نے اُن کا نام عبداللہ تجویز فرمایا۔

ابوبکرؓ جناب کی کنیت تھی۔ اور سب سے زیادہ شہرت اسی کنیت نے حاصل کی۔ صدیق اُن کا لقب تھا۔ یہ لقب اُن کو دربارِ رسول سے واقعہ معراج کی تصدیق کرنے کے صلہ میں ملا تھا۔ چھٹی پشت میں جا کر اُن کا شجرۂ نسب (مرہ بن کعب پر) نبی اکرمؐ کے نسب سے جا ملتا ہے۔ اُن کے والدِ محترم کا نام عثمان (کنیت ابو قحافہ) اور والدۂ ماجدہ کا نام سلمیٰ (کنیت اُم الخیر) ہے اور دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے۔[1]

مؤرخین نے لکھا ہے کہ صحابۂ کرام میں سے دس آدمی ایسے تھے۔ جو ایامِ جاہلیت اور عہدِ نبوت دونوں ادوار میں رئیس و سربرآوردہ مانے گئے۔ اُن میں سے ایک حضرت صدیقؓ ہیں۔ اگر کسی قبیلہ میں کوئی خون ہو جاتا۔ صدیق اکبرؓ خون بہا کی ضمانت دے دیتے تو قبول ہوتی۔ دوسروں کی ضمانت قبول نہ کی جاتی تھی۔

صدیقؓ شروع سے ہی سلیم الفطرت تھے۔ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ حضرت ابوبکرؓ

---

[1] کنز العمال

نے عہد جاہلیت میں بھی شراب اپنے اوپر حرام کر رکھی تھی، وہ کہا کرتے تھے۔ شراب پینے سے عزت و حرمت زائل ہو جاتی ہے[1]

امام قسطلانی نے ابو ہریرہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی بُت کو سجدہ نہیں کیا۔ میرے والد ابو قحافہ ایک دفعہ مجھے بُت خانہ میں چھوڑ آئے لیکن میں نے بُت کو اوندھے منہ گرا دیا[2]

قبولِ اسلام:

ابو بکرؓ نزولِ وحی سے تقریباً ایک سال پہلے بسلسلۂ تجارت یمن گئے ہوئے تھے۔ جب واپس آئے۔ تو ابو جہل، عتبہ، شیبہ، اور قریش کے دیگر سرداروں سے ملنے گئے۔ دورانِ گفتگو ان لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ کو بتایا کہ ابو طالبؑ کا یتیم بچہ مدعیٔ نبوت ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا۔ سیدھے رسول اللہؐ کے پاس پہنچے اور پہلی نشست میں ہی قبولِ اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے۔ ارشادِ نبوی سے اس امر کی یوں تصدیق ہوتی ہے:

"میں نے جس کسی کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اُس میں فکر و تردد کی جھلک پائی۔ مگر میں نے جس وقت حضرت ابو بکرؓ کے سامنے اسلام پیش کیا تو انہوں نے بلا جھجک اسلام قبول کر لیا[3]

اس امر میں سیرت نگاروں میں اختلاف ہے کہ اول اسلام کون لایا؟ بعض کا خیال ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ پہلے ایمان لائے۔ اور بعض کا قول ہے کہ جناب حضرت ابو بکرؓ! قولِ فیصل یہ ہے کہ بالغ میں حضرت ابو بکرؓ، لڑکوں میں حضرت علیؑ، خواتین میں حضرت خدیجہؓ، اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ

---

[1] تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی۔

[2] امام قسطلانی۔

[3] تاریخ الخلفاء سیوطی۔

Marfat.com

سب سے اوّل اسلام لائے[1]

اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو شعر کہنے پر پوری قدرت حاصل تھی۔ اسلام لائے۔ تو شعر کہنا بالکل ترک کر دیا[2]

تبلیغِ اسلام اور انفاق فی سبیل اللہ:

قبولِ اسلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرتؐ کے دست راست ثابت ہوئے۔ بڑے بڑے صحابی مثلاً حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح ان کے ذریعے سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لائے۔ اسی طرح جن جن قبائل میں حضرت ابوبکرؓ کا تعارف تھا وہاں وہ آنحضورؐ کو لے جاتے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن قبیلوں تک اللہ کے دین کی دعوت پہنچاتے۔

اِس سلسلہ میں یہ بات بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ بہت سے غلام جو اسلام لانے کے بعد اپنے سنگدل آقاؤں کے مظالم کا نشانہ بن رہے تھے۔ اُن میں سے بہت سے افراد کو حضرت ابوبکرؓ نے خرید خرید کر آزاد کیا۔ سب سے پہلے جس غلام کو اُنہوں نے آزاد کیا وہ حضرت بلالؓ بن رباح تھے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے "اَبُوْبَکْرٍ سَیِّدُنَا وَ اَعْتَقَ سَیِّدَنَا" یعنی ابوبکرؓ ہمارے آقا ہیں۔ اور انہوں نے ہمارے سردار کو آزاد کیا[3]

اس کے علاوہ عامر بن فہیرہ، حضرت ابو فکیہہ، اور کئی دوسرے غلاموں کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مال خرچ کر کے مصائب سے خلاصی دلائی۔

حضرت نہدیہ اور اُم عبیس اور دوسری کئی کنیزیں (جن کی کم از کم تعداد "اصابہ" اور "اسد الغابہ" میں سات لکھی ہے) اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرید خرید کر آزاد کر دیں۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کوشش اور ایثار سے اسلام کی دعوت امراء اور روساء تک بھی جا پہنچی۔ اور غریبوں اور پسماندہ

---

[1] [illegible] [2] کنز العمال۔

[3] [illegible] عبد الرحمٰن [illegible] [4] [illegible]۔

Marfat.com

لوگوں میں بھی پھیلی[1]۔ اسی نکتے کو عباس محمود العقاد نے بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ آپ کے اسلام قبول کرنے کا جتنا گہرا اثر سردلوں اور رہنماؤں پر پڑا تھا۔ اُتنا ہی گہرا اثر غلاموں اور نچلے طبقوں پر بھی پڑا۔

حبشہ کی طرف ہجرت کا قصد[2]:

جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ اور اُن کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء کو یہ کہہ کر ہجرتِ حبشہ کی اجازت دے دی۔ کہ وہاں کا بادشاہ عادل، اور رحم دل ہے۔ اُمید ہے کہ اُس کے زیرِ سایہ تم کو امن و آسائش کی نعمت حاصل ہوگی۔ حبشہ کی طرف دو قافلے یکے بعد دیگرے گئے۔ جب حضرت ابو بکرؓ کفار کے مظالم سے تنگ آ گئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر ملک حبش کی راہ لی۔ پانچ منزلیں طے کر کے برک الغماد کے مقام پر پہنچے تھے کہ قبیلہ قارہ کے رئیس ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی۔ اُس نے حیرت سے پوچھا "کہاں کا قصد ہے؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے جواب دیا" مجھ کو میری قوم نے نکال دیا ہے۔ اب پردیس میں جا کر اپنے رَبّ کی عبادت کروں گا۔ ابن الدغنہ نے کہا "تم سا آدمی جو بے کسوں کا مددگار، مہمان نواز اور راہِ حق کی مصیبتوں میں غم خوار ہو۔ وہ نہ اپنے گھر سے نکل سکتا ہے۔ اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔ میں تم کو پناہ دیتا ہوں۔ مکہ لوٹ چلو۔ اور اپنے وطن میں رہ کر عبادت کرو۔"

چنانچہ ابن الدغنہ نے قریش مکہ کے روساء کے سامنے جا کر اس امان کا اعلان کر دیا۔ جسے قریش نے بلا تامل تسلیم کر لیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ کہہ دیا" ابو بکرؓ سے کہہ دو۔ کہ وہ عبادت گھر سے باہر نہ کریں۔ تاکہ ہمارے نوجوان، اور ہماری عورتیں کہیں مبتلائے فساد نہ ہو جائیں۔" لیکن حضرت ابو بکرؓ کا جذبۂ عبودیت اِن پابندیوں کو کہاں گوارا کر سکتا تھا؟ اُنھوں نے گھر کے

---

[1] صدیق کامل صفحہ ۱۸۱

[2] طبقات ابن سعد اور صحیح بخاری باب ہجرت النبی ﷺ

ساتھ مسجد میں ایسی رقتِ قلبی کے ساتھ قرآنِ مجید پڑھنا شروع کر دیا جس سے قریش کے نوجوانوں اور عورتوں کے دل موم ہونے لگے۔ قریش نے ابن الدغنہ سے رجوع کیا۔ ابن الدغنہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو سمجھانا بجھانا چاہا۔ تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا:

اَرُدُّ اِلَیْکَ جِوَارَکَ وَ اَرْضٰی بِجِوَارِ اللّٰہِ — تمہاری پناہ تم کو مبارک ہو! میں اللہ کی پناہ سے راضی و خوش ہوں۔

ہجرتِ مدینہ:[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے سرزمین مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ تو حضرت ابوبکرؓ کو ہم سفر بنانے کا شرف بخشا۔ اُس وقت جب قریش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے باندھ رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کوئی سیر و تماشہ نہ تھی! بلکہ بڑی جان بازی اور جان نثاری کا کام تھا۔ چنانچہ کفار اور ابوجہل تعاقب کرتے کرتے غارِ ثور تک پہنچ ہی گئے۔ جہاں محبوبِ خدا اور حبیبِ رسولِ خدا دونوں احتیاط کی غرض سے چھپے ہوئے تھے۔ گرچہ وہ غار کی تنگی و تاریکی دیکھ کر پلٹ گئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اسی رفاقت کا ذکر قرآن مجید میں ہے:

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ (توبہ) — دو میں کا دوسرا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے[2]

اور جب دشمن کی آمد پر انہوں نے حبیب کی جدائی کے خیال سے گھبرا کر کہا:

یا رسول اللہ دشمن سر پر آن پہنچا ہے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اطمینان سے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (سورہ توبہ) — غم گین نہ ہو۔ یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے

تاریخ شاہد ہے۔ کہ اس نازک مرحلے پر نہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ بلکہ اُن کا پورا گھرانہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں مصروفِ کار تھا۔

---

[1] صحیح بخاری۔

غزوات میں شرکت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اسلام سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ تمام غزوات میں حضرت ابوبکرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔ جنگِ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود کفار پر حملہ آور ہوئے۔ تو لشکرِ اسلام کے سردار میمنہ حضرت ابوبکرؓ تھے اور سردار میسرہ حضرت علی مرتضیٰؓ؛ حملۂ عام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سایہ دار چھپر (عریش) میں مصروفِ دُعا و عبادت تھے۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی ذمہ داری حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہی اپنے ذمہ لی تھی[1]

جنگِ اُحد میں جب مسلمانوں کے لشکر میں بھگدڑ مچی۔ حضرت ابوبکرؓ سید الانبیاء کے قریب جانثارانہ لڑ رہے تھے اور ان کے پائے ثبات کو کوئی لغزش نہ ہوئی تھی[2]۔ اسی غزوے کے دوران جب کفار کے ریلے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے (غار) میں گر گئے تو حاکم محدث کے قول کے مطابق سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ہی اُن کو پہچانا۔ اور حضرت علیؓ و حضرت طلحہؓ دونوں کی مدد سے سہارا دے کر باہر نکالا۔

غزوۂ خندق میں جب دشمنوں نے مدینہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک فوجی دستہ کو لیے ہوئے خندق کے ایک حصہ کی حفاظت پر مامور رہے۔ جہاں بعد میں مسجدِ صدیق بنائی گئی۔ اس جنگ میں اُنھوں نے انتہائی پامردی اور حوصلہ مندی کا ثبوت دیا[3]

صلح حدیبیہ میں بظاہر مسلمانوں کو دب کر صلح کرنا پڑی تھی۔ اس لیے بعض صحابہ بڑے چیں بجبیں ہوئے۔ اس موقعہ پر حضرت عمر فاروقؓ بھی مضطرب اور شاکی تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے حضور سے اپنے تاثرات بیان کیے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اِنَّہٗ عَبْدُہٗ۔ آپؐ کی رکاب تھامے رکھو

---

[1] استیعاب۔ [2] سیرت ابن ہشام

[3] طبقات ابن سعد

غزوۂ حنین کے موقعہ پر جب ہوازن و ثقیف کے قبائل کی غیر متوقع تیر اندازی سے لوگ بھاگ نکلے اور لشکرِ اسلام کی صفیں درہم برہم ہونے لگیں۔ جن مہاجرین و انصار نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا اُن میں حضرت ابوبکرؓ بھی شامل تھے۔ ایسے ہی جواں عزم اور مستقل مزاج اصحاب نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ اور شکست فتح میں تبدیل ہو گئی۔

غزوۂ تبوک میں مسلمان ایک بہت بڑی سلطنت سے پنجہ آزما ہونے کے لیے نکلے۔ حالانکہ عرب میں خوفناک قحط کا دور دورہ تھا۔ تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تیاری لشکر میں مدد دینے کی ترغیب دی۔ جس پر صحابہ کرام نے لبیک کہی۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے۔

"جس وقت لشکرِ تبوک کیلئے چندے کی اپیل (انفاق فی سبیل اللہ) ہوئی۔ تو میں نے دل میں کہا۔ کہ اگر حضرت ابوبکرؓ سے میں آگے بڑھ سکتا ہوں۔ تو وہ یہی موقع ہے۔ چنانچہ میں گھر گیا۔ اور بہت سا مال اسباب لاکر ڈھیر کر دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمرؓ بال بچوں کے واسطے کیا چھوڑا؟ جواب دیا۔ اسی قدر (یعنی نصف مال راہِ خدا میں دے دیا ہے اور نصف باقی ہے)

"اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سامان و اسباب پیش کیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا:

"اے ابوبکر! اپنے اہل و عیال کے لیے کیا رکھا ہے؟"

عرض کیا اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ اُن کے واسطے! اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ ؎

پروانوں کو چراغ! عنادل کو پھول بس!
صدیق کے لیے ہے، خدا کا رسول بس — اقبال

اسی حضرت عمرؓ خود فرماتے ہیں "میں سمجھ گیا۔ کہ میں حضرت ابوبکرؓ سے کبھی سبقت

Marfat.com

امیرِ الحج :

۹ھ میں سرورِ عالم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ حج مقرر کیا۔ مورخین متفق ہیں کہ اسلام میں آپ ہی پہلے امیرِ حج ہیں۔ تین سو آدمیوں کا قافلہ اُن کی سرکردگی میں زیارتِ کعبہ کے لیے گیا۔ اِسی سال حج کے زمانے میں حضرت علی مرتضیٰؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں مدینہ پہنچے اور سورۂ براءت کی بآوازِ بلند تلقین فرمائی۔ اس سے اگلے سال مشرکوں کے واسطے خانۂ کعبہ میں داخلہ ممنوع ہو گیا۔[1]

امامتِ صلوٰۃ :

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض نے شدت اختیار کی اور انہیں بستر سے اٹھنا دشوار محسوس ہوا۔ تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز باجماعت کی امامت کا حکم دیا۔ اور پنج شنبہ کی عشاء سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سترہ[17] نمازوں کی امامت فرمائی۔[2]

چونکہ دو شنبہ کی صبح کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آفاقہ محسوس ہونے لگا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ اجازت لے کر سُنح (مدینہ کا دُور افتادہ محلہ) چلے گئے۔ اُن کے چلے جانے کے بعد بھی حضورؐ کی طبیعت کافی حد تک سنبھلی رہی۔ چنانچہ اس دن حضرت علی مرتضیٰؓ نے صحابہ کو خوشخبری سنائی :

اَصْبَحَ بِحَمْدِ اللّٰہِ بَارِئًا — آج صبح سے خدا کا شکر ہے۔ صحت ہے

لیکن کچھ دیر بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت و صحت دوبارہ بگڑنے لگی اور انہوں نے اُسی دن وفات پائی۔

اس موقع پر تمام صحابہ ملول و دلگیر ہو گئے! یہ صدمہ ان کے لیے بڑا اندوہ اور کربناک تھا، حضرت عمرؓ اپنے جذباتِ غم کا یوں اظہار فرمانے لگے۔ کہ منافق

---

[1] فتح الباری۔ [2] سیرت ابن ہشام

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ خدا کی قسم! انہوں نے وفات نہیں پائی۔
اس موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ پہنچ گئے۔ اور آپ نے جو مختصر خطبہ ارشاد فرمایا وہ اُن کی قوتِ ایمانی اور عالی حوصلگی کا آئینہ دار ہے۔

"اے لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا تھا۔ وہ آج سمجھ لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ اور جو کوئی اللہ کو معبود مانتا تھا۔ تو وہ جان لے۔ کہ اللہ زندہ ہے۔ کبھی نہ مرے گا۔ خدا کا ارشاد ہے۔ اور نہیں ہیں محمدؐ مگر اللہ کے رسولؐ، اُن سے پہلے رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا وہ اگر فوت ہو جائیں گے یا قتل کر دیے جائیں گے۔ تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے۔ اور جو شخص پھر جائے گا۔ تو خدا کو کچھ نقصان نہیں[۲]"

اس آیتِ پاک کو سن کر لوگ چونک پڑے۔ اور حضرت عمرؓ شدتِ غم سے نڈھال ہو کر گر گئے۔

---

[۱] سیرت ابن ہشام۔ [۲] صحیح بخاری۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

اور اُن کے دین کے اعزاز و افتخار میں اضافہ کرو۔ تم اُن کے دشمنوں پر سب سے زیادہ بھاری ہو گئے۔ یہاں تک کہ تمام عرب کے سر احکامِ الٰہی کے سامنے چار و ناچار جھک گئے۔ اور تمہاری تلواروں نے عرب کو مطیع و فرمانبردار بنا دیا۔ خداوند تعالیٰ نے اُن کو وفات دی۔ درآنحالیکہ وہ تم سے راضی و خوش تھے، خلافت کے منصب کے لیے، پورا اصرار کرو۔ وہ صرف تمہارا حق ہے۔ دوسروں کا نہیں!"

اِس خطبے کے ختم ہونے پر انصار نے تائید میں تحسین و آفرین کے نعرے بلند کیے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، اور حضرت عمرؓ تینوں مجمع میں پہنچ گئے۔ انصار کا ایک اور خطیب اٹھا اور اُس نے بھی خلافت کے منصب کے لیے انصار کے حقوق و فضائل گنوائے [1]

جب انصاریوں کے خطیب اپنا اپنا سلسلۂ کلام ختم کر چکے۔ تو حضرت عمرؓ اُٹھے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے انہیں کہا "ٹھہرو" اور پھر خود کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ جس کے چند جملے درج ذیل ہیں:۔

"یہ حقیقت ہے۔ کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مخلوق کے پاس رسولؐ اور اُن کی اُمت کے واسطے رہنما بنا کر بھیجا۔ اس غرض سے کہ بندے اللہ کی عبادت اور اُس کی توحید کا اقرار کریں۔ عربوں کو اپنا آبائی دین چھوڑنا گراں گزرا۔ اُس وقت اللہ نے رسول کی قوم میں سے مہاجرین کو یہ خصوصیت بخشی کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی، ایمان لائے، اور خلافت کے لیے کمربستہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصیبتیں جھیلیں، اِس حالت میں کہ تمام لوگ اُن کے دشمن تھے۔ اور اُن کی جان کے دشمن ہو رہے تھے۔ وہ اس کے باوجود [illegible] گھبرائے۔ نہ دشمن کی سختی سے۔ لہٰذا یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے

[illegible] از [illegible] فرمان

سب سے پہلے روئے زمین پر اللہ کی عبادت کی۔ اُسی کے ساتھ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء اور کنبے والے ہیں۔ اور بلاشبہ خلافت کے منصب کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔"

"اے گروہِ انصار! تمہاری دینی فضیلت، اور اسلامی شرف سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ تم کو اللہ نے اپنے دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کے واسطے منتخب فرمایا۔ اپنے رسول کو تمہاری پناہ میں ہجرت کے بعد بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر ازواج و اصحاب تم ہی میں سے ہیں۔ لہٰذا مہاجرین اولین کے بعد تمہارا مقام و مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔"[1]

"پس ہم حاکم ہوں، تم وزراء! تم اپنے مشورہ پر اصرار مت کرنا۔ ہم بغیر تمہارے مشورہ کے معاملات طے نہیں کریں گے۔"

آخر میں ابوبکر صدیقؓ نے ابو عبیدہؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا:۔

"ان دونوں میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو۔"

اور ساتھ ہی اُن دونوں اکابرین کے اوصاف و فضائل بھی بیان فرمائے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خطبہ کے بعد چند الفاظ کا اضافہ کیا:

"اے گروہ انصار! تم نے مدد اور قوت پہنچانے میں سبقت (پہل) کی تھی۔ لہٰذا تغیر و تبدل میں سبقت نہ کرو۔"

اس پر زید بن ثابت انصاری نے اپنے انصار بھائیوں کو یوں سمجھایا:۔

"یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمرۂ مہاجرین میں تھے۔ پس ضرور ہے کہ امام مہاجرین میں سے ہو۔ اور ہم سب اُس کے اُسی طرح مددگار ہوں۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔"

---

[1] تاریخ طبری، سیرت الصدیق حبیب الرحمٰن شیروانی۔

Marfat.com

حضرت بشیر بن سعد نے اپنے انصار بھائیوں کو یوں مخاطب کیا:۔

"اے گروہ انصار! اگر ہم نے مشرکوں کے جہاد میں سب سے زیادہ فضیلت حاصل کی۔ اور دین میں عزت پائی تو اس سے مقصود صرف اللہ کی رضا تھی۔ اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت! اور عاقبت میں فلاح و نجات ہمارا مدعا تھا۔ ہم کو روا نہیں۔ کہ ہم اس شرف کو دوسروں کے حقوق میں دست اندازی کا ذریعہ بنائیں۔ نہ اس کے عوض ہمیں دنیوی جاہ و منزلت طلب کرنا چاہیئے۔ خوب سمجھ لو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریشی تھے۔ لہٰذا اُن کی قوم اُن کی جانشینی کی سب سے زیادہ اہل ہے۔

حضرت بشیر بن سعد کی تقریر کے اختتام پر حضرت ابوبکرؓ نے دوبارہ فرمایا:

"جس سے چاہو بیعت کر لو"

تب حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"نہیں خدا کی قسم! اس معاملہ میں ہم تم پر سبقت نہیں کر سکتے۔ تم مہاجرین میں سب سے افضل ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے رفیق! اور خلیفۂ نماز ہونے کی سعادت تمہیں میسر ہے۔ اور نماز مسلمانوں کے دین میں سب سے بڑھ کر عمل ہے۔ پس یہ کس کو زیبا ہے؟ کہ وہ تم پر مقدم ہو۔ یا تمہارے ہوتے ہوئے خلافت کا متولی بنے۔ ہاتھ بڑھاؤ! ہم تم سے بیعت کرتے ہیں"[۱۰]

انصار میں سے بشیر بن سعد نے سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بعد حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ نے اس پر تمام مجمع بیعت کے لیے امنڈ پڑا۔ بیعت کے بعد اگلے دن مدینہ کے سارے مسلمان مسجد نبوی میں جمع ہوئے اور بیعت عامہ بھی

Marfat.com

ہو گئی۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا مسئلہ بحسن و خوبی طے پا گیا۔

حضرت ابوبکرؓ کا پہلا خطبہ:

برسرِ اقتدار آنے کے بعد، سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

"اول خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر کہا:

"اے لوگو! واللہ! مجھے ہرگز امیر بننے کی حرص نہ تھی۔ نہ کبھی دن میں، نہ رات میں میرا میلان اس کی جانب تھا۔ اور نہ ہی میں نے اللہ سے ظاہر یا پوشیدہ اس کے لیے دُعا کی۔ البتہ مجھ کو یہ خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ مجھ کو حکومت میں کچھ راحت نہیں ہے۔ بلکہ مجھ کو ایسے امرِ عظیم کی تکلیف دی گئی ہے۔ جس کے برداشت کی مجھ میں طاقت نہیں۔"

"میری یہ آرزو ضرور تھی۔ کہ آج میری جگہ سب سے زیادہ قوی آدمی ہوتا بلاشبہ میں تمہارا امیر بنایا گیا۔ لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں راہِ راست پر چلوں تو میری مدد کرو۔ اور اگر بے راہ ہو جاؤں تو میری اصلاح کرو۔ صدق امانت ہے۔ اور کذب خیانت ہے۔ تم میں جو کمزور ہے۔ وہ میرے لیے قوی ہے۔ اِن شاء اللہ اس کا حق ضرور دلوا دوں گا۔ اور تم میں سے جو قوی ہے۔ وہ میری نظر میں کمزور ہے اُس سے اِن شاء اللہ حق لے کر چھوڑوں گا۔ قانونِ خداوندی ہے کہ جو قوم راہِ حق میں جہاد چھوڑ دیتی ہے۔ وہ ذلیل کر دی جاتی ہے اور جس قوم میں بے حیائی کا رواج ہو جاتا ہے اُس میں عام طور پر عذابِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں۔ تو تم میری اطاعت کرو۔ اور جب میں خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں۔ تم پر میری اطاعت لازم نہیں[1]

---

[1] تاریخ بخاری، استاد تاریخ ادب عربی شیخ احمد الاسکندری۔

Marfat.com

جیشِ اُسامہ کی روانگی:

مرضِ وفات سے چند دن پہلے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا تھا۔ جس کے سالارِ اعلیٰ اُسامہ بن زید مقرر ہوئے تھے۔ دراصل یہ مہم رومیوں کے مقابلہ پر بھجوائی جا رہی تھی تاکہ موتہ کے مقام پر مسلمانوں کو جو نقصان اٹھانا پڑا تھا اُس کا بدلہ چکایا جا سکے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بیعت سے اگلے دن جو پہلا سرکاری حکم جاری کیا وہ اس لشکر کی روانگی تھی جسے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جانب سے اعلان کیا گیا:

"جو لوگ اس مہم میں نامزد ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک آدمی بھی مدینہ میں نہ رہے۔ اور سب کے سب اپنے پڑاؤ (مقامِ جُرف) پر جمع ہو جائیں۔"[1]

غور فرمائیے۔ یہ حکم اس وقت دیا جا رہا ہے جب یہود و نصاریٰ کی سرکشی اور عربوں کے ارتداد کی خبریں آ رہی تھیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے الفاظ میں "اُس وقت مسلمان اُن بکریوں کے گلہ کے مشابہ تھے، جو جاڑوں کی سرد رات میں بارش میں گلہ بان کے بغیر رہ جائیں۔"

جب چند لوگوں نے مشورہ دیا کہ یہ مہم سرِدست ملتوی کر دی جائے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"قسم ہے۔ اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر مجھ کو یہ گمان ہوتا۔ کہ درندے مجھ کو اٹھا کر لے جائیں گے تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں اُن کے مامور کردہ لشکر کو ضرور بھیجتا۔ اور اگر بستیوں میں میرے سوا ایک (ذی روح) بھی باقی نہ رہتا تو بھی روانگیٔ لشکر کا ضرور حکم دیتا۔"[2]

---

[1] سیرت الصدیق۔ صہیب الرحمن خیرپانی۔ [2] تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی۔

Marfat.com

اسی دوران انصارِ مدینہ نے پیغام بھیجا کہ اگر آپ لشکر روانہ کریں۔ تو اُسامہ بن زید بن حارثہ (جن کی عمر انیس ۱۹ سال تھی) کی بجائے کسی پختہ کار اور تجربہ کار آدمی کو سردار مقرر کر دیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ غصے میں آکر بولے "تم کو موت آن لے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہؓ کو امیرِ لشکر بنایا۔ تم مجھ کو ہدایت کرتے ہو کہ میں اُنہیں معزول کر دوں"۔

اس کے بعد خود جُرف کے پڑاؤ پر تشریف لے گئے۔ جب کوچ ہُوا تو حضرت اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت ابوبکرؓ پا پیادہ چل رہے تھے۔ حضرت اُسامہؓ نے عرض کی "حضور یا تو مجھ کو پیادہ چلنے دیں یا خود سوار ہوں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے جواب دیا "میں نہ سوار ہوں گا۔ نہ تم کو پیادہ چلنے کی اجازت دوں گا" اگر میں ایک گھڑی راہِ خدا میں اپنے قدم خاک آلود کر لوں تو میری شان میں کیا فرق پڑتا ہے؟"

چالیس دن یا ستر دن کے بعد لشکر اپنا کام انجام دے کر مدینہ واپس آگیا۔ مورخین کا متفقہ خیال ہے کہ اس لشکر کی روانگی سے قبائلِ عرب میں مسلمانوں کی قوت کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور وہ جان گئے کہ اگر مسلمانوں میں قوت نہ ہوتی۔ تو اس لشکر کو مدینہ سے باہر نہ بھیجتے۔

جب یہ لشکر کامیاب و کامران لوٹا۔ تو اہلِ مدینہ نے باہر نکل کر اُن کا استقبال کیا۔

معلوم رہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شام کی طرف جیشِ اُسامہ روانہ کرتے وقت حضرت اسامہ بن زیدؓ کو دس زرین ہدایات دی تھیں۔ اور وہ یہ ہیں:-

- ☆ عورتیں اور بچے اور بوڑھے ہرگز قتل نہ کیے جائیں۔
- ☆ کسی لاش کو نہ بگاڑا جائے۔
- ☆ راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے۔ اور نہ عبادت گاہیں مسمار کی جائیں۔
- ☆ کوئی پھلدار درخت نہ کاٹا جائے۔

---

[1] تاریخ طبری

[2] خلافتِ راشدہ جلد اول

☆ آبادیوں کو ویران نہ کیا جائے۔

☆ جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔

☆ بدعہدی ہرگز نہ کی جائے۔

☆ جو لوگ اطاعت اختیار کرلیں۔ اُن کی جان و مال کا احترام کیا جائے۔

☆ مالِ غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔

☆ جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔

ابن اثیر اور بعض دوسرے مؤرخین اسلام لکھتے ہیں۔ کہ مسلمان مجاہدین نے ہمیشہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ان زرین ہدایات پر عمل کیا۔ اور اِن اصولوں پر سختی سے کاربند رہے۔

صدیقؓ عکسِ حُسنِ کمالِ محمدؐ است
فاروقؓ ظلِّ جاہ و جلالِ محمدؐ است
عثمانؓ ضیائے شمعِ جمالِ محمدؐ است
حیدرؓ بہارِ باغِ خصالِ محمدؐ است

Marfat.com

فتنۂ ارتداد

منکرینِ زکوٰۃ کا انجام :

عرب کے طول و عرض میں جیسے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پھیلتی گئی۔ ویسے ویسے بعض جدید الاسلام عناصر، اور منافق قسم کے لوگوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ اور جاہلیت کی طرف لوٹنے لگے۔ یہاں یہ بات اُصولی طور پر ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ جب فتنہ و فساد کی آگ روشن ہوئی تو ایک شخص بھی ایسا مرتد نہیں ہُوا۔ جو قدیم الاسلام تھا۔ اور جن پر حق واضح ہو چکا تھا۔ صرف جدید الاسلام قبیلوں کے بعض افراد مرتد ہوئے۔ یا منافقوں کا نفاق ظاہر ہونے لگا۔[1]

حضرت ابوبکرؓ کو منصبِ خلافت سنبھالتے ہی بہت جلد مسلمان عمّال و امراء کے خط آنے لگے۔ جن میں بعض قبائل یا افراد کے ارتداد اور سرکشی کی اطلاع درج تھی۔ نیز اُن رُوح فرسا مظالم کا تذکرہ تھا جو مرتدوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو سہنا پڑے۔

ابھی خلافتِ صدیقی پر دس دن گزرے تھے۔ کہ بنی اسد، بنو فزارہ، بنو غطفان۔ ثعلبہ و مرّہ، بنو عبس ان مرتد قبائل نے جمع ہو کر مدینۃ الرسول کو گھیرے میں لے لیا۔ اور شہر سے تقریباً ایک منزل دور چاروں طرف خیمہ زن ہو گئے۔ اور پھر حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں یہ پیام بھیجا "ہم سے نماز پڑھوا لیجئے۔ مگر زکوٰۃ معاف کر دیجئے"[2]

حضرت صدیقِ اکبرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا۔ حضرت عمرؓ اور دوسرے بیشتر صحابہ نے انہیں رعایت و نرمی کی روش اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ

---

[1] حافظ خطابی [2] سیرت الصدیق، حبیب الرحمٰن شروانی

کے الفاظ یہ تھے:

یَا خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ تَاَلَّفِ النَّاسَ وَ اَرْفِقْ ۔	اے خلیفہ رسول اللہ! ان لوگوں کے ساتھ تالیف قلوب اور نرمی کا سلوک کیجئے۔

یہ جملہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے ارشاد فرمایا:۔

"اے عمر بن خطاب یہ کیا ہے کہ تم جاہلیت میں بڑے سخت تھے۔ مسلمان ہو کر اتنے ذلیل و خوار بن گئے۔ وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ دین اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے، کیا میری زندگی میں اس کی قطع و برید کی جائے گی۔ واللہ اگر (فرض زکوٰۃ میں سے) ایک رسی کا ٹکڑا بھی دینے سے لوگ انکار کریں گے۔ تو میں جہاد کا حکم دوں گا۔"[1]

فاروقِ اعظمؓ کا قول ہے کہ اس کلام کو سن کر مجھ پر منکشف ہو گیا کہ اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ جہاد کے لیے کھول دیا ہے۔[2]

اسی دوران جیش اسامہ روانہ ہو چکا تھا۔ مرتد قبائل کے نمائندوں نے جا کر مدینہ کے مسلمانوں کی بے سروسامانی اور قلتِ تعداد کی روداد بیان کی۔ جس سے اُن کے حوصلے دوچند ہو گئے۔

اِدھر حضرت ابوبکرؓ نے قاصدوں کو رخصت کرتے ہی مدینہ کی حفاظت کا اہتمام شروع کر دیا۔ شہر کے ناکوں پر حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو مقرر فرما دیا۔ عام اہلِ مدینہ کو جمع کر کے سمجھایا "دشمن کے بعض لشکر تم سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہیں نہ جانے تم پر کس وقت حملہ کر دیں؟ اس لیے تم کو ہر وقت مسلح ہو کر مسجد نبوی میں حاضر رہنا چاہیئے۔

منکرین زکوٰۃ کے نمائندوں کی واپسی کے تیسرے ہی دن انہوں نے مدینہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ پہلے سے آگاہ تھے۔ فوراً جوابی کارروائی کی گئی، حتیٰ کہ حملہ آوروں کے قدم اکھڑ گئے

---

[1] تاریخ طبری [2] صحیح بخاری

اور انہوں نے ذی حسن تک جاکر دم لیا۔

ذوالقصہ کے مقام پر اُن کی افواج موجود تھیں۔ وہ بھی ذی حسن آن پہنچیں۔ اور ذوبارہ حملے کی تیاری شروع کر دی۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے راتوں رات سفر طے کر کے صبح ہوتے ہوتے مرتدوں کے لشکر پر چھاپا مارا۔ سورج کے طلوع ہونے تک دشمن کی فوجیں شکست کھا کر بھاگ نکلیں۔ جن کا تعاقب ذوالقصہ تک مجاہدین اسلام نے کیا۔

ذُوالقصہ کی فتح سے، اہل حق دین اسلام پر تازہ عزم و جوش سے کاربند ہو گئے۔ اسی دوران حضرت اسامہؓ کا لشکر مدینہ میں کامیاب و کامران پہنچ گیا۔ اُن کو مدینہ کی حفاظت کے لیے مقرر کر کے حضرت ابوبکرؓ ذوالقصہ سے ہوتے ہوئے زِبذہ (مدینہ سے تین میل) کے پاس (ابرق نامی مقام پر) پہنچے۔ اور وہاں دشمن کے لشکروں کو عبرتناک شکست دی۔

دوسرے مرتد قبائل سے پنجہ آزمائی:۔

پھر صحابہ کرام کے مشورے سے حضرت ابوبکرؓ نے خود مدینہ میں ٹھیر کر، مختلف علاقوں کی طرف اسلامی عساکر بھجوانے کی رائے کو قبول کر لیا۔ جو ارتداد کی آگ کو بجھائیں ہر لشکر کے سپہ سالار کو فرمانِ خلافت دے دیا گیا۔ جس میں مخالفین کو مخالفت سے باز آنے، اور دینِ حق کی جانب رجوع کرنے کی ہدایت اور ترغیب تھی۔ اور واضح کر دیا گیا تھا کہ اگر وہ شرارت سے باز نہ آئیں گے تو پھر مسلمانوں کی چمکتی تلواروں کا انہیں سامنا کرنا ہوگا۔

چونکہ حضرت ابوبکرؓ خون خرابہ نہ چاہتے تھے۔ اس لیے جہاں بھی صلح و آشتی سے کام چل سکتا تھا وہاں تلوار نہیں چلائی گئی۔ لیکن جہاں مرتدوں نے مزاحمت کی۔ وہاں خونریزی ناگزیر تھی۔

اس موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے گیارہ لشکر ترتیب دیے۔ اور اُن کے لیے مندرجہ ذیل قائدین مقرر فرمائے۔ اسلامی افواج کی مجموعی تعداد مؤرخین کے اندازے کے مطابق چالیس ہزار تھی۔

Marfat.com

☆ خالدؓ بن ولید کو پہلے طلیحہ اور پھر بنی تمیم کے مالک بن نویرہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا

☆ عکرمہؓ بن ابوجہل کو حکم دیا گیا کہ وہ مسیلمہ کذاب، اور اس کے حامیوں سے مقابلہ کریں۔

☆ مہاجرؓ بن ابی اُمیہ کو اَسود عنسی کے پیروکاروں سے نمٹنے کے لیے بھیجا گیا۔

☆ خالدؓ بن سعید بن عاص کو حدودِ شام کی حفاظت کے لیے بھیجا گیا۔

☆ عمرؓ بن العاص کو بنو قضاعہ سے مقابلہ کرنے کا حکم ملا، جو مرتد ہو گئے تھے۔

☆ حذیفہؓ بن محصن کو عُمان کے پایۂ تخت کے باشندوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا۔

☆ عرفجہؓ بن ہرثمہ کو بنو مُہرہ سے جنگ کرنے کی تاکید ہوئی۔

☆ طُریفؓ بن حاجن کو بنو سُلیم اور ان کے حلیف اہل ہوازن سے لڑنے کا حکم ہُوا۔

☆ سُوَیدؓ بن مقرن کو تہامہ (یمن) کے مرتد قبائل سے جنگ کرنے کا کام سونپا گیا۔

☆ العلاءؓ بن حضرمی کو بحرین کے محاذ پر بھجوایا گیا۔

☆ شرحبیلؓ بن حسنہ کے سپرد دو مہمات ہوئیں۔ اوّل یہ کہ وہ مسیلمہ کذاب سے نمٹنے میں عکرمہؓ بن ابوجہل کی مدد کریں۔ دوسرے جب اِس کام سے فارغ ہو جائیں تو بنو قضاعہ کی سرکوبی میں عمر بن العاص کی مدد کریں۔

اِن لشکروں کی مہمات کی تفصیل میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں۔ صرف دو مہموں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک صلح و آشتی کا نمونہ ہے۔ اور دوسرا رزم و خونریزی کا مظہر ہے۔

قبیلۂ طے اور قبیلۂ جدیلہ کے خلاف مہم:

سب سے پہلے نمونہ دیکھئے افہام و تفہیم کے ذریعے مرتدین کو قائل و معقول کرنے کا!

Marfat.com

خالد بن ولید کو طلیحہ مدعی نبوت کے قلع قمع کے لیے مامور کیا گیا۔ جن کی قبیلہ طے بھی امداد کر رہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عدی بن حاتم کو روانہ فرمایا۔ کہ اپنے قبیلے کو سمجھائیں بجھائیں اور دنیا و آخرت کی تباہی سے بچائیں۔ چنانچہ آگے آگے حضرت عدی بن حاتم نکلے۔ اور اُن کے پیچھے پیچھے حضرت خالد بن ولید کا لشکر روانہ ہوا۔

حضرت عدی بن حاتم نے پہلے اپنے وطن جاکر قبیلے کے لوگوں کو سمجھایا بجھایا۔ انہوں نے بمشکل اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اور وعدۂ اطاعتِ ابوبکرؓ و رسولؐ کیا۔ لیکن اجازت چاہی۔ کہ اُنہیں طلیحہ کے لشکر سے اپنے ساتھیوں اور اہل و عیال کو نکالنے کے لیے تین دن کی مہلت دی جائے۔ چنانچہ اُنہیں مطلوبہ مہلت دے دی گئی۔ حضرت عدی ابن حاتم اپنے قبیلہ کے لوگوں کو لیے ہوئے، تجدیدِ اسلام کے لیے حضرت خالد کے پاس حاضر ہو گئے۔ اس طرح یہ مہم کسی خون خرابے کے بغیر سر ہو گئی۔ اس پُرامن مہم کے ختم ہو جانے کے بعد حضرت خالد بن ولید کی افواج نے قبیلۂ جدیلہ کا رُخ کیا۔ چونکہ یہ قبیلہ بھی کسی حد تک قبیلہ طے کے زیرِ اثر تھا۔ اِس لیے عدی بن حاتم نے یہ رائے دی۔ کہ مجھے موقع دیا جائے۔ کہ میں جاکر اُن کو فہمائش کروں۔ حضرت خالد نے اُنہیں اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت عدی قبیلہ جدیلہ کے رؤساء کے پاس گئے۔ اور اُنہیں سمجھایا بجھایا۔ آپ کی کوشش اثر انگیز اور سود مند نکلی اور خالد بن ولید کی سب نے اطاعت اختیار کر لی۔

اِس طرح عدی بن حاتم کی ہمت و کوشش سے قبیلہ طے، اور قبیلۂ جدیلہ دونوں امن و سلامتی سے راہِ راست پر آ گئے۔ مسلمان مؤرخین نے عدی بن حاتم کی اِن مساعی جمیلہ کو سراہا ہے۔ اور اُن کے بارے میں یہ رائے قائم کی ہے کہ:

"وہ قبیلہ طے کے بہترین فرزند تھے۔ جن کی وجہ سے برکت عظیم نازل ہوئی"۔

اس کے بعد حضرت خالد طلیحہ کی طرف بڑھے۔ لیکن وہ شکست کھا کر شام کی طرف بھاگ نکلا۔ اور کچھ عرصے بعد دوبارہ ایمان لے آیا[1]

---

[1] طبری

قبیلۂ بنو حنیفہ کے خلاف مہم:

اسلامی افواج کا سب سے زبردست معرکہ، بنو حنیفہ کے قبیلے کے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے ساتھ ہوا۔ بنو حنیفہ کا قبیلہ، یمامہ (نجد) کا سب سے طاقت ور قبیلہ تھا۔ اُس نے یہ بلند بانگ دعویٰ پیش کیا۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی شریکِ رسالت کر لیا ہے۔ اس کے اِس جھوٹے دعویٰ کی تائید رحمان نامی شخص کرتا تھا۔ جو مدینہ میں شرفِ حضوری حاصل کر چکا تھا، لیکن جھوٹے دعوے اور غلط بیانیوں سے مسیلمہ کذاب کا کاروبار چمکانا چاہتا تھا۔ اُدھر مسیلمہ کذاب مسجع اور مہمل عبارتیں بھی تراش کر لوگوں کو سناتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ یہ وحی ہے۔ اُس نے شراب اور زنا کی حلت کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ سارے نفس پرست اُس کے گرد جمع ہونے لگے۔ اُدھر جب قبیلہ بنو تغلب کی مدعیہ نبوت سجاح بنت حارث نے بھی اُس سے شادی رچالی۔ تو اُس کی ظاہری شوکت و قوت میں اضافہ ہو گیا۔ اور اُس کی فوج چالیس ہزار تک ہو گئی۔

حضرت ابوبکرؓ نے مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے دو لشکر بھجوائے تھے۔

ایک حضرت عکرمہ کی زیرِ امارت، دوسرا شرحبیل بن حسنہ کی ماتحتی میں! لیکن یہ دونوں سپہ سالار مسیلمہ کذاب کے لشکروں سے نمٹ نہ سکے۔ تب مرکزِ خلافت نے حضرت خالد بن ولید کو مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے مامور فرمایا۔ یمامہ میں (عقربا) حق و باطل کا معرکہ برپا ہوا۔ شروع شروع میں مسیلمہ کذاب کا پلہ بھاری رہا۔ اور لشکرِ اسلام کی جمعیت پریشان ہونے لگی اور انہیں پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ اس نازک گھڑی میں حضرت قیس بن ثابت نے صدا لگائی:

"اے اللہ میں تیرے سامنے اہلِ یمامہ کے معبود سے، اور اُن کی باغیانہ حرکتوں سے اظہارِ نفرت کرتا ہوں" اور یہ کہہ کر بڑھے، "مسلمانو! دیکھو یوں حملہ کیا جاتا ہے"

Marfat.com

تب حضرت زید بن خطابؓ نے پکار کر کہا:

"مسلمانو! خیموں سے ہٹ کر کہاں جاؤ گے۔ واللہ! آج میں اُس وقت تک کلام نہ کروں گا۔ کہ یا تو دشمن کو شکست دوں، یا خدا کے سامنے پہنچ کر اپنی معذرت پیش کروں۔"

اور یہ کہہ کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

اتنے میں ابو حذیفہ نے للکار کر کہا:

"اے اہلِ قرآن! قرآن کی زینت، اپنے عمل سے بڑھاؤ۔"

اور دشمن پر ہلّہ بول دیا۔

براء بن مالک نے پُرجوش الفاظ میں کہا:۔

"اے گروہِ مسلمین کدھر کا ارادہ ہے؟ میں براء بن مالک ہوں میری طرف آؤ۔"

صحابۂ اجل کی اِن ترغیبوں اور نعروں سے مسلمانوں میں اتنا حوصلہ پیدا ہو گیا۔ کہ نہ صرف وہ میدانِ جنگ میں جم کر لڑنے لگے۔ بلکہ دشمن پر بساطِ جنگ الٹ دی۔

اس معرکہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مؤرخ اسلام طبری نے لکھا ہے:

"حدیقہ[1] کے قرب و جوار میں دس ہزار مرتد مارے گئے، اسی لیے اُس کا نام "حدیقۃ الموت" قرار پایا ۔۔۔ مسیلمہ کذاب کو وحشی نے واصلِ جہنم کر دیا اور جھوٹی نبوت کی ناؤ ڈوب گئی۔"

فتنۂ ارتداد کی حقیقت:

مورخینِ اسلام نے فتنۂ ارتداد کے حسب ذیل وجوہ بیان کیے ہیں:۔

دعوتِ اسلامی کی غیر معمولی کامیابی۔ سیاسی غلبے اور نقطۂ عروج پر پہنچنے کے

---

[1] یہ باغ ہے جہاں مسیلمہ کذاب کو وحشی نے مارا گیا۔ یہ جو اس کا فوج کی تمام [illegible] تھا جسے پہنچ کر نقصان جان سکتے تھے۔

Marfat.com

نظام نبی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مرکز و محور تھی۔ بقول شخصے

"آپؐ اس ملت کی میزان کا مرکزِ توازن ہیں۔ آپ ہی کی بدولت اس کے دونوں پلڑوں میں توازن قائم ہے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ مرکزِ توازن باقی نہ رہ سکا۔ اس لیے ضعیف الایمان لوگوں میں انتشار و اضطراب کا پیدا ہو جانا زیادہ تعجب خیز امر نہ تھا۔ اُنہوں نے یہ غلط موقف اختیار کر لیا۔

اَطَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مُذْ کَانَ بَیْنَنَا
فَیَا لَعِبَادِ اللّٰہِ مَا لِاَبِیْ بَکْرٍ

"جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے۔ ہم اُن کی اطاعت کرتے رہے، خدا کے بندو! ہمیں یہ تو بتاؤ کہ ہم حضرت ابوبکرؓ کی اطاعت کیوں کر کریں"[1]

لیکن قدیم الاسلام مخلص مسلمانوں نے آگ اور خون کے طوفان سے گزر کر سرکشوں کو نیچا دکھایا۔ اور انہیں نظامِ خلافت کا تابع فرمان بنا دیا۔ یا پھر تہس نہس کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ابتدائی تیرہ سال مکہ مکرمہ میں گزر گئے لیکن قریش کی مزاحمت کے سبب اسلام نہ پھیل سکا۔ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دس سال تبلیغ کرنے کی مہلت ملی۔ لیکن اُنہیں قریش مکہ کے بار بار کے حملوں۔ یہودیوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں نے اتنی فرصت نہ لینے دی کہ وہ تبلیغ کا کوئی ہمہ گیر نظام قائم کر سکتے یہاں تک کہ مدینہ کے گرد و پیش بھی اسلام کی دعوت پوری طرح سے نہ پہنچائی جا سکی۔ اس لیے مدینہ کے قرب و جوار کے بعض قبائل زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکاری ہوئے۔

عربوں کی تاریخ سے آگہی رکھنے والے اصحاب کی نظر سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ جنوبی

---

[1] صدیق اکبر ... عباس محمود العقاد۔

Marfat.com

عرب (عرب عاربہ) اور شمالی عرب (عرب متعربہ) میں صدیوں سے مخالفت اور مخاصمت چلی آتی تھی۔ یہاں تک کہ شمالی عرب کے لوگ لفظ اللہ پکارتے تھے۔ تو جنوبی عرب کے لوگ لفظ رحمٰن استعمال کرتے تھے۔ یہ عصبیت عہد نبوی میں دب گئی تھی۔ لیکن مٹ نہ سکی تھی چنانچہ مسیلمہ کذاب کے ساتھی صاف صاف کہا کرتے تھے۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ "مسیلمہ جھوٹا ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ لیکن قبیلہ ربیعہ کا جھوٹا شخص، مُضر کے سچے انسان سے ہم کو زیادہ محبوب ہے"۔

یہود، نصاریٰ، اور مجوس، جو عرب میں آباد تھے۔ اسلام کی روز افزوں طاقت سے خائف ہو کر دبک گئے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اُنہوں نے عرب قبائل میں بے چینی دیکھی۔ تو انہوں نے ارتداد کے شعلوں کو بھڑکانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ چنانچہ سجاع بنت الحارث، جس نے دعویٰ نبوت بھی کیا۔ اور پھر اپنے دعوے کو مسیلمہ کذاب کی نبوت میں مدغم کر دیا۔ اُس کے ساتھیوں کی بہت بڑی تعداد بنو تغلب کے عیسائیوں کی تھی۔

ایک بڑا سبب یہ بھی تھا۔ کہ ایران اور روما کی حکومتوں نے عرب کی سرحدوں پر دو (استعماری صوبے) قائم کر رکھے تھے۔ جب اسلام کا غلغلہ بلند ہوا۔ اور پیہم فتوحات کے سبب اسلام کے قدم مضبوطی سے جم گئے۔ تو ایران و روم کی دونوں مملکتوں کو اپنی فکر پڑی۔ اور اُنہوں نے اُن عرب قبائل کو، جو اُن کے احسان مند اور دستِ نگر تھے اسلام کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ کا اہتمام ایسے ہی لوگوں کی سرکوبی کے لیے کیا تھا۔ لیکن ابھی اس مقصد کا حصول باقی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ اور اسلام کے خلاف جو مواد عرصے سے پک رہا تھا۔ کوہِ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔

دَورِ صدّیقی میں ابتدائی فُتُوحات

عراق وایران سے نزاع کے اسباب:

تمدنی وجہ:-

اہل ایران اپنی صدیوں پُرانی قومی تہذیب پر نازاں تھے۔ اور ہمسایہ ملکِ عرب کے باشندوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ عربوں کو وحشی اور گنوار کہہ کر پکارتے اور اُن کے طرزِ بود و باش کا مذاق اُڑاتے۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ ایران خسرو پرویز کسریٰ کو خط لکھا۔ تو اُس نے غصے میں آکر نامہ مبارک چاک کر دیا۔ اور یمن کے گورنر باذان کو فرمان بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر لیا جائے۔ لیکن اُسی دوران خسرو پرویز کے بیٹے نے اپنے باپ کو قتل کر ڈالا۔ اور تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔

عسکری وجہ

چونکہ ایام جاہلیت میں عرب چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں بٹا ہوا تھا۔ اور اُن کی طاقت منتشر تھی۔ اس لیے ایرانی حملہ آور اُن پر اکثر غالب آجاتے تھے۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ قیادت وہ قبائل اسلام کے پرچم تلے جمع ہوئے۔ اور سرزمینِ عرب میں ایک منظم سلطنت کی داغ بیل پڑی۔ تو اہل ایران میں جارحانہ عزائم جاگ اُٹھے۔ اور انھوں نے عربوں کی نوزائیدہ مملکت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔

فوری وجہ:-

عراق کے عربی قبائل ایک عرصے سے ایرانیوں کے مظالم کا تختۂ مشق بنے ہوئے

Marfat.com

تھے۔ اس لیے جب عرب میں منظم ریاست قائم ہو گئی۔ تو قبیلۂ وائل کے سردار مثنیٰ ابن حارثہ حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اُن سے اجازت لے کر عراقیوں اور ایرانیوں سے نمٹ سکیں۔ جو عرب قبائل پر عرصۂ حیات تنگ کیے ہوئے تھے۔ اسلام سے قبل عرب یہ وہم گمان بھی نہ کر سکتے تھے۔ کہ وہ اپنی پڑوسی با سطوت حکومتوں پر حملہ آور ہوں گے۔ لیکن اسلام نے اُن کے تن مردہ میں جان ڈال دی اور انہیں یہ یقین و احساس دلایا۔ کہ کرۂ ارضی پر وہی سب سے زیادہ معزز قوم ہیں۔ اس لیے اب وہ بڑی بڑی با جبروت سلطنتوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

عراق پر فوج کشی اور فتوحات:

چنانچہ مثنیٰ ابن حارثہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بحرین کا پروانۂ امارت بھی حاصل کر لیا۔ اور عراق پر فوج کشی کی اجازت بھی لے لی۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ بخوبی آگاہ تھے۔ کہ عراق کی مہمات اکیلے مثنیٰ ابن حارثہ کے بس کا روگ نہیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت خالدؓ کو سالارِ اعظم بنا کر مثنیٰ ابن حارثہ کی امداد کے لیے بھیج دیا۔ مثنیٰ ابن حارثہ کے پاس آٹھ ہزار کی جمعیت تھی۔ اور خالدؓ بن ولید کی فوج دس ہزار جانبازوں پر مشتمل تھی۔ اس طرح اٹھارہ ہزار مجاہدین عراق فتح کرنے کی غرض سے بڑھے۔

مجاہدین اسلام کا پہلا معرکہ حفیر کے حاکم ہرمز سے ہوا۔ مقام کواظم میں گھمسان کا رن پڑا۔ اگرچہ دشمن کی ایک ڈویژن فوج نے اپنے آپ کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا تاکہ کوئی بھاگنے کا ارادہ نہ کرے۔ اسی وجہ سے یہ معرکۂ ذات السلاسل کہلایا۔ لیکن خالدؓ کی عسکری بصیرت اور شجاعت کے سامنے اُن کی ایک نہ چل سکی۔ ہرمز قتل ہوا۔ اور تعداد میں ایرانی کام آئے۔

عراق کی سرزمین پر دوسرا بڑا معرکہ مقام ثنی [illegible]

پڑا۔ تیس ہزار ایرانی مارے گئے۔ ایران کے بڑے بڑے نامور رؤسا، قارن، نوشجان، قباذ کام آئے۔ اِسے مُذار کی جنگ بھی کہا جاتا ہے۔

تیسرا معرکہ وَلجہ کے مقام پر درپیش ہُوا۔ اِس مرتبہ ایرانیوں نے اپنے حامی عرب قبیلوں کو لڑایا۔ جن کی قیادت انداز نمر نے کی۔ فریقین نے شجاعت کے جوہر دکھائے۔ بظاہر فتح و شکست کا فیصلہ مشکل نظر آتا تھا۔ لیکن حضرت خالدؓ کی حسنِ تدبیر سے یہ معرکہ مسلمانوں کے حق میں رہا۔

عراقیوں کے ساتھ مجاہدینِ اسلام کی چوتھی بڑی جنگ "معرکہ اُلَیس کہلاتی ہے۔ جس میں ایرانیوں کے نامور سردار جابان سے مقابلہ ہُوا۔ ابنِ جریر طبری، ابنِ اثیر دونوں نے کفار کے مقتولین کی تعداد ستر ہزار بتلائی ہے۔ جابان ابتدائے جنگ میں خالد بن ولید کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس فتح کی اطلاع ملی۔ تو اُنہوں نے فرمایا: "عورتیں خالد جیسا کوئی جرنیل پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔"

حیرہ عراق کا قلب و جگر تھا۔ اس پر بھی ۱۲ھ میں مسلمانوں نے ہلّہ بول دیا۔ جہاں کا حاکم ازاذبہ فارسی تھا۔ اس شہر کے چار قلعے تھے۔ قلعہ ابیض، قلعہ عزیمین، قلعہ ابن مازن، قلعہ ابن بقیلہ۔ محاصرہ سے عاجز آکر اُنہوں نے معاہدہ کر لیا۔ اُنہوں نے ایک لاکھ نوے ہزار درہم تاوان بھی ادا کیا۔ خالد بن ولید سال بھر حیرہ میں ٹھہرے رہے۔ اور اطراف و جوانب کے جاگیرداروں سے صلح کا عہد و پیمان کیا۔ اور وہ اسلام کے سایۂ عاطفت میں آگئے۔

عراق کا مشہور شہر انبار تھا (کیونکہ یہاں جَو اور زیتون کے بڑے بڑے ذخیرے اور گودام تھے) جس کا گورنر شیرزاد جیسا مدبر تھا۔ شروع میں انبار کے شہریوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن بعد میں صلح کے لیے عرض گزار ہوئے۔ جو درخواست خالد بن ولید نے منظور کر لی۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے تاک تاک کر کافروں کی آنکھوں کو نشانہ بنایا۔

Marfat.com

اس بنا پر یہ "آنکھوں والا معرکہ" کہلایا۔

یہاں سے فارغ ہو کر خالدؓ بن ولید نے "عین التمر" کے قلعے پر فوج کشی کی ہدایت میں عقہ نامی سردار حائل ہوا۔ جسے زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ مران والی عین التمر کو اطلاع پہنچی۔ تو بھاگ نکلا۔ اور یہ قلعہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں عراق کی سرزمین میں آخری جنگ (جو قیصر کے باج گذار قبائل سے) خالد بن ولید کی سرکردگی میں مجاہدینِ اسلام نے لڑی۔ وہ جنگِ فراض ہے۔ دشمن کی افواج کی مجموعی تعداد ایک لاکھ تھی۔ اس فوج کو مسلمان مجاہدین نے گھیرے میں لے کر تہ تیغ کر دیا۔ ایک سال دو ماہ کے قلیل عرصہ میں مسلمانوں نے جو فتوحات حاصل کیں۔ وہ تاریخ کا ایک نادر واقعہ ہے۔ خالد بن ولید نے نہ صرف تھوڑی مدت میں اتنی بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ بلکہ مفتوحہ علاقوں میں اسلام کے عادلانہ قوانین نافذ کر کے کسانوں اور غریبوں کو زمینداروں اور جاگیرداروں کے مظالم سے نجات دلائی۔

شام پر حملے کے اسباب:

عرب کے مشرق میں ایرانیوں کی زبردست حکومت تھی۔ تو مغرب میں رومیوں کی وسیع سلطنت تھی۔ عرب کے ملحقہ علاقہ شام پر بھی رومی قابض تھے۔ جن کا فرمانروا ہرقل تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے دور میں مسلمانوں نے شام پر فوج کشی کی۔ تو اس کے کئی اسباب یہ تھے مثلاً:۔

مذہبی رقابت:۔

عرب حضرت ابراہیمؑ کو اپنا مقتدا اور راہنما مانتے تھے۔ اور اُن کا مرکز مکہ معظمہ تھا۔ جہاں انہوں نے خانۂ خدا تعمیر کیا تھا۔ رومی جن کا مذہب عیسائیت تھا عربوں سے مذہبی بغض و عداوت رکھتے تھے۔ چنانچہ انہی رومیوں کے اشارے پر یمن کے گورنر ابرہہ نے خانہ کعبہ پر حملہ کیا تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ اور اس کا لشکر تہس نہس

Marfat.com

فرمادیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ ابراہیمی ہی کی تجدید فرمائی۔ اور عربوں نے بڑے جوش اور ولولے سے دین اسلام کو قبول کر لیا۔ تو رومی اپنی مذہبی عصبیت کے تحت مرکز اسلام مدینہ پر فوج کشی کے منصوبے باندھنے لگے۔

سیاسی نزاع:۔

سنہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت دِحیہ کلبی کے ساتھ بدسلوکی کی گئی۔ اور آپ کے دوسرے سفیر حضرت حارث بن عمرو کو قتل کر دیا گیا۔ جس کے قصاص میں غزوۂ موتہ ہوا۔ رومیوں نے سنہ ۹ھ میں باقاعدہ مدینہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدافعت کے لیے نکلنا پڑا۔ جسے مورخین غزوۂ تبوک کا نام دیتے ہیں۔

فوری وجہ:۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد جب تک عرب میں ارتداد و بغاوت کے شعلے بھڑکتے رہے۔ ہرقل قیصرِ روم مطمئن رہا۔ اس کا خیال تھا کہ عرب کی نوزائیدہ مملکت خانہ جنگیوں کی اِسی آگ میں جل بھن کر راکھ ہو جائے گی۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ تمام مدعیانِ نبوت اور باغیوں کو ذِلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ بلکہ مسلمانوں کو ایران جیسی عظیم مملکت کے ایک حصے (عراق) پر بہت بڑے پیمانے پر فتوحات نصیب ہو چکی ہیں تو اس نے بدحواس ہو کر بہت سے اُن عرب قبائل کو جو شام میں آباد تھے۔ اور قیصر کے باج گذار تھے۔ ساتھ ملا کر ایک عظیم الشان فوج تیار کر لی۔ حضرت ابوبکرؓ کو صورتِ حال سے آگاہی ہوئی تو آپ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا۔ جس میں اکابر صحابہ شریک ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اِس اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اب آپ لوگوں نے سُن لیا ہے۔ کہ ہرقل ہمارے مقابلے کی غرض سے کثیر تعداد میں فوجیں جمع کر رہا ہے۔ میرے خیال میں ہمیں اِس خطرے کا مقابلہ پوری طاقت و جرأت سے کرنا چاہیئے۔"

Marfat.com

اس موقعہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نہایت مناسب بات کہی۔ فرمایا:۔

"یہ اہل روم بہت تیز و تند ہیں۔ اور مضبوط ستونوں کی مانند ہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے اُن کی رائے قبول کرتے ہوئے تمام مملکت میں سے مجاہدوں اور رضاکاروں کو جمع کرنے کی مہم شروع کر دی۔ یمن کے قبائل، قبیلہ طے، قبیلہ آزد، اور کئی دوسرے عرب قبائل تعمیلِ ارشاد کے لیے مدینہ (میدان جُرف) میں جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ یمن و حجاز کے اِن قبائل کے علاوہ بدر و اُحد کے معرکوں میں شریک ہونے والے اجلّ صحابہ بھی شریکِ لشکر ہوئے۔ اکیس ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر، سرزمین شام پر حملہ آور ہُوا۔ یہ لشکر تین حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصّے کی قیادت عمر بن العاص فرما رہے تھے۔ دوسرے کے سالارِ اعظم ابو عبیدہ تھے۔ تیسرے کے قائد یزید بن ابی سفیان تھے۔

ان تینوں لشکروں کے شام پہنچنے سے پہلے شام کی سرحدی چوکی پر مامور خالد بن سعید نے قیصر روم کی افواج کے ہجوم و اجتماع سے متاثر ہو کر جلد بازی میں قیصر کی افواج پر حملہ بول دیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی ہدایت کو نظر انداز کرتے ہوئے، دشمن کے علاقے میں بڑھتے چلے گئے۔ رومی فوج کے افسرِ اعلیٰ، باہان نے انہیں گھیر کر بُری طرح نقصان پہنچایا۔ یہاں تک کہ خالد بن سعید کا اپنا فرزند بھی لڑتا ہُوا شہید ہو گیا۔

بہر حال حضرت ابوبکرؓ کے روانہ کیے ہوئے لشکر مختلف اطراف سے شام میں داخل ہوئے اور خالد بن سعید کی ناکامی کی اطلاع سے اُن کے حوصلوں میں تزلزل پیدا نہ ہُوا۔

مسلمانوں کے اِن تینوں لشکروں نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی۔ کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اور قیصر روم کی پالیسی یہ ہے۔ کہ اسلامی لشکر ایک محاذ پر جمع ہو کر اجتماعی قوت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب بھیجا کہ "تم سب ایک جگہ ہو جاؤ اور ایک لشکر بنا لو۔ اور یرموک کے دریا کے کنارے دشمن کا انتظار کرو۔" رومی اور مسلمان دریائے یرموک کے کنارے دو ماہ تک آمنے سامنے پڑے رہے۔ شروع میں معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں

Marfat.com

لوٹی فیصلہ کن معرکہ نہ ہوا۔

اُدھر حضرت ابوبکرؓ روم کی قوت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ انہوں نے بھجوائے ہوئے تینوں لشکروں کو ناکافی سمجھا۔ اور خالد سیف اللہ کو تاکید کی۔ کہ وہ عراق کے محاذ سے ہٹ کر شام کے محاذ پر چلے جائیں۔ چنانچہ خالد بن ولید نے مثنیٰ ابن حارثہ کو عراق کا انتظام سونپ کر شام کی طرف یلغار شروع کی۔

خالد بن ولید شام کے محاذ پر:۔

شام کا پہلا شہر جو خالد بن ولید نے فتح کیا۔ وہ بُصریٰ تھا۔ جس کا ایک عرصہ سے شرحبیل بن حسنہ اور یزید بن ابی سفیان نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ حضرت خالد نے آتے ہی اس زور کا حملہ کیا۔ کہ شہر فتح ہو گیا۔

بصریٰ کی فتح کے بعد حضرت خالد، اجنادین کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں قیصر روم ایک لاکھ لشکر جرار جمع کر چکا تھا۔ حضرت خالد نے تمام امرائے شام کو عقب سے حملہ آور ہونے کو کہا۔ اور خود سامنے سے قیصر روم کے لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ تھیوڈورس، رومی افواج کا سپہ سالار مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔ اور بھاگ کھڑا ہوا۔ تین ہزار رومی مارے گئے۔ مورخ ابو اسماعیل ازدی نے لکھا ہے کہ اجنادین کی جنگ شام کی پہلی بڑی جنگ ہے۔ جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ کو خوشخبری پہنچی۔ تو فرمایا:۔

"تمام حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ جس نے مسلمانوں کی مدد کی۔ اور میری آنکھیں اس مژدہ سے ٹھنڈی کیں"

اس کے بعد یرموک میں اسلامی افواج دوبارہ جمع ہوئیں۔ اور قیصر روم کے دوسرے بڑے لشکر کے سامنے پھر سے صف آرا ہو گئیں۔ حضرت خالد بن ولید نے دیکھا۔ کہ اسلامی لشکر الگ الگ سالاروں کے ماتحت لڑ رہا ہے۔ اس لیے جنگ نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ پس آپ نے حضرت عمرو بن عاص، ابو عبیدہ، اور یزید بن ابی سفیان کو مشورہ دیا۔ کہ ہم سب مل کر

Marfat.com

کسی کو اپنا باری باری سے سالارِ اعلیٰ مقرر کر لیں۔ سب نے اِس رائے سے اتفاق کیا۔ اور پہلے دن حضرت خالد سالارِ اعلیٰ بن گئے۔ اسی دوران حضرت ابوبکرؓ صدیق وفات پا گئے۔ اور حضرت عمرؓ برسرِ آرائے خلافت ہوئے۔ جنہوں نے خالد بن ولید کی معزولی کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ اور اس جنگ کے دوران ہی یہ حکم نامہ خالد بن ولید کو ملا۔ لیکن انہوں نے مصلحت کے تحت اِس کا اعلان نہ کیا۔ اور پہلے کی طرح جوش و خروش سے لڑتے رہے۔ جنگ کے بعد انہوں نے یہ حکمنامہ پڑھ کر سنایا۔ اور ابو عبیدہ بن جراح کی ماتحتی میں مصروفِ جہاد ہو گئے۔

Marfat.com

عظیم کارنامہ

جمع و تدوین قرآن

پس منظر:

مسیلمۂ کذاب سے جب مسلمانوں کا مقابلہ خالد بن ولید کی زیر سرکردگی ہوا۔ تو مسیلمہ کذاب کی فوج چالیس ہزار مرتدوں پر مشتمل تھی۔ اور مسلمانوں کی تعداد تیرہ ہزار تھی۔ جب آمنا سامنا ہوا تو مسلمانوں کی فوج میں کچھ ابتری کے آثار پیدا ہونا شروع ہوئے

اس موقعہ پر تین ہزار اکابر صحابہ نے الگ ہو کر صف بندی کی۔ اور دشمن کا اس بے جگری سے مقابلہ کیا۔ کہ مسیلمہ قتل ہوا۔ اور اس کی جمعیت بکھر گئی۔ اس دن تقریباً پانچ سو قُراء (حفاظ) شہید ہو گئے[1]

اس سے حضرت عمرؓ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ قرآن کی حفاظت کے معاملے میں صرف ایک ذریعہ پر اعتماد کر لینا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ الواح قلب کے ساتھ ساتھ صفحاتِ قرطاس پر بھی اس کو محفوظ کر لینا ضروری ہے۔ چنانچہ اس کام کی ضرورت و اہمیت اُنھوں نے حضرت ابوبکرؓ پر واضح کی۔ اور اُنھوں نے کچھ تامل کے بعد اس سے اتفاق کر کے حضرت زید بن ثابت انصاری کو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب (سیکرٹری) رہ چکے تھے۔ اس خدمت پر مامور فرمایا[2]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ کو جمع قرآن کے بارے میں تامل کس

---

[1] تاریخ اسلام معین الدین ندوی — [2] تفہیم القرآن جلد اول

لیے ہوا۔ اس بارے میں ابو عبداللہ زنجانی اپنی کتاب تاریخ القرآن میں لکھتے ہیں:۔

"شواہد سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کا موقف صرف یہ تھا۔ کہ قرآن کریم کو، جو اب تک ہڈیوں، لکڑیوں، اور کھالوں پر لکھا ہوا منتشر پڑا تھا، باقاعدہ اوراق پر لکھ کر جمع کر لیا جائے۔ لیکن صحابہؓ میں چونکہ حد درجہ احتیاط تھی۔ اور وہ ایسا کوئی کام نہ کرنا چاہتے تھے۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو۔ اس لیے وہ ڈرتے تھے۔ کہ کہیں یہ کام بدعت میں نہ شمار ہو۔"

جمع و تدوین کے کام کو زید بن ثابت نے بھی خاصی بحث و تمحیص کے بعد قبول کیا۔ صحیح بخاری میں خود ان کا یہ بیان ہے:۔

"مجھے حضرت ابو بکرؓ نے جنگ یمامہ کے بعد بلوا بھیجا۔ تو میں نے دیکھا کہ عمر بن الخطاب اُن کے پاس بیٹھے ہیں۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ یہ عمرؓ میرے پاس آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جنگ یمامہ میں بہت سے قرّاء شہید ہوئے ہیں۔ اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر اسی طرح دوسری جنگوں میں قراء شہید ہوتے رہے۔ تو بہت سا قرآن ہاتھوں سے جاتا رہے گا۔ لہٰذا میری رائے ہے۔ کہ آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ تو میں نے حضرت عمرؓ کو جواب دیا۔ کہ ہم اس کام کو کس طرح کریں۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا۔ خدا کی قسم! یہ نہایت ضروری اور بہتر کام ہے۔ اور یہ (حضرت عمرؓ) مجھ سے اس معاملہ میں بحث و تکرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو اس اقدام کے لیے کھول دیا۔ اور میری بھی وہی رائے ہو گئی ہے۔ جو حضرت عمرؓ کی ہے۔"[1]

پھر زید بن ثابت کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابو بکرؓ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

---

[1] صحیح بخاری باب فضائل القرآن۔

"تم جوان اور عقل مند آدمی ہو۔ ہم تم پر کسی طرح کی تہمت نہیں دے سکتے۔ نیز تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وحی کی کتابت کیا کرتے تھے۔ لہٰذا تم پورے قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے میں لگ جاؤ"۔ خدا کی قسم! اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کی زحمت دیتے۔ تو مجھ پر اس قدر گراں نہ گزرتا۔ جتنا جمع قرآن کی اس ذمہ داری کا بار گراں! جس کا انہوں نے حکم دیا۔ غرض میں نے کہا۔ آپ دونوں کس طرح وہ کام کرنا چاہتے ہیں۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ واللہ یہی بہتر ہے! پس حضرت ابوبکرؓ مجھ سے اصرار و بحث کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا۔ جس کے لیے اُس نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے سینوں کو کھول دیا تھا[1]

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی حیاتِ مبارکہ میں قرآن مجید کو یکجا مدوّن کیوں نہ کروایا؟

یہ ایک پیچیدہ بحث ہے۔ اس لیے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے ہم علامہ خطابی کے اس معلومات افزا قول پر اکتفا کرتے ہیں۔

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو ایک مصحف میں اس لیے جمع نہیں کیا۔ کہ ممکن ہے۔ کوئی حکم یا کسی آیت کی تلاوت منسوخ ہو جائے۔ لیکن جب آپ کی وفات پر سلسلۂ وحی منقطع ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کے دل میں، قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنے کا ولولہ پیدا کر دیا۔ کیونکہ یہ اللہ کے اُس سچے وعدہ کی تکمیل کا ایک ذریعہ تھا۔ جو اُس نے اِس اُمت کے لیے قرآن کی حفاظت کی خود ضمانت سے کرایا تھا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ

---

[1] صحیح بخاری۔

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ) اور اس کی ابتدا حضرت عمرؓ کے مشورے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھوں ہوئی۔"

یہاں پر ہم اس امر کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن مجید لکھا ہوا تھا۔ لیکن منتفرق تھا۔ اُس کے نوشتے منتشر تھے۔ جمع نہ ہوئے تھے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے قول یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً میں بیان فرمایا ہے۔ کہ قرآن صحیفوں میں جمع ہے۔ قرآن شریف لکھا ہوا ضرور تھا۔ لیکن منتفرق تھا۔ مربوط نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُسے ایک جگہ جمع کر دیا۔ پھر اُن کے بعد محفوظ رہا۔"

عام لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ عہدِ نبوت میں کلام مجید کی آیتوں اور سورتوں کی کوئی ترتیب نہ تھی۔ اور نہ سورتوں کے نام وضع ہوئے تھے۔ یہ کام عہدِ صدیق میں انجام پایا۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے۔ کہ آیات اور سورتوں کی ترتیب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بتادی تھی۔ اسی طرح سورتوں کے نام بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیے تھے۔ متعدد احادیث میں یہ مضمون آتا ہے۔ کہ فلاں فلاں سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں پڑھیں۔ نیز بعض سورتوں کے فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے نام لے لے کر بیان فرمائے ہیں۔ بناء برین یہ بات کسی قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ کہ آیات و سورتوں کی ترتیب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود بتائی تھی۔ چنانچہ حضرت امام مالک کا ارشاد گرامی ہے:۔

"قرآن مجید اس طرح تالیف کیا گیا۔ جس طرح صحابہ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھتے ہوئے سنتے تھے۔"[1]

---

[1] حوالہ سیرت ابوبکرؓ از محمد حسین ہیکل صفحہ [illegible]

Marfat.com

جمع قرآن کا طریقۂ کار:۔

اہل علم نے اُس طریق کار پر روشنی ڈالی ہے۔ کہ حضرت زید بن ثابت نے قرآن مجید کی جمع و تدوین کا کیا طریق کار اختیار کیا۔ اُن ساری روایات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مولینا ابوالاعلیٰ مودودی نے بڑے جامع الفاظ میں لکھا ہے:۔

"قاعدہ یہ مقرر کیا گیا۔ کہ ایک طرف تو وہ تمام لکھے ہوئے اجزاء فراہم کر لیے جائیں۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑے ہوں۔ دوسری طرف صحابہ کرام سے بھی جس جس کے پاس قرآن یا اس کا کوئی حصہ لکھا ہوا ملے۔ وہ اُن سے لے لیا جائے۔ اور پھر حفاظِ قرآن سے مدد لی جائے۔ اور اِن تینوں ذرائع کی متفقہ شہادت پر کامل صحت کا اطمینان کرنے کے بعد قرآن کا ایک ایک لفظ مصحف میں ثبت کیا جائے۔"

الام یا مصحف صدیقی کی تاریخ:۔

حضرت زید بن ثابت کا مدون کیا ہوا نسخہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے خزانے میں محفوظ رہا۔ اُس کے بعد حضرت عمرؓ کی تحویل میں آیا۔ جسے انہوں نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حوالے اس تاکید کے ساتھ کر دیا کہ کسی شخص کو نہ دیں۔ البتہ جس کو نقل کرنا ہو یا اپنا نسخہ صحیح کرنا ہو۔ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں حضرت حفصہؓ سے مصحف لے کر اُس کے چند نسخے کتابت کروائے۔ اور اہم مقامات پر اُن کو رکھوا دیا۔ لیکن اصل نسخہ حضرت حفصہؓ کو حسبِ وعدہ لوٹا دیا۔

جب مروان مدینہ کا حاکم ہو کر آیا۔ تو اُس نے اس نسخہ کو حضرت حفصہؓ سے لینا چاہا۔ لیکن انہوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ اور تاعمر اپنے پاس محفوظ رکھا۔ اُن کے انتقال کے بعد مروان نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی طرح وہ نسخہ حاصل کیا۔ اور اُسے اپنی غفلت شعاری کی بدولت ضائع کر دیا۔

Marfat.com

حضرت ابوبکرؓ صدیق کا عظیم ترین کارنامہ:۔

سابق وزیرِ معارف حکومتِ مصر محمد حسین ہیکل نے اپنی محققانہ تالیف "حضرت ابوبکرؓ" میں یہ بحث اُٹھائی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا کون سا کارنامہ سب سے زیادہ عظیم الشان ہے جو تدوین کی سرکوبی؟ اور سرزمینِ عرب سے ارتداد کا مکمل خاتمہ؟ عراق اور شام کی فتوحات؟ جو اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ثابت ہوئیں۔ جس کی بدولت انسان کو تہذیب و تمدن سے آگاہی نصیب ہوئی ہے یا کلام اللہ کو جمع کرنے کا کام جو ایک نبی اُمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اور جس نے اپنی نورانیت سے دنیا بھر کو روشن کر دیا؟ اور فاضل مؤلف نے خود ہی جواب دیا ہے۔ کہ "بلاشبہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کا سب سے بڑا اور مہتم بالشان کارنامہ جمع و تدوین قرآن ہے" سچ فرمایا تھا۔ جناب حضرت علی مرتضیٰؓ نے "اللہ حضرت ابوبکرؓ پر رحمت فرمائے قرآن کریم جمع کرنے کی وجہ سے وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اجر کے مستحق ہیں"

حضرت ابوبکرؓ صدّیق کا وصال

حضرت ابوبکر صدّیق جیسے نحیف و نزار انسان نے تائیدِ ایزدی سے دو اڑھائی سال میں وہ بڑے بڑے کام سرانجام دیے۔ جو بڑے بڑے سیاستدان، حکمران۔ اور سپہ سالار برسوں میں بھی نہ انجام دے سکیں۔ آخر آپ کی وفات کا وقت قریب آن پہنچا۔ اغلباً اُن کے مرض الموت کی ابتدا سردیوں کے دِنوں میں ٹھنڈے پانی سے نہا لینے سے ہوئی۔ اور پندرہ دن بخار میں مبتلا رہنے کے بعد وفات پا گئے۔ شدتِ بیماری کے باعث جب وہ نماز نہ پڑھا سکے۔ تو حضرت عمرؓ بن خطاب حضرت ابوبکرؓ کے نیابتاً پیروکار کی نماز پڑھاتے رہے۔

آپ کی وفات ۲۲ جمادی الاخری ۱۳ھ کو تریسٹھ برس کی عمر میں ہوئی۔

آپ کی مدتِ خلافت دو سال تین ماہ تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

Marfat.com

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

ابتدائی زندگی

حضرت عمرؓ کا اسم گرامی عمرؓ تھا۔ کنیت ابو حفص تھی۔ اور فاروق لقب تھا۔ والد کا نام خطاب تھا۔ تذکرہ نگاروں نے تصریح کی ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہؐ سے جا کر ملتا ہے۔ آپ کا خاندان ایام جاہلیت سے ہی ممتاز تھا۔ سفارت اور ثالثی کے منصب اُن کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے۔

حضرت عمرؓ کے ابتدائی حالات بہت کم معلوم ہیں۔ جب جوان ہوئے تو نسب دانی، سپہ گری پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کر لی۔ اور لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا۔ تجارت کی غرض سے انہیں دور دراز ممالک کا سفر کرنا پڑا جس سے اُن کے علم اور تجربے میں بڑا اضافہ ہوا۔ قبائل قریش میں جب کوئی نزاع برپا ہوتا۔ تو حضرت عمرؓ سفیر بن کر جاتے، اور معاملے سلجھا دیتے۔ بازار عکاظ میں شعر و سخن کا مقابلہ ہوتا تو حضرت عمرؓ بھی اپنا فیصلہ دیتے۔

حضرت عمرؓ نے اسلام کی دعوت کو اس وقت قبول کیا۔ جب تقریباً چالیس افراد آنحضورؐ پر ایمان لا چکے تھے۔ آپ کے ایمان لانے کے محرکات کا سراغ درج ذیل روایات میں ملتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی زبانی روایت ہے۔ کہ بعثت نبوی سے کچھ پہلے یا اُس کے تھوڑی مدت بعد، وہ ایک بُت کدہ میں سو رہے تھے۔ کہ انہوں نے دیکھا۔ کہ ایک بُت پر قربانی چڑھائی گئی۔ اور بُت کے اندر سے آواز آئی وہ ایک فصیح البیان کہتا ہے۔ لا الہ الا اللہ۔ اس آواز کو سنا تھا۔ کہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن میں کھڑا رہا۔ کہ دیکھوں، اس کے بعد کیا ہوتا ہے [illegible] آواز آئی۔ اغلباً اس ندائے غیبی سے اُن کے دل میں توحید کا خیال پیدا ہوا۔

Marfat.com

مسند احمد میں ایک دوسری روایت حضرت عمرؓ کی زبانی ہے۔

"میں ایک شب آنحضرتؐ کو ستانے کی غرض سے نکلا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ میں کھڑا سنتا رہا۔ اور قرآن حکیم کے نظم و اسلوب سے حیرت میں پڑ گیا۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ محمدؐ شاعر ہیں۔ ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آنحضورؐ نے یہ آیت پڑھی۔

"یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں" (سورہ الحاقہ)

میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا۔ کہ آنحضورؐ کاہن ہیں کہ میرے دل کی بات وہ جان گئے۔ آنحضورؐ نے تب یہ آیت پڑھی۔ "یہ کاہن کا کلام نہیں"..... یہ سورت میں نے آخر تک سنی۔ اور اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔ حضرت عمرؓ خود سخن ور تھے۔ اور نقاد بھی! اس لیے قرآن حکیم کے اسلوب بیان نے اُن کو مسخر کر لیا۔ لیکن برسوں پرانے عقاید و افکار کو وہ ابھی خیرباد نہ کہہ سکے۔

ایک دن پرانے افکار کی عصبیت نے انہیں اتنا مشتعل کر دیا کہ آنحضرتؐ کے قتل کے ارادے سے نکلے۔ راہ میں نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا خیر تو ہے؟ بولے محمدؐ کا فیصلہ کرنے کو جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہارے بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں فوراً پلٹے۔ اور بہنوئی کے ہاں پہنچے اور ان سے دست و گریبان ہو گئے۔ بہن نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے اُن کی خبر بھی لے ڈالی۔ وہ بھی لہولہان ہو گئیں۔ لیکن بولیں۔ "اے عمرؓ جو جی میں آئے کرو۔ لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا"۔ یہ جملہ حضرت عمرؓ کے دل پر اثر کر گیا اور وہ اپنے رویے پر نادم ہوئے۔ اُن کے تقاضے پر اُن کی بہن (فاطمہؓ) نے سورۂ حدید کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیئے۔

"زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے۔ سب خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ وہ غالب ہے اور حکمت والا ہے"

Marfat.com

اس سورۃ کی آیات پڑھ کر اتنے متاثر ہوئے۔ کہ پکار اٹھے،

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

شمشیر یکلخت ہی ارقم بن ارقم کے مکان پر حاضر ہو کر آنحضورؐ کے دستِ حق پر بیعت کر لی۔ صحابہ کرام نے جوشِ مسرت سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اب حضرت عمرؓ اسلام کی شمشیر برہنہ بن گئے تھے۔ مشرکین ہراساں پریشان تھے۔ ایک ہنگامہ بپا تھا۔ اور مشرک کہتے تھے کہ "افسوس! عمرؓ بے دین ہو گیا"

حضرت عمرؓ نے اپنے قبول اسلام کا کھلے بندوں اعلان کیا اور مسلمانوں کو ساتھ لے جا کر خانۂ کعبہ میں نماز باجماعت ادا کی۔ باطل کے مقابلہ میں حق کی یہ پہلی فتح تھی۔ اسی صلے میں دربارِ نبوت سے انہیں فاروق کا لقب عنایت ہوا۔

اسی لقب کی حقیقت کی وضاحت میں صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے خود بیان کیا۔ کہ میرے مسلمان ہونے کی ایسی خوشی ہوئی کہ دارِ ارقم کے مسلمانوں نے اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ اس کی آواز بیت اللہ میں سنی گئی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے مسلمان ہونے کے بعد آنحضرتؐ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا! قسم اُس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم سب حق پر ہو۔ اپنی زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی! تب میں نے عرض کیا کہ جب ہم دین حق پر ہیں۔ تو چھپانے کی کیا ضرورت ہے! قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ ہم ضرور اس حق کو لے کر نکلیں گے۔ چنانچہ ہم دو صفوں کے درمیان آنحضرتؐ کو لے کر نکلے۔ ایک صف میں امیر حمزہ تھے اور دوسری صف میں خود میں تھا۔ یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ قریش نے مجھ اور امیر حمزہؓ کو دیکھ کر اتنا صدمہ ہوا کہ اس سے پہلے نہ

Marfat.com

ہوا تھا۔ بس اُسی دن سرورِ کائنات نے میرا نام فاروق رکھا۔ کیونکہ اللہ نے میری وجہ سے حق و باطل میں فرق کر دیا۔"

ہجرت مدینہ:

عمر فاروقؓ نے ۵ نبوی میں اسلام قبول کیا۔ اور ۱۳ نبوی میں ہجرت فرمائی۔ لیکن جلد سے پہلے کعبہ کا طواف کیا۔ اور نماز ادا کی۔ اور مشرکین کو للکار کر کہا۔ "جس کا جی چاہے ہمارے ساتھ مقابلہ کرے۔ لیکن کسی کافر کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ مدینہ میں حضرت عتبہ بن مالک آپ کے برادرِ اسلامی بنے۔ تمام غزوات میں عمر فاروقؓ نے شرکت فرمائی۔ جنگ بدر میں عاص بن ہشام کو انہوں نے تہ تیغ کیا۔ جو ان کا رشتہ دار بھی تھا۔ اور کافروں کا سرغنہ بھی تھا۔ جنگ اُحد میں جب مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ تو ابوسفیان نے "أُعْلُ هُبَلْ" کا نعرہ مارا۔ یعنی اے ہبل بلند ہو۔ حضرت عمرؓ نے اُسے فوراً جواب دیا، اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ۔ یعنی خدا بلند و بالا ہے۔ عمر بن خطاب غزوہ احزاب میں خندق کے ایک حصے پر حفاظتی دستے کے نگران تھے۔ جہاں اُن کے نام کی تاریخی مسجد آج بھی موجود ہے۔ آپ غزوہ حنین میں بڑی ثابت قدمی اور پامردی سے لڑے۔

غزوہ تبوک کی تیاری کے موقعہ پر انہوں نے اپنے تمام مال کا آدھا حصہ لا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے موقعہ پر حضرت عمرؓ برہم ہو کر کہنے لگے۔ جو شخص یہ کہے کہ محمدؐ وفات پا گئے۔ میں اُس کا سر قلم کر دوں گا۔"

حضرت عمر فاروقؓ کی خدمات خلافتِ صدیقی میں:

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت دو سوا دو برس رہی۔ اور ان کے عہد میں وہ مشیر خاص رہے۔ قرآن حکیم کی تدوین کا کام اُن ہی کے مشورے پر عمل میں آیا۔ اور جب ابوبکر صدیقؓ کی وفات کا وقت قریب آیا۔ تو اُن کی نگاہِ انتخاب عمر فاروقؓ پر ہی جا کر رُکی۔

حضرت عمرؓ کا انتخاب:

مرض الموت میں حضرت ابوبکرؓ کو بڑی پریشانی تھی۔ اگر خود کسی کو نامزد فرماتے

Marfat.com

کون ہو؟ اگر خود نامزدگی نہیں فرماتے تو فتنہ و فساد کا احتمال ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بڑے بڑے کبار صحابہ موجود تھے۔ جن میں ایک سے ایک بڑھ کر "معدنِ اسلام کا لعل و گوہر" تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کا ذاتی رجحان حضرت عمرؓ کی طرف تھا۔ لیکن وہ اکابر صحابہ سے مشورہ کیے بغیر آخری فیصلہ نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے بارے میں انہوں نے صحابہ کرام سے رائے لی۔ صحابہ کی غالب اکثریت حضرت عمرؓ کے حق میں تھی۔

- حضرت عبدالرحمٰنؓ نے عرض کیا۔ کہ اگرچہ حضرت عمرؓ بہترین آدمی ہیں۔ لیکن اُن کے مزاج میں سختی و شدت کا عنصر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھ کو نرم دیکھتے۔ جب اُن کو خلافت مل جائے گی تو خود سختی چھوڑ دیں گے۔
- حضرت عثمان بن عفان نے یہ رائے دی۔ کہ عمرؓ کا باطن اُن کے ظاہر سے اچھا ہے۔ اور اُن جیسا ہم میں کوئی موجود نہیں۔
- حضرت اسید بن حضیرؓ کا مشورہ تھا۔ کہ "میں آپ کے بعد عمرؓ کو بہترین انسان سمجھتا ہوں۔ آنجناب کے بعد خلافت کا حقدار، اُن سے زیادہ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ مضبوط و قوی انسان ہیں"۔
- البتہ طلحہ بن عبداللہؓ نے حضرت عمرؓ کے خلاف رائے دی۔ اور کہا،

"آپ کو معلوم ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کے مزاج میں کتنی سختی ہے؟ اس کے باوجود آپ انہیں اپنا جانشین مقرر فرمانا چاہتے ہیں۔ تو کل جب آپ اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گے۔ تو کیا جواب دیں گے۔؟

حضرت ابوبکرؓ کو طلحہؓ کا غیر محتاط اندازِ بیان سخت نا مناسب معلوم ہوا۔ چنانچہ انہیں درشتی سے جواب دیا:

"کیا تم مجھ کو پروردگار سے ڈراتے ہو! میں جب اپنے رب سے ملوں گا۔ اور وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں کہوں گا کہ اے خدا! میں نے تیرے بندوں پر ایک

بہترین بندے کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ غور و تامل فرماتے رہے۔ بعد میں پروانہ جانشینی لکھوانے بیٹھے، تو اُن پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ تاہم ہوش میں آنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا یہ فیصلہ تھا۔

"میں نے تم پر عمر بن الخطابؓ کو خلیفہ بنا دیا ہے۔ اور میں نے اس معاملہ میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔"

پروانہ خلافت تحریر ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے لکھا۔ اور انہوں نے ہی ابوبکر صدیقؓ کے ایماء سے بالاخانہ پر کھڑے ہو کر سامعین کو پڑھ کر سنایا۔ سب لوگ جو وہاں موجود تھے انہوں نے سکونِ خاطر سے پروانہ خلافت کو سنا اتنے میں حضرت ابوبکرؓ خود بالاخانہ پر تشریف لائے اور پوچھا:

"لوگو! میں نے تم پر جس کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ وہ میرے رشتہ دار عزیز نہیں بلکہ عمرؓ ہیں۔ تم اُن کو قبول کرتے ہو۔؟"

مجمع سے آوازیں اُٹھیں، سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو چند نصیحتیں و وصیتیں کیں اور وفات پا گئے۔ بعد میں حضرت عمرؓ عالم اسلام کے پہلے خلیفہ کی جملہ توقعات اور اکابر صحابہ کے اچھے احساسات کی میزان پر پورے اترے۔ اُن کے دور کی غیر معمولی فتوحات اور بے مثال اصلاحات ثابت کرتی ہیں۔ کہ اُن کا انتخاب بالکل صحیح ہوا تھا۔ اور یہ بہترین زمانہ کے بہترین افراد کا بہترین فیصلہ تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے اور عمرؓ فاروق کے انتخاب کے بارے میں حسن ابراہیم حسن اپنی کتاب نظم مملکت اسلامیہ میں لکھتے ہیں:

"اس موقع پر دو اہم باتیں قابل لحاظ ہیں:

Marfat.com

اوّل یہ کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت کو قوم کی رضا و پسند پر منحصر رکھا۔ دوسرے یہ کہ آپ نے کسی عزیز یا صاحبزادے کا انتخاب نہیں کیا۔ بلکہ ایک ایسے شخص کو منتخب کیا۔ جس کے احترام و عظمت پر، پاکیزہ صفات پر تمام قوم متفق تھی۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ خلفائے راشدین کے دور میں خلافت ایک انتخابی (اور غیر موروثی) سیاسی نظام کا نام تھا۔"

حضرت عمرؓ کا خطبۂ خلافت :

حضرت عمر فاروقؓ نے جب خلافت کی زمام اپنے ہاتھ میں لی۔ تو خدا تعالیٰ کی تعریف و توصیف کے بعد جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔ اس خطبہ کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"اے لوگو! میں دعا مانگتا ہوں۔ تم آمین کہو۔ اے اللہ میں بڑا سخت گیر ہوں مجھے ان لوگوں کے لیے نرم کر دے۔ جو حق و صداقت کی موافقت میں تیری رضا جوئی، اور آخرت کے خیال سے تیری اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اور مجھے اپنے دشمنوں کے مقابلے پر سختی اور شدت عطا فرما۔ رہے وہ لوگ جو فسق و فجور اور منافقت میں مبتلا ہیں۔ ان پر میری طرف سے کوئی ظلم و زیادتی نہ ہونے پائے۔

"اے اللہ میں بخیل ہوں۔ نیکی کے کاموں میں مجھے ایسا سخی بنا دے۔ کہ دامنِ اعتدال ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ نہ تو اسراف و فضول خرچی ہو۔ اور نہ شہرت و ریاکاری کا کوئی دخل ہو۔ مجھے توفیق عطا فرما! کہ یہ سارے کام تیری رضا اور آخرت کی خاطر کروں۔

"اے اللہ! مجھے توفیق دے۔ کہ میں تیری ذات سے کبھی غافل نہ ہونے

Marfat.com

پاؤں۔ اور موت کو کبھی فراموش نہ کروں۔"

"اے اللہ! تیری اطاعت و فرمانبرداری کے سلسلہ میں مجھے اپنی کوتاہی عمل کا اعتراف ہے۔ مجھے توفیق و ہمت عطا فرما۔ کہ میں حسن نیت کے ساتھ تیری اطاعت پر کمربستہ رہوں۔"

"اے اللہ! مجھے یقین، نیکی اور تقویٰ اور پرہیزگاری پر ثابت قدم رکھ نیز قیامت کے دن تیرے حضور، جواب دہی مجھے ہمیشہ یاد رہے۔ اور میں ہمیشہ تجھ سے شرم و حیا محسوس کرتا رہوں۔ مجھے اس بات میں خشوع و خضوع اور عاجزی و انکساری عطا فرما جو تیری رضامندی کا موجب ہو۔ اور مجھے توفیق دے۔ کہ میں اپنا محاسبہ کرتا رہوں۔ اپنے اعمال کی اصلاح کرتا رہوں اور شکوک و شبہات سے بچتا رہوں۔"

"اے اللہ! مجھے توفیق دے کہ جو کچھ میں قرآن مجید سے پڑھوں۔ اس میں تفکر و تدبر کر سکوں۔ اس کے معانی و مطالب کو جان سکوں۔ اس کے عجائبات پر غور کروں۔ اور جب تک زندہ رہوں۔ اس پر عمل پیرا رہوں۔ بلاشبہ تو ہر چیز پر قادر ہے[1]"

---

[1] تاریخ ادب عربی مؤلفہ شیخ احمد الاسکندری۔

Marfat.com

معرکہ آرائیاں اور فتوحات

عہد فاروقی میں

عراق کی فتح:

حضرت عمر فاروق رضؓ کی تخت نشینی کے وقت شام اور عراق میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اس لیے تختِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد حضرت عمر رضؓ نے سب سے پہلے ان ہی مُہمات کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ کی بیعت کے سلسلہ میں عرب کے تمام حصوں سے مسلمان مدینہ آئے ہوئے تھے۔ آپ نے متواتر تین دن اُن کے سامنے فضائل جہاد بیان فرمائے۔ اور لوگوں کو ایران کی ظالم حکومت سے پنجہ آزمائی کے لیے ابھارا۔ لیکن صحابہ کرام اور مجمع عام پر سکوت طاری تھا۔ البتہ چوتھے دن مثنیٰ شیبانی نے اٹھ کر کہا،

"مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزمالیا ہے۔ وہ مردِ میدان نہیں ہیں۔ عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے۔ اور عجم ہمارا لوہا مان گئے ہیں۔"

ابوعبید ثقفی نے کھڑے ہو کر اعلان کیا۔ "اس کام کے لیے میں حاضر ہوں۔"

حضرت عمر رضؓ نے اُن کے جوشِ ہمت کو سراہا۔ اور انہیں ایران پر فوج کشی کے لیے سالارِ اعلیٰ مقرر فرما دیا۔

اُدھر ابوبکر رضؓ کے دور میں عراق پر عربوں کی فوج کشی نے ایرانیوں کو چونکا دیا تھا۔ ملکہ ایران بوران دخت نے رستم کو دربار میں بلایا۔ اور اُسے "وزیر جنگ" مقرر کر کے کہا کہ "تو سیاہ و سفید کا مالک ہے" پھر اُس کے سر پر تاج رکھتے ہوئے امرائے سلطنت کو اُس کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دے دیا۔

رستم نے نرسی اور جابان کو اپنا نمائندہ بنا کر عربوں سے جنگ آزمائی کے لیے بھیجا۔ جو

Marfat.com

ابوعبید کی افواج سے معرکہ آرا ہوئے۔ لیکن شکست کھا گئے۔ تب رستم نے مردان شاہ کو منتخب کیا جس نے مسلمانوں سے دریائے فرات کے کنارے خونریز جنگ لڑی۔ ابوعبید ثقفی نے جوش جہاد سے مخمور ہو کر دریا کا پل عبور کیا۔ لیکن ایرانیوں کے فوری حملہ نے بساط الٹ دی۔ ابوعبید جانبازی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ نو ہزار میں سے چھ ہزار مسلمانوں نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ مثنیٰ شیبانی بمشکل تمام تین ہزار بہادروں کو بچا کر میدان سے ہٹ گئے۔

جنگ بویب:

حضرت عمر فاروقؓ کو اس شکست کی اطلاع ہوئی۔ تو پورے زور و شور سے تیاریاں کرنے کا حکم دیا۔ اور تمام عرب میں نقیب و خطیب بھیج دیئے۔ اور ایک منتخب لشکر دوبارہ روانہ کیا۔ دریائے فرات کے کنارے مسلمان مجاہدوں اور ایران کی فوجوں کا دوبارہ تصادم ہوا۔

عجمیوں کے لشکر کے گرجنے سے میدان جنگ گونج اٹھا۔ مثنیٰؓ نے فوج کو للکارا، کہ گھبرانا نہیں یہ نامردانہ شور و غل ہے۔ دوران جنگ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ تو مثنیٰؓ نے للکارا کہ مسلمانوں کہاں جاتے ہو؟ میں کھڑا ہوں۔ مثنیٰؓ کا بھائی زخم کھا کر گرا۔ تو مثنیٰؓ نے آواز دی لوگو! میرا بھائی مارا گیا، تو کچھ پرواہ نہیں۔ شرفا یوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔

دونوں فوجیں خوب جم کر لڑیں۔ حتیٰ کہ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے ایرانیوں کے سالار اعلیٰ مہران کو قتل کر کے، اعلان کیا۔ میں ہوں تغلب کا نوجوان! اور رئیس عجم کا قاتل!"

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ ایرانی تیزی سے بھاگے۔ مثنیٰؓ نے فوراً پل کے پاس جا کر راستہ روک لیا۔ اور ایرانیوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ ابوعبید کی شہادت، اور مسلمانوں کی سابقہ شکست کا بدلہ جنگ بویب میں چکا دیا گیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اتنی لاشیں یادگار نہیں چھوڑیں۔ چاروں اطراف انسانی لاشوں اور ہڈیوں کے انبار بکھرے پڑے تھے۔ مزید بہاں عربوں کے دلوں سے عجم کا رعب جاتا

Marfat.com

گیا۔ اور انہیں یقین ہو گیا۔ کہ اب سلطنت کسریٰ کے آخیر دن آ گئے ہیں۔

معرکہ قادسیہ:

حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ پہنچا۔ تو خدا کا شکر ادا کیا۔ اور عراق و ایران کی قسمت کا آخری فیصلہ کرنے کے لیے عربوں کو آمادۂ جنگ کیا۔ اور اب کے ایک ایسا لشکر روانہ کیا۔ جس میں تیس ہزار مجاہد شریک تھے۔ جن میں ۷۰ بدری صحابہ تھے۔ بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے اکثر و بیشتر صحابی بھی شریک تھے۔ اور سعد بن ابی وقاص سالار اعلیٰ مقرر ہوئے تھے۔

حضرت سعد کو جناب عمر فاروق کا فرمان راستے میں ملا۔ کہ قادسیہ میں قیام اختیار کرو اور اس طرح مورچے جماؤ۔ کہ سامنے عجم کی زمین ہو۔ اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ اگر فتح ہو جائے تو جہاں تک چاہو بڑھتے چلے جاؤ۔ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آ سکو۔ قادسیہ کوفہ سے پینتیس ۳۵ میل کے فاصلے پر ہے۔

ادھر ایرانیوں کو معرکۂ بویب میں اپنی افواج کی بربادی کی اطلاع ملی تو۔ بوران دخت کو تخت سے اتار کر یزدجرد کو تخت نشین کیا۔ جس نے نہ صرف اپنی مملکت کے استحکام کے لیے زبردست تدبیریں کیں۔ بلکہ مفتوحہ علاقوں میں بغاوت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اور مسلمانوں کے لیے وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ رستم بھی قادسیہ کے مقام پر فوجیں لیے آن پہنچا۔

عمرو بن معدی کرب اور مغیرہ بن شعبہ، نے سفارت کے فرائض انجام دیے۔ لیکن سمجھوتہ نہ ہو سکا۔

۱۴ھ میں نماز ظہر کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ مسلمان مجاہدین نے ہاتھیوں کے پرے کے پرے تیر اندازی اور نیزہ بازی سے پیچھے ہٹا دیے۔ سعد بن ابی وقاص بیماری کے سبب جنگ میں عملاً شریک نہ ہوئے۔ البتہ ایک بلند مقام پر بیٹھ کر جنگ کے لیے ہدایات جاری فرماتے رہے۔ لڑائی کا یہ پہلا دن "یوم ارماث" کہلاتا ہے۔

دوسرے دن پھر ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ قعقاع نے اونٹوں پر جھول اور برقع ڈال کر

انہیں اتنا مہیب بنا دیا۔ کہ ایرانیوں کے گھوڑے بے قابو ہو گئے۔ اس دن تقریباً دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور دس ہزار ایرانی ہلاک ہوئے۔ یہ معرکہ "اغواث" کہلاتا ہے۔

تیسرے دن گھمسان کا رن پڑا۔ اور رات بھر بھی معرکہ جاری رہا۔ مسلمان مجاہدین نے فیروزان و ہرمزان (سالارانِ ایران) کو پیچھے ہٹا دیا۔ اور رستم کی طرف پیش قدمی کی۔ جو پہلے مردانہ وار لڑتا رہا۔ لیکن پھر بھاگ نکلا۔ ہلال (مسلمان غلام) نے تعاقب کر کے اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایرانیوں نے سپہ سالار کی عدم موجودگی میں راہ فرار اختیار کی۔ یہ معرکہ "یوم العماس" کہلاتا ہے۔

اس معرکہ میں بیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے۔ اور اُن کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ گو اس کے بعد ایک عرصے تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن فتح قادسیہ نے ایرانی سلطنت کی کمر ہمت توڑ دی۔ اور اُن کی فوجوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ فتح قادسیہ آئندہ چل کر سارے عراق و ایران کی فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اور جلد ہی مسلمان ایران کے پایۂ تخت مدائن پر قابض ہو گئے۔

ایران کی فتح :

مسلمانوں نے قادسیہ کے میدان میں ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد پورے عراق پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ ایران کی طرف بڑھے۔ سعد بن ابی وقاص اُن کے سالارِ اعلیٰ تھے ۱۶ھ میں مدائن فتح ہو گیا جو ایران کا پایۂ تخت تھا۔ شاہ ایران یزدگرد نے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو ڈیڑھ لاکھ کے لشکر کے ساتھ روکنے کی تدبیر کی۔ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ نہاوند کے میدان میں زبردست جنگ لڑی گئی۔ یزدگرد کا سالار مردان شاہ بڑی بہادری سے لڑا لیکن چند گھنٹوں میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے اپنے سے پانچ گنی فوج کو ایسی عبرت ناک شکست دی۔ کہ پھر ایرانیوں کے قدم نہ جم سکے اس لیے عرب مورخین اس فتح کو "فتح الفتوح" کا نام دیتے ہیں۔ اور تھوڑی مدت میں پورا

دصرف ایران، بلکہ کرمان، سیستان، اور مکران کے علاقے بھی فتح کر لیے۔

یزدگرد خراسان میں بھی چین سے نہ رہ سکا۔ مسلمانوں نے خراسان پر بھی فوج کشی کی۔ اور یزدگرد فرار ہو کر خاقان چین کے پاس جا کر پناہ گزین ہو گیا۔ ایرانیوں نے اس کے فرار کے بعد مصالحت کی راہ اختیار کی۔ تب حضرت عمرؓ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

"آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی۔ اب اُن کے ملک کی ایک چپہ زمین بھی اُن کے قبضے میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی زمین، ملک اور دولت کا تم کو اس لیے وارث بنایا ہے کہ تم کو آزمائے۔ اس لیے تم اپنی حالت نہ بدلو ورنہ خدا تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا۔"

شام و فلسطین کی فتح:

شام میں ابتدائی فتوحات عہد صدیقی میں حاصل ہو چکی تھیں۔ اور دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ انہوں نے وفات پائی۔ حضرت عمر فاروق کے بابرکت دور (۱۴ھ) میں یہ شہر فتح ہو گیا۔ اگرچہ اس کے ایک حصہ کو خالد بن ولید نے بزور شمشیر حاصل کیا۔ لیکن چونکہ ابو عبیدہ نے دوسری سمت داخلے کے وقت صلح کر لی تھی۔ اس لیے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی۔ اور نہ مال غنیمت حاصل کیا گیا نہ کسی کو غلام لونڈی بنایا گیا۔ دمشق کے بعد اردن کا پورا علاقہ خونریز معرکہ کے بعد فتح ہو گیا۔ بعد ازاں حمص والوں نے کئی دن کے محاصرے کے بعد گھٹنے ٹیک دیے۔

دمشق، اردن، اور حمص کی برق رفتار فتوحات سے رومیوں میں بڑا جوش و خروش پیدا ہوا قیصر روم نے ممالک مفتوحہ میں فرمان بھیجا۔ اور بڑے پیمانے پر تیاریاں شروع کر دیں۔ ادھر ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ مدینہ میں بھی جوش پیدا ہو گیا۔ اور ہر شخص سر بکف میدان جہاد میں جانے کے لیے بے قرار ہو گیا۔ اردن کے علاقہ میں یرموک کا کھلا میدان مسلمانوں نے منتخب کیا۔ تمام فوجیں دمشق سے یرموک میں جمع کر دیں۔ خالد بن ولید نے اپنی تیس ہزار کی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ جبکہ انہیں رومیوں کی دو لاکھ کی فوج سے سامنا تھا۔ باہان

Marfat.com

اُن کا سالار اعلیٰ تھا۔

یرموک کا معرکہ:

عیسائیوں کا دو لاکھ کا ٹڈی دل جب بڑھا۔ تو ہزاروں پادری اور بشپ صلیب لیے ہوئے آگے آگے تھے۔ ایک مسلمان نے خوفزدہ ہو کر کہا، "اللہ اکبر! کتنی بے پناہ فوج ہے"، خالد طیش میں آ کر کہنے لگے۔ "چپ رہ! خدا کی قسم! میرے گھوڑے کے سُم اچھے ہوتے۔ تو میں کہہ دیتا۔ کہ عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھا لیں"۔

پہلے ہی مرحلہ پر عیسائیوں نے بڑے زور و شور سے تیروں کا مینہ برساتے ہوئے حملہ کیا مسلمانوں کا میمنہ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا تو اُن کے سالار معاذ بن جبل اس خیال سے گھوڑے سے اتر پڑے کہ میں پیدل اچھا لڑ سکتا ہوں۔ حضرت عمرو بن طفیل قبیلہ ازد کے سردار تلوار چمکاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ ازدیو! دیکھنا مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ نہ آئے۔ حضرت خالد بن ولید نے عقب سے آگے بڑھ کر دشمنوں کی فوج پر زبردست حملہ کر کے ابتری پھیلا دی۔ حضرت عکرمہ بن ابوجہل نے چار سو افراد سے بیعت شہادت لی۔ اور مردانہ وار لڑتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ دوران جنگ میمنہ میں پھر ضعف پیدا ہوا۔ لیکن ان کے افسر داد شجاعت دیتے رہے۔ قباث کے ہاتھ سے کئی نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرے۔ ابوالاعور گھوڑے سے یہ کہہ کر کود پڑے "صبر و استقلال دنیا میں سامان عزت ہے۔ اور عقبیٰ میں سامان رحمت ہے"۔ حضرت شرحبیل آیات قرآنی تلاوت کرتے ہوئے مردانہ وار جنگ آزما تھے۔ مسلمان عورتیں بھی خیموں سے نکل کر مردوں کو غیرت دلا رہی تھیں۔

آخر قیس بن ہبیرہ جو میسرہ کی پشت پر متعین تھے۔ وہ عقب سے بڑھے اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اُن کے حملے کی رومی افواج تاب نہ لا سکیں، اور پیچھے ہٹنے لگیں۔ ادھر سعید بن زید قلب سے نکل کر حملہ آور ہوئے۔ اور رومیوں کو بھاگتے ہی بنی۔ اور لاشوں کے انبار چھوڑ کر فرار ہونے لگے۔ بلاذری کے بیان کے مطابق ستر ہزار رومی ہلاک ہوئے۔

Marfat.com

اور ازدی نے اُن کے مقتولین کی تعداد ایک لاکھ بیان کی ہے۔ مسلمانوں کے تین ہزار جانبازوں نے جام شہادت نوش کیا۔ قیصر روم کو انطاکیہ میں اس شکست کی اطلاع ملی۔ تو قسطنطنیہ کی طرف یہ کہہ کر چل دیا۔ "الوداع! اے شام! الوداع!"

اور چند ماہ نہ گزرے تھے۔ کہ پورا شام مسلمانوں کے زیر نگین ہو گیا۔

یرموک کی عظیم الشان کامیابی کا مژدہ جانفزا حضرت فاروق اعظم کو ملا۔ تو سجدہ ریز ہو گئے اور خدا کا شکر بجا لائے۔

یرموک کی فتح کے بعد عمرو بن العاص کی سرکردگی میں مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ چند دن بعد وہ اس شرط پر صلح کے لیے تیار ہو گئے۔ کہ حضرت عمرؓ خود آ کر صلح کا معاہدہ لکھیں۔ حضرت عمرؓ نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ اور بیت المقدس کے عہد نامے پر اپنے دستخط ثبت فرما دیے۔ اب شام اور فلسطین دونوں مملکت اسلام کا جزو بن گئے۔

فتح مصر:

مصر کا علاقہ، مضبوط قلعوں، پختہ فصیلوں، اور بلند و بالا برجوں سے بھرا پڑا تھا۔ عمرو بن العاص نے دو سال دو ماہ کی قلیل مدت میں۔ اس علاقے کو فتح کر ڈالا۔ جبکہ اُن کے پاس چار ہزار سواروں سے زیادہ جانباز نہ تھے۔ اور مقابلے پر رومیوں اور قبطیوں کے ایک لاکھ سے زائد سپاہی ملک کا دفاع کر رہے تھے۔

یہ کارنامہ عمرو بن العاص کو دنیا کے عظیم جرنیلوں کی صف اوّل میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اور خالد بن ولیدؓ اور سعد بن ابی وقاص کے بعد عمرو بن العاص کا شمار مسلمانوں کے بہترین جرنیلوں میں ہوتا ہے۔

فتوحات کے اسباب

مغربی مصنفین بالعموم عربوں کے ایران و روم کی سلطنتوں پر غالب آنے کے یہ اسباب

بیان کرتے ہیں کہ:

۱۔ جس زمانہ میں اسلامی فوجوں نے ایران پر حملہ کیا۔ ایران داخلی تنازعات میں الجھا ہوا تھا

۲۔ ایرانیوں اور رومیوں میں شدید جنگیں بڑے پیمانے پر ہو چکی تھیں۔ اور دو اقوام لڑ جھگڑ کر کمزور ہو چکی تھیں۔

لیکن مسلمانوں کی فتوحات کے اصل اسباب کچھ دوسرے ہی ہیں مثلاً:

۱۔ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات راسخ تھی۔ کہ اگر وہ فاتح ہوئے۔ تو غازی ہوں گے ورنہ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو جائیں گے۔ جبکہ ایرانی و رومی، تنخواہ دار سپاہی محض مال و دولت کے لالچ سے لڑتے تھے۔

۲۔ عربوں کے سپہ سالاروں نے جس شجاعت اور جنگی مہارت کا ثبوت دیا۔ وہ اپنی مثال آپ ہے ان سپہ سالاروں میں سعد بن ابی وقاص ہیں جنہوں نے جنگ قادسیہ میں مسلمانوں کی اس طرح تنظیم کی۔ کہ وہ کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔ ان سپہ سالاروں میں حضرت خالد بن ولید ہیں۔ جنہیں اپنی حُسن تدبیر اور جنگی مہارت کے باعث کسی جنگ میں شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑا۔ بلکہ ہر معرکے میں فتح و کامرانی نے اُن کے قدم چومے۔ ان سپہ سالاروں میں عمرو بن العاص ہیں۔ جنہوں نے دو سال دو مہینے میں قلیل فوج کے ساتھ ملک مصر کو فتح کر ڈالا۔

Marfat.com

نظامِ حکومت میں اصلاحات

فاروقی کارنامے

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک طرف فتوحات کو اتنی وسعت دی۔ کہ مرو کسریٰ کی وسیع سلطنتیں شکست کھا کر عرب مملکت کا جزو بن گئیں۔ دوسری طرف انہوں نے حکومت و سلطنت کا وسیع، ہمہ گیر اور عظیم الشان ایوان تعمیر کر دیا۔ ہمارے نبی پاک محمدؐ نے حضرت عمرؓ کے لیے دعا کی تھی۔ کہ "اے خدا! عمر بن الخطاب کی وجہ سے اسلام کو قوت عزت دے" چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اور خلافت فاروقی میں مسلمانوں اور اسلام کو جو عظمت و شوکت نصیب ہوئی۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔

فتوحات کی کثرت:

فاروقی دور کا ایک نمایاں پہلو فتوحات کی کثرت، اور حدودِ خلافت کی غیر معمولی وسعت ہے۔ ایران و روم کی دو عظیم الشان سلطنتوں کو چند سالوں میں زیر نگین کر لیا۔ عراق، ایران، شام، فلسطین، اور مصر پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا، یہاں یہ ملحوظ خاطر رہے کہ فاروقی فتوحات کے مقابلہ میں چنگیز اور ہلاکو کی فتوحات بالکل ہیچ ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ان دونوں فاتحین نے ایک عالم کو زیر و زبر کر ڈالا۔ لیکن جب اُن کی فتوحات کا طوفان تھما، تو انسانی لاشوں کے انبار، اور تہذیب و تمدن کے کھنڈرات کے سوا کچھ نہ نظر آتا تھا۔ لیکن عہد فاروقی میں مسلمانوں نے جنگوں میں کبھی خون ناحق کا قطرہ نہیں بہایا۔ نہ انہوں نے کھیتوں کو برباد کیا۔ نہ گلشن اجاڑے۔ نہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر تلوار اٹھائی۔ بلکہ مسلمانوں کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر مفتوحہ اقوام کی اکثریت نے اسلام کی تعلیم قبول کر لی۔

ان فتوحات کا بڑا سبب یہ تھا۔ کہ حضرت عمرؓ نے فوج کا نہایت منظم شعبہ ترتیب دیا۔ فوج دو قسم کی تھی۔ باقاعدہ تنخواہ دار سپاہی، اور رضاکار فوج، تقریباً دس لاکھ افراد پر مشتمل فوج ہر آن جہاد کے لیے تیار رہتی تھی۔ مزید برآں حضرت عمرؓ نے تمام مفتوحہ ممالک اور ساحلی علاقوں میں چھاؤنیوں کا جال بچھا کر اور نئے فوجی شہر بسا کر غیر معمولی فوجی بصیرت و فراست کا مظاہرہ کیا۔ مدینہ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط۔ دمشق، حمص، اردن، یہ سب اسلام کے ناقابل تسخیر قلعے بن گئے۔ ان تمام حقائق کی روشنی میں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آج تک کوئی شخص فاروق اعظمؓ کے برابر فاتح اور کشور کشا نہیں گذرا۔

غیر مسلم رعایا کے حقوق کا خیال

غیر مسلم رعایا کے حقوق کی حفاظت کا عمر بن الخطاب کو خاص خیال تھا۔ چنانچہ جب کوئی ملک فتح ہو جاتا۔ اور اس کی خبر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو ملتی۔ تو وہ پہلی فرصت میں مناسب ہدایات جاری فرما دیتے۔ ایک موقعہ پر اپنے عمال کو خط لکھا۔ جس کا متن مندرجہ ذیل ہے:

"مسلمانوں کو ظلم سے دور رکھو۔ اور ذمیوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو۔ کہ تمہاری طرف سے کوئی زیادتی ہو۔ اور اس کی وجہ سے اہل ذمہ بغاوت کر بیٹھیں۔ وفائے عہد کا خیال رکھو۔ اور اہل ذمہ سے حسن سلوک سے پیش آؤ اگر تم نے ایسا کیا۔ تو خدا تمہارا حامی و ناصر ہوگا۔"

ایک بار بیت المقدس جانا ہوا۔ تو عیسائیوں کے مشہور گرجا قامہ کی سیر کے دوران نماز کا وقت آگیا۔ عیسائی پوپ نے کہا کہ گرجا میں ہی نماز ادا کر لی جائے۔ مگر عمر فاروقؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ نماز ادا کرنے کے بعد فرمایا "اگر میں یہاں نماز پڑھ لیتا۔ تو میرے بعد مسلمان تم سے اس کلیسا کو چھین لیتے کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز پڑھی ہے۔" حضرت خلیفہ اعظم نے بیت المقدس کے عیسائیوں کو جو امان نامہ لکھوا کر دیا۔ اس کے الفاظ پر غور فرمائیے اور اندازہ کر لیجئے کہ انہوں نے غیر مسلموں کو کس قدر تحفظ اور وسیع حقوق دیئے تھے۔ فاروق

Marfat.com

ے انہیں یقین دہانی کی تھی کہ:

"میں نے اُن کی جان مال، عبادت خانوں۔ صلیب، بیمار۔ صحت مند اور ان کی سادی
ت کو امن بخشا ہے۔"

شورائیت کا اہتمام:

حضرت عمر فاروق کا قابل ذکر کارنامہ یہ ہے۔ کہ وہ اسلامی ریاست کا خلیفہ ہونے کی
ثیت سے ہر کام مجلس شوریٰ کی رہ نمائی میں کرتے تھے۔ مختلف موقعوں پر انہوں نے صاف
اف فرمایا "مشورہ کیے بغیر خلافت کا نظام چل ہی نہیں سکتا"۔ مجلس شوریٰ ان کے دور
سب سے باوقار ادارہ تھا۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ معاذ بن
بل۔ ابی بن کعبؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ یہ اصحاب مجلس شوریٰ کے سربرآوردہ اراکین
ں سے ہیں۔ یہاں یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ مہاجرین اور انصار دونوں کو مجلس شوریٰ میں
ندگی حاصل تھی۔ انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کے اراکین شوریٰ کے اجلاسوں
شریک ہوتے تھے۔ جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو تمام مہاجرین و انصار کا اجلاس عام
ب ہوتا تھا۔ اور کثرت رائے سے معاملہ طے پاتا تھا۔ اس کی نمایاں مثال نہاوند کے معرکہ کے
ت شوریٰ کا ایک بہت بڑا اجلاس ہے جس میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا۔ کہ خود خلیفہ اسلام اس
میں شریک ہوں یا نہ ہوں؟ بڑی بحث و تمحیص کے بعد کثرت رائے سے یہ فیصلہ ہوا۔ کہ خود
حضرت عمرؓ محاذ جنگ پر نہ جائیں خصوصاً جناب علی مرتضیٰ کو اس پر اصرار تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ
اکثریت کی رائے کو قبول فرمایا۔ الغرض حضرت عمرؓ نے جمہوریت اور شورائیت کی ایک قابل
ستائش مثال قائم فرمادی۔

عمال کی تقرری میں احتیاط:

عامل اور حاکم مقرر کرنے میں فاروق اعظم بڑے محتاط تھے۔ اُن کی حق شناس نظر سے یہ
بات پوشیدہ نہ تھی۔ کہ کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور منصف مزاج کیوں نہ ہو۔ جب تک

ملکی عہدے دار راستباز اور لایق نہ ہوں گے۔ کوئی مملکت ترقی نہیں کر سکتی۔

حضرت عمرؓ مردم شناس بھی تھے۔ جس شخص میں جس قسم کی استعداد اور لیاقت ہوتی تھی اسی قسم کا کام اس کے سپرد کرتے۔ امیر معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور مغیرہ بن شعبہ کو انہوں نے بڑے بڑے ملکی عہدے دیے۔ کیونکہ یہ تینوں اصحاب فنِ سیاست اور حسنِ تدبیر میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک مثال قابلِ ذکر ہے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لیے حضرت عمر فاروقؓ نے مجلس شوریٰ کے سامنے۔ جب نعمان بن مقرن کا نام پیش کیا۔ تو سب حاضرین پکار اُٹھے "یہ انتخاب بالکل درست ہے" اور تمام مجمع نے اتفاق کیا۔ کہ نفسیات انسانی سے جو واقفیت عمر فاروق کو ہے اور جس طرح انہوں نے ایک ایک کی قابلیت کا اندازہ کیا ہے۔ کسی دوسرے نے نہیں کیا۔ عہد فاروقی میں جب کوئی گورنر (عامل) مقرر ہوتا۔ تو اُسے ایک ہدایت نامہ یا پروانہ تقرری دیا جاتا جس میں اُس کے اختیارات اور فرائض کی وضاحت ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کوئی صوبائی حاکم اپنے حدودِ اختیارات سے آگے قدم رکھتا تو لوگ اُس پر گرفت کرتے۔ حضرت عمرؓ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا۔ اُس کے پاس جس قدر مال و اسباب ہوتا۔ اُس کی فہرست تیار کر لی جاتی۔ اور اگر اپنے منصب سے علیحدگی کے وقت اُس کے پاس غیر معمولی آمدنی یا جائیداد پائی جاتی۔ تو ضبط کر لی جاتی۔ تقرری کے موقعہ پر ہر افسر سے عہد لیا جاتا۔ کہ وہ باریک کپڑے نہ پہنے گا چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ لوگوں کے لیے دروازہ کھلا رکھے گا۔

اب ذرا عمالانِ فاروقی پر نظر ڈالیے۔ کہ وہ کس پائے کے لوگ تھے! اس دور میں ابوعبیدہؓ شام کے والی تھے۔ جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔

یزید بن ابی سفیانؓ، اور امیر معاویہؓ بھی شام کے والی تھے۔ جو سیاست و تدبیر میں مثال

سلہ وہ دس خوش نصیب صحابی جن کے جنتی ہونے کی سید المرسلین نے خوش خبری دی تھی۔

تھے۔ عمرو بن العاص مصر کے فاتح تھے۔ اور وہی اس علاقہ کے والی مقرر ہوئے۔

سعد بن ابی وقاص (آنحضرتؐ کے ماموں) کوفہ کے والی مقرر ہوئے۔ جن کی جلالتِ شان سے کسی کو مجالِ انکار نہیں۔ بصرہ کا شہر عتبہ بن غزوان نے ہی آباد کروایا، اور وہی یہاں کے والی مامور ہوئے۔ بعد ازاں ابو موسیٰ اشعری بھی سرزمین بصرہ کے والی بنے تھے۔ جو جلیل القدر صحابی تھے۔

عتاب بن اسید عہدِ نبوت سے مکہ معظمہ کے عامل چلے آتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں برقرار رکھا۔ عثمان بن العاص طائف کے والی تھے۔ جنہوں نے فتنہ ارتداد کو روکنے میں شاندار خدمات انجام دی تھیں۔

علاء بن الحضرمی یمن میں عہدِ نبوی سے عامل مقرر تھے۔

عمر بن سعد، حمص کے صوبائی حاکم تھے۔ حضرت عمرؓ ان کی حد درجہ قدر و منزلت ملحوظ رکھتے تھے۔

حذیفہ بن الیمان مدائن کے والی تھے۔ ان کا شمار بھی اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ عمر فاروقؓ نے اپنے زمانے میں ایسے لوگوں کو بڑے بڑے عہدے اور مناصب دیے جو علم، اخلاق، تقویٰ اور حسن انتظام کے اوصاف سے مزین تھے۔

عمّال کا احتساب:

اس سلسلے میں سب سے اہم قدم فاروق اعظم نے یہ اٹھایا کہ تمام عمال کو سال بہ سال حج کے موقعہ پر حاضر ہونے کی تاکید کر دی۔ اور لوگوں کو حج کے موقع پر کہا:

"اے لوگو! جو عمال مقرر کیے جاتے ہیں۔ وہ اس لیے نہیں بھیجے جاتے۔ کہ تم کو زدوکوب کریں۔ یا تمہارا مال اسباب چھین لیں۔ بلکہ میں ان کو اس لیے بھیجتا ہوں کہ تمہیں رسول اللہ کی سنت سے آگاہ کریں۔ سو اگر کسی عامل نے [illegible] تو مجھ سے بیان کرو۔ جا کر میں اس سے

نہ ہوں چنانچہ ایک حج کے موقعہ پر تمام حکام حاضر تھے۔ ایک شخص اُٹھا۔ اور عرض کیا۔ کہ آپ کے فلاں حاکم نے مجھے بے قصور سو کوڑے مارے ہیں! حضرت عمرؓ نے پوری تحقیقات کی۔ اور مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے اُس شخص سے لگوائے۔ اتنا ہی نہیں۔ عوام کی شکایات سننے کے لیے فاروق اعظمؓ نے "ایک شعبہ تحقیقات و شکایات" مستقل طور پر قائم کیا۔ جس کے سربراہ محمد بن مسلمۃ الانصاری تھے۔ ایسی احتیاطی تدبیروں سے عمالِ حکومت راہِ انصاف پر چلنے پر مجبور ہوئے۔

مورخین لکھتے ہیں حضرت عمرؓ کی اس پالیسی کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ماتحت حکام اور امراء فرض شناسی اور خدا ترسی کے جیتے جاگتے نمونہ بن گئے۔ حکام کا رہن سہن بڑا سادہ ہوتا تھا اور اُن کی معاشرت بڑی سادہ اور پاکیزہ ہوتی تھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ عمر فاروق نے اپنے گورنر حضرت ابو عبیدہؓ کے سامان کا جائزہ لیا۔ بے دے کر کل سرمایہ، ایک تلوار اور ایک ڈھال نظر پڑی فرمایا "کچھ سامان بنوا لیا ہوتا۔" حضرت ابو عبیدہ نے جواب دیا۔ "یہی سامان ہمیں قبر کی جواب گاہ تک پہنچانے کے لیے کافی ہے۔"

عدل گستری:

خلافت فاروقی کا امتیازی پہلو انصاف پروری اور عدل گستری ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ عمر فاروق نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا۔ تاکہ عدل کے تقاضے بطریق احسن پورے ہو سکیں۔ اور انتظامیہ عدلیہ پر قطعاً اثر انداز نہ ہو سکے۔ پھر عمر فاروق نے عدلیہ کا وقار بلند کرنے کی غرض سے ایسے منتخب افراد منصب قضاء پر مقرر فرمائے۔ جو علم دین، پرہیزگاری اور دیانت داری میں بے مثل ہوتے تھے آپ نے قاضیوں کی بڑی بڑی تنخواہیں بھی مقرر فرمائیں تاکہ قضاۃ نذر رشوت کی طرف مائل ہونے نہ پائیں اور نہ ہی بااثر افراد کے دباؤ میں آ کر فیصلے کریں۔

Marfat.com

معاشی خوشحالی:

خلافتِ فاروقی کا ایک تابناک پہلو عوام کی معاشی خوش حالی ہے۔ عمر فاروقؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں ہی فتوحات کی برکت سے مدینہ میں مالِ غنیمت کے ڈھیر لگ گئے۔ پس امیر المومنین نے رجسٹر تیار کروائے۔ اور تمام مسلمان عربوں کے روزینے مقرر کر دیے تاکہ وہ فریضہ جہاد کی ادائیگی میں پوری دل جمعی سے مشغول رہیں۔ اہل بیت اطہار، مہاجرین، انصار اور مسلمان عرب قبائل سب سرکاری وظائف اور روزینے پاتے تھے۔ اور اپنی معاشی ذمہ داریوں سے سبکدوش رہ کر مجاہدانہ کارگزاریوں میں مصروف تھے۔

اسلامی بیت المال سے بچوں۔ بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کے لیے روزینہ وظیفہ مقرر تھا۔ ایک رات دوران گشت فاروق اعظمؓ نے ایک چھوٹے بچے کو روتے روتے بلکان پایا۔ آپ نے اُس کی ماں سے دریافت کیا۔ کہ بچے کے رونے کا کیا سبب ہے۔ ماں نے بتایا۔ کہ وہ اپنے بچے کا دودھ چھڑا رہی ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ بچوں کا روزینہ تب ہی مقرر فرماتے ہیں۔ جب بچہ دودھ پینا چھوڑ چکا ہو۔ یہ جواب سُن کر حضرت عمرؓ بڑے متاسف ہوئے اور صبح ہوتے ہی اعلان کر دیا۔ کہ بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کی جائے۔ بچوں کا پیدائش کے دن ہی سے سرکاری روزینہ مقرر کیا جاتا ہے۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ خراج، جزیہ، اور محاصل سے حاصل شدہ ساری رقمیں عوام کی اپنی ملکیت ہیں البتہ وہ محض اُن اموال کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

اسی لیے فاروق اعظم کہا کرتے تھے کہ اگر سرکاری اونٹوں میں سے کوئی اونٹ ہلاک ہو جائے۔ یا اُسے کوئی تکلیف پہنچے۔ تو میں ڈرتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ مجھ سے اس کی باز پرس کرے گا۔ نیز عمر فاروق یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر میں زندہ رہا۔ تو وہ دن آئے گا۔ جب ہر چرواہے تک اُس مال کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور پہنچے گا۔

Marfat.com

فاروقِ اعظمؓ کی شہادت

متقدمین اور متاخرین سوانح نگاروں کا اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کو مغیرہ بن شعبہ کے آتش پرست غلام فیروز (ابو لولو) نے شہید کیا تھا اور اس کے قاتلانہ حملے کی وجہ یہ بیان کی جاتی کہ حضرت عمرؓ سے اُس بدبخت نے شکایت کی تھی۔ کہ میرے آقا مغیرہؓ مجھ سے جو محصول لیتے ہیں۔ وہ بہت زیادہ ہے۔ اسے کچھ کم کرا دیجئے۔ جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا۔ کہ وہ نجاری آہن گری۔ اور نقاشی کے فنون میں طاق ہے۔ تو انہوں نے اس کی سفارش کرنے سے انکار کر دیا۔ فیروز نے برہم ہو کر دوسرے ہی دن حضرت عمرؓ کو فجر کی نماز کی امامت کرواتے وقت خنجر سے زخمی کر دیا۔ اور چند روز کے بعد یکم محرم ۲۴ھ کو آپ شہید ہو گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

تاریخی حقائق کا گہری نظر سے تجزیہ کیا جائے۔ تو یہ بات واضح ہو جائے گی۔ کہ فیروز ایرانی نسل تھا۔ فتوحات کے بعد وہ غلام بنا کر مدینہ لایا گیا۔ اُس نے دکھاوے کے لیے اسلام قبول کر لیا لیکن آتش پرستی اور مجوسیت اُس کی رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ اور شاہانِ عجم کی مملکت کی پامالی کا غم اُسے کھائے جاتا تھا۔ چنانچہ اُس نے سلطنتِ اسلامیہ کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کی غرض سے فاروقِ اعظم پر قاتلانہ حملہ کیا۔ وہ خلیفۂ اسلام کو شہید کرنے میں کامیاب تو ہو گیا لیکن حکومتِ اسلامی اتنی ٹھوس اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہو چکی تھی۔ کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے ناقابلِ تلافی نقصان کے باوجود۔ وہ قائم و دائم رہی۔ اور مجوسیوں کے حصے خاک میں مل گئے۔

Marfat.com

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

ابتدائی زندگی

خلافت سے پہلے:

سیدنا حضرت عثمانؓ بن عفانؓ کے قبولِ اسلام سے پہلے کے بیشتر حالات، تاریخ کی گرفت سے باہر ہیں۔ بلاشبہہ نہ صرف اسلام نے اِن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و دماغ کی کایا پلٹ دی۔ بلکہ اُن کی تاریخ اور سوانح کو حیاتِ نو بخشی۔

حضرت عثمانؓ کی ابتدائی زندگی کے سلسلے میں راویوں کے پاس حضرت عثمانؓ کا نسب نامہ محفوظ ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آنجناب قبیلۂ قریش کی مشہور شاخ بنو اُمیہ کے چشم و چراغ تھے۔ اُنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ماں (اَروی بنت کریز) اور باپ (عفان) دونوں کی طرف سے قرابت داری کا شرف حاصل ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عثمانؓ بن عفان کے والد مکرم تجارت کی غرض سے شام تشریف لے گئے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ بنو اُمیہ کا سارا خاندان بلکہ عبدِ شمس کا پورا گھرانا، شام سے ہی تجارتی تعلقات رکھتا تھا۔ شام سے لوٹتے ہوئے عفان راستے میں انتقال کر گئے۔ اور اپنے فرزند کے لیے بہت کچھ مال و دولت ترکے میں چھوڑ گئے۔ اُن کے فرزندِ جلیل حضرت عثمانؓ نے بہت جلد راستبازی، دیانت داری، اور فراست سے کام لے کر، اس موروثی سرمائے میں اضافہ کر لیا۔ اور بڑے کامیاب تاجر ثابت ہوئے۔ قریش کے دولت مند لوگوں میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ اپنی ثروت کی وجہ سے غنی کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

Marfat.com

قبولِ اسلام :-

حضرت عثمانؓ کے قبول اسلام کے بارے میں ہم تک تین روایتیں پہنچی ہیں :-

پہلی روایت سیرت ابن ہشام میں حضرت عثمانؓ کے قبول اسلام کے بارے میں ہے۔ کہ آپ کی خالہ سعدیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ سے کچھ باتیں کیں۔ وہ ایک کاہنہ تھیں۔ اور غیب کی باتیں قیاس کرتی تھیں انہوں نے خود ہی حضرت عثمان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کی طرف توجہ دلائی۔

دوسری روایت یہ ہے۔ کہ شام سے ایک سفرِ تجارت سے لوٹتے ہوئے آپ نے نیم بیداری کے عالم میں صدائے غیب سُنی۔ مکہ میں احمدؐ کا ظہور ہوا ہے۔

تیسری روایت یہ ہے۔ کہ جب حضرت عثمانؓ شام سے لوٹ کر آئے۔ تو انہیں، اُس نئی تحریک کا حال معلوم ہوا۔ کہ جس کی طرف اللہ کے رسولؐ نے لوگوں کو دعوت دینا شروع کر دی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت عثمانؓ کے دوستانہ روابط بھی تھے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو قبولیتِ اسلام کے لیے ذہنی طور پر تیار کر لیا۔ پھر وہ انہیں لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصیحت کے کلمات ارشاد فرمائے۔ جس سے حضرت عثمانؓ اس درجہ متاثر ہوئے کہ مشرف با اسلام ہو کر اُٹھے۔

سیرت نگاروں اور مورخین نے لکھا ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ اُن چودہ[۱۴] صحابہ میں سے ایک ہیں۔ جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی۔ اور آپ کا اسلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالارقم میں قیام سے پہلے کا تھا[۱]

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ حضرت عثمانؓ کا تعلق اُموی خاندان سے تھا۔ جو بنو ہاشم کا سیاسی حریف تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کا آئینہ دل، خاندانی تعصب کے گرد و غبار سے پاک تھا۔ اس لیے انہوں نے قبولِ اسلام میں پیش قدمی کی۔

---

[۱] تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی۔

Marfat.com

حضرت عثمانؓ کے چچا اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے بھتیجے کو اسلام قبول کرنے کی پاداش میں بڑی اذیتیں دیں۔ جو حضرت عثمانؓ صبر و استقامت سے برداشت کرتے رہے۔

شادی:۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کو یہ قابلِ رشک شرف حاصل ہوا۔ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منجھلی صاحبزادی، حضرت رقیہؓ اُن کی زوجیت میں آئیں۔ جس پر بنو اُمیہ بڑے سیخ پا ہوئے۔ امویوں کی جفا کاریاں حد سے بڑھ گئیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے جناب حضرتِ عثمانؓ اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ کے ہمراہ ملک حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ جب دونوں کے حبشہ خیریت سے پہنچنے کی اطلاع ملی۔ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"عثمانؓ پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت لوطؑ کے بعد مع اپنے اہلِ بیت کے ہجرت کی ہے۔"

مکہ سے جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ تو حضرت عثمانؓ فی الفور ہجرت کر کے دارالاسلام پہنچے۔ آپ غزوۂ بدر میں اپنی زوجہ کی علالت اور تیمارداری کے سبب نہ جا سکے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بدری صحابہ میں شمار کیا۔ اور ارشاد فرمایا۔ "تمہیں شرکت کا اجر اور مالِ غنیمت دونوں ملیں گے۔"

اُنہی دنوں حضرت رقیہؓ وفات پا گئیں۔ تو حضرت عثمانؓ مغموم رہنے لگے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دلجوئی کے لیے اپنی دوسری صاحبزادی (اُم کلثومؓ) کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ امام جلال الدین سیوطی نے بجا طور پر تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے:۔

"حضرت عثمان ذی النورین کے سوا دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں گزرا۔ کہ جس کے [illegible] ایک نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔"

[illegible] حضرت عثمانؓ شریک رہے۔ اور بڑے بڑے صحابہ کی طرح

Marfat.com

شمشیر زنی کے جوہر دکھائے۔

سفارت کی خدمت:۔

جب حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کو قریش نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اور عمرہ کی ادائیگی میں مزاحم ہوئے۔ تو دونوں طرف سے سلسلہ سفارت قائم ہوا۔ تیسری دفعہ حضرت عمرؓ کی تجویز کے مطابق حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ وہاں سے لوٹنے میں حضرت عثمانؓ کو قدرے تاخیر ہوئی۔ کسی نے افواہ پھیلا دی۔ کہ وہ شہید کر دیے گئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر اپنے چودہ سو صحابہ کرام سے ایک درخت کے نیچے بیعت لی۔ جسے بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔

مشرکین مکہ کو یہ اطلاع ملی۔ تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا۔

انفاق فی سبیل اللہ:۔

حضرت عثمانؓ بن عفان صرف مالی اعتبار سے ہی خوشحال نہ تھے۔ بلکہ دل کے بھی غنی تھے۔ اُن کی فیاضی، سخاوت، اور مالی قربانی کے کئی واقعات زینتِ تاریخ ہیں۔ اُن میں سے ایک واقعہ بیئر رومہ کی خریداری کا ہے۔ مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف یہی ایک کنواں تھا۔ جو پہلے ایک یہودی کی ملکیت میں تھا۔ اُس نے اِس کنوئیں کے پانی کو ذریعۂ معاش بنا رکھا تھا۔ اور غریب مہاجرین کو پانی لینے میں بڑی دشواری پیش آتی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے یہودی سے آٹھ ہزار دینار[1] میں یہ کنواں خرید لیا۔ اور اُسے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آپ کا ایثار قابلِ دید اور قابلِ تقلید تھا۔ یہ غزوہ اُس زمانے میں پیش آیا۔ جب سخت قحط سالی تھی۔ گرمی اپنے زوروں پر تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے دل کھول کر انفاق کرنے کی اپیل کی۔ تو حضرت عثمانؓ نے نصف اخراجات پورا کرنے کا ذمہ لیا۔ اور ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے، اور ایک ہزار دینار نقد پیش کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ایثار کی قدر فرمائی۔ آپ اُن کی [illegible]

[1] بعض روایات میں اس کی قیمت بارہ ہزار درہم [illegible]

بھول میں ڈالتے جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے "آج کے بعد حضرت عثمانؓ کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا"

حضرات شیخین کے دور میں:۔

حضرت عثمانؓ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ اور اپنے مفید مشوروں سے پیشرو خلفاء کو نوازتے تھے۔ اُن کی انہی خدمات کے پیش نظر، حضرت عمرؓ نے جن چھ افراد کو خلیفہ کے انتخاب کا کام سونپا تھا۔ اُن میں حضرت عثمانؓ بھی تھے۔ اور آخر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی نگہ انتخاب اُنہیں پر جاکر رُکی۔ اور انہوں نے خاص و عام سے مشورہ کرنے کے بعد انہیں منصب خلافت سونپ دیا۔

Marfat.com

انتخاب حضرت عثمانؓ بن عفان

آغاز محرم ۲۴ھ

سیدنا فاروق اعظمؓ جب زخمی ہوئے۔ تو چند ممتاز صحابہ کرامؓ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا "امیر المومنین! مناسب ہو۔ تو کسی کو اپنا جانشین مقرر فرما دیجئے۔ آپ نے متاسفانہ لہجے میں جواب دیا کہ اپنا جانشین بناؤں۔ اگر ابو عبیدہ بن جراح یا ابو حذیفہ کے غلام سالم زندہ ہوتے۔ تو انہیں ضرور اپنا جانشین بنا دیتا، جب صحابہ کا اصرار بڑھا۔ تو آپ نے جواب دیا۔

"اچھا! جن لوگوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی قرار دیا تھا۔ اور جن سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے آخری وقت تک خوش رہے تھے۔ ان میں سے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کر لینا۔ میرا اشارہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی طرف ہے"۔ امیر المومنین نے یہ بھی طے فرما دیا کہ عبداللہ بن عمرؓ کو خلافت سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ وہ صرف مشورے میں شریک ہوں گے۔ نیز تاکید فرما دی۔ کہ تین دن کے اندر اندر اپنا خلیفہ ضرور منتخب کر لینا۔ مجبوری ملت (تین روز) میں حضرت صہیب رومی نماز کی امامت فرمائیں گے۔

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد زید بن ثابتؓ کی بہن فاطمہ کے گھر پر اہل شوریٰ کا اجتماع ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے سب سے پہلے تقریر کی۔ اور حاضرین کو تلقین کی۔ کہ باہمی تنازعات کے کانٹوں سے بچ کر قوی اور امین شخص کو خلافت کا ہار پہنائیے۔ حضرت عثمانؓ نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ تجربات کے تلاطم، اور دشمنوں کے اختلافات [illegible]

Marfat.com

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا لازم ہے۔ اور تنبیہ فرمائی کہ یہ معاملہ ہمارے درمیان ہے۔ اور کوئی دوسرا دخیل نہ ہو۔ حضرت زبیرؓ نے امارت و حکومت کو ناپسندیدہ چیز قرار دیا۔ البتہ حدود شرعی اور قوانین دینی کے نفاذ کے لیے اسے واجب، محمود، اور پسندیدہ ٹھہرایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے حاضرین کو متکبرین کی تمناؤں سے بچنے، اور حق و راستی پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت علیؓ نے خطاب فرمایا۔ اور کہا "ہم نبوت کا گھرانا اور حکمت کی کان ہیں، ہمارا ایک حق ہے۔ اگر وہ دے دیا گیا تو ہم لے لیں گے۔ بہرحال اتحاد و اتفاق لازم ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ اس مجلس کے برخاست ہونے کے بعد تلواریں چلیں اور بدعہدیاں ہوں"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بڑے معاملہ فہم اور زیرک انسان تھے۔ انہوں نے دیکھا۔ کہ اہل شوریٰ کا ہر فرد مخلصانہ طور پر اپنے بارے میں یہ رائے رکھتا ہے۔ کہ وہ دوسروں کی نسبت خلافت کی ذمہ داری کا بوجھ سنبھالنے کی زیادہ اہلیت رکھتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ باہمی مسابقت کا مستحسن جذبہ باہمی عداوت کی آگ نہ بھڑکا دے۔ اس لیے انہوں نے ایک تدبیر سوچی۔ اور سب کو مخاطب کر کے کہا۔ تم میں سے کون کون شخص کسی بہتر شخص کے حق میں خلافت کی امیدواری سے دست بردار ہوتا ہے۔ سب خاموش رہے۔ تب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنی دست برداری کا اعلان کر دیا۔ اور فرمایا "مجھے باقی ماندہ پانچ افراد میں سے کسی ایک کو خلیفہ نامزد کرنے کا اختیار دیا جائے!" حضرت علیؓ کے سوا سب اصحاب نے عبدالرحمٰن بن عوف کی ذات پر اعتماد کا اظہار کیا۔ حضرت علیؓ نے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے وعدہ لیا۔ کہ وہ نفسانی خواہشات پر چلنے کی بجائے حق و انصاف سے کام لیں گے۔ جب انہیں یقین دلا دیا گیا۔ تو وہ بھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے فیصلے کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور مجلس برخاست ہو گئی۔

پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دو اہم قدم اٹھائے۔ ایک تو علیحدگی میں حضرت عثمانؓ سے کہا "اگر میں آنجناب کو خلیفہ مقرر نہ کر سکوں۔ تو آپ کس کے حق میں رائے دیں گے"

[illegible] اسی طرح عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علی مرتضیٰؓ سے

پوچھا اگر جناب کو خلیفہ نامزد نہ کر سکوں۔ تو آپ کسے پسند فرمائیں گے۔ انھوں نے جواب دیا۔ حضرت عثمانؓ کو!"

ادھر عبدالرحمٰن بن عوف نے تین دن اور تین راتیں خواص و عوام سے مشورہ لینے میں گزارے۔ مقتدر صحابہؓ سے انفرادی رائے لی گئی۔ عوام سے مشورہ کیا گیا۔ مدینہ کے مقامی باشندوں کے علاوہ نو وارد دیہاتیوں سے بھی رائے لی گئی۔ مردوں کے علاوہ خواتین خصوصاً امہات المومنین سے رائے طلب کی گئی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اگر سارا دن مشورہ لینے میں گزارتے۔ تو رات نماز، دعا، اور استخارہ کرنے میں لگے رہتے۔

چوتھا دن طلوع ہوا۔ نماز فجر کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے سیدنا حضرت عثمانؓ بن عفان کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ لوگ بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان ہو گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ:

حضرت عثمان غنیؓ مسند نشینی کے بعد پہلے پہل جب منبر پر تشریف لائے۔ تو زبان نے یاوری نہ کی۔ بعد میں تیاری کر کے جو پہلی تقریر ارشاد فرمائی۔ اس کے چند جملے یہ ہیں:۔

"امابعد! میرے ناتوان کندھوں پر خلافت کا بوجھ ڈالا گیا ہے جسے میں نے بخوشی قبول کر لیا۔ گوش ہوش سے سن لو۔ میں بزرگوں کے نقش قدم پر چلوں گا۔ میں نئی باتیں ایجاد کرنے والا نہیں ہوں۔ اللہ بزرگ و برتر کی کتاب اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بعد تمہاری جانب سے مجھ پر تین چیزیں بطور فرض عائد ہوتی ہیں۔ اولاً جو لوگ مجھ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اُن کی اتباع اور پیروی کرنا۔ ثانیاً [illegible]

[illegible]

جن پر تم کسی مصلحت کی بناء پر پہلے گامزن نہ ہو سکے۔ اور جن باتوں کو تم ضروری خیال کرتے ہو۔ میں ان کے علاوہ باقی تمام چیزوں سے کنارہ کشی اختیار کروں گا۔ غور سے سن لو! کہ دنیا بڑی دلکش اور دلفریب ہے۔ اس نے لوگوں کو بہکایا۔ اور بہت سے لوگ اس کے دام میں پھنس گئے۔ تم نہ تو دنیا کی طرف جھک جاؤ۔ اور نہ ہی اس پر بھروسہ کرو۔ یہ دنیا قطعاً ناقابلِ اعتبار ہے۔ یہ بات یاد رکھو۔ کہ دنیا صرف اُسی کو چھوڑتی ہے جو اسے چھوڑ دے۔"

معلوم رہے کہ اس تقریر میں دنیا کی نفرت، اور فکر آخرت کی تلقین کی گئی ہے۔ اور یہی اس خطبے کا مرکزی خیال ہے۔

Marfat.com

باغیوں کی سرکوبی اور فتوحات

سنہ ۲۵ تا سنہ ۳۱ ہجری

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں بہت سے علاقے جو مفتوح ہو چکے تھے، حضرت عثمانؓ غنی کے برسرِ اقتدار آتے ہی آمادہ بغاوت ہوئے۔ لیکن حضرت عثمانؓ اور اُن کے عمال نے حسنِ تدبیر اور حوصلہ مندی سے کام لے کر اُن بغاوتوں کو فرو کیا۔ مثلاً ہمدان کے لوگ باغی ہو گئے تھے مغیرہ بن شعبہ نے اس بغاوت کو ختم کیا۔ رے کے باشندوں نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری کے مجاہدانہ کارناموں سے یہ علاقہ دوبارہ زیرِ نگین ہو گیا۔

اہل اسکندریہ کی معاہدہ شکنی:۔

سنہ ۲۵ھ میں جب عمرو بن عاص کو دربارِ خلافت میں بلایا گیا۔ تو اُن کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر اہل اسکندریہ نے بغاوت کی راہ اختیار کی۔ انہوں نے قسطنطین بن ہرقل سے (جو اُس وقت بادشاہ تھا) رابطہ قائم کیا۔ جس نے عمانویل کی سرکردگی میں تین سو کشتیوں پر مشتمل بحری بیڑہ روانہ کیا۔ اس بحری بیڑے نے ناگہانی حملہ کر کے اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔

بلاذری کی روایت کے مطابق جب اسکندریہ پر رومیوں کا حملہ ہوا تو مصر کے باشندوں نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی۔ کہ رومیوں سے ہونے والی جنگ سے فارغ ہونے تک عمرو بن عاص کی معزولی کا فرمان صادر نہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ جنگی اصول سے خوب واقف ہیں اور دشمنوں کے دلوں پر ان کی ہیبت بیٹھی ہوئی ہے۔"

چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرو بن عاص کو اسکندریہ فتح کرنے کی مہم کی وجہ سے اُن کی معزولی کا فرمان ملتوی کر دیا۔

اُن دنوں عمانوئیل اور اس کی فوج اسکندریہ کے گرد و نواح میں لوٹ مار کا بازار گرم کیے ہوئے تھے۔ اور وہاں کے باشندے اُن کے ہاتھوں تنگ آ گئے تھے۔ عمرو بن عاص اپنی ماتحت میں پندرہ ہزار کی آزمودہ کار سپاہ لیے ہوئے رومی فوجی دستوں سے معرکہ آرا ہوئے۔ نقیوس کے مقام پر دونوں فوجوں میں زبردست مقابلہ ہوا۔ بالآخر عمانوئیل اور اُس کی رومی فوج شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور اسکندریہ کے قلعہ میں پناہ گزین ہو کر بیٹھ گئی۔ عمرو بن العاص کی فوج نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اور منجنیقوں کی مدد سے قلعہ کی دیواروں میں شگاف ڈال دیے۔ چند دنوں بعد اسکندریہ فتح ہو گیا۔ اس طرح مصر پر عربوں کا اقتدار دوبارہ قائم ہو گیا۔

اسکندریہ کی فتح کے بعد گرد و نواح کے لوگ (اہلِ مصر) حاضر خدمت ہوئے، اور عرض کیا کہ رومیوں نے ہمارے مویشی اور اموال لوٹ لیے ہیں۔ ہم آپ کی اطاعت سے باہر نہیں ہوئے، بلکہ اپنے معاہدہ پر قائم ہیں۔"

معلوم رہے کہ مغربی محقق پروفیسر بٹلر نے بھی حضرت عمرو بن عاص کی رعایا نوازی، اور عدل پروری کا اقرار کیا ہے۔

آرمینیا اور آذربائیجان میں بغاوت

اِسی سال آرمینیا اور آذربائیجان کے لوگوں نے علمِ بغاوت بلند کیا، اس کا پس منظر یہ تھا۔ کہ ولید بن عقبہ گورنر کوفہ نے اِس علاقے کے امیر عتبہ بن فرقد کو معزول کر دیا تھا۔ ولید بن عقبہ کو جب اس صورتِ حال کا علم ہوا۔ تو بھاری افواج کے ساتھ آرمینیا و آذربائیجان کی طرف بڑھے اور اِن علاقوں کو دوبارہ فتح کر ڈالا۔ آذربائیجان کے لوگوں نے دوبارہ اسّی ہزار درہم سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔

ولید بن عقبہ نے اہلِ آرمینیا کی سرکوبی کے لیے سلمان بن ربیعہ کو مقرر کیا جس نے وہاں [illegible]

[illegible] رہنے کے مرتدین اور باغیوں کے ساتھ انداز کی تھیں۔

Marfat.com

اور اگر حضرت عثمانؓ (اور اُن کے عمال) حربی بصیرت و شجاعت سے یہ بغاوتیں فرو نہ کرتے تو کفر کی طاقت دوبارہ بڑھ جاتی۔ اس طرح حضرت عثمان اور ان کے عمال کا امت محمدیہ پر بہت بڑا احسان ہے۔ کہ انہوں نے ان بغاوتوں کو سختی سے کچل ڈالا۔ اور ان باغی و خود مختار علاقوں میں دوبارہ اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا۔

۲۶ھ افریقیہ کی فتح:۔

مصر میں جب امن و امان بحال ہوا۔ اور اسکندریہ پر مسلمانوں کا قبضہ مستحکم ہو گیا تو حضرت عثمانؓ نے اپنے نئے نامزد کردہ گورنر عبداللہ بن ابی سرح کو حکم دیا۔ اسلامی فوج کے ساتھ سرزمین افریقیہ کی طرف بڑھو۔ اور یہ وعدہ فرمایا۔ کہ اگر اللہ نے افریقیہ کو تمہارے ہاتھ پر فتح کروایا۔ تو تم کو مالِ غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ بطور انعام دیا جائے گا۔ حضرت عثمان نے عبداللہ بن ابی سرح کی امداد کے لیے بہادروں اور جانبازوں کی ایک فوج بھی بھجوائی۔ جس کی قیادت عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس، اور عبداللہ بن نافع بن حارث کر رہے تھے۔ جو سرزمین مصر کو عبور کرتی ہوئی، افریقیہ کی سرحد پر عبداللہ بن ابی سرح کی فوج سے جا ملی۔ اس کمک میں بڑے بڑے اجل صحابہ بھی شریک ہوئے۔ مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ! اس لشکر کے سالارِ اعلیٰ عبداللہ بن سعد قرار پائے۔

اسی مقام پر عقبہ بن نافع بھی دربارِ خلافت کے احکام کے مطابق مسلمانوں کی افواج سے آن ملے۔ اور چالیس ہزار کا لشکر طرابلس الغرب کی طرف روانہ ہوا۔ اور رومیوں کے بہت سے علاقے فتح کر لیے پھر یہ مجاہدین شمالی افریقیہ کی طرف بڑھے۔

اِن علاقوں پر گسی گوریس (جرجیر) کی حکومت تھی۔ اور طرابلس سے طنجہ تک کے علاقے اُسی کے زیر نگین تھے۔ بسبیطلہ اس کا دارالخلافہ تھا۔ اسے جب مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہوئی تو ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل [illegible]

Marfat.com

کے مقام پر دونوں افواج کا آمنا سامنا ہوا۔ دشمن نے کھلا مقابلہ کرنے کی بجائے قلعہ بند ہو کر لڑنے کی تدبیر اختیار کی۔ عبداللہ بن سعد سالار اعلیٰ نے انہیں پیغام بھجوایا کہ "یا تو مسلمان ہو جاؤ۔ یا جزیہ ادا کرو۔ ورنہ تلوار ہمارا تمہارا فیصلہ کر دے گی" لیکن دشمن نے ہتھیار نہ ڈالے، اور مقابلے پر ڈٹا رہا۔

حضرت عثمانؓ گری گوریس (جرجیر) کی فوجی قوت سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی قیادت میں مزید کمک بھجوائی۔ یہ مجاہدین منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے، محاذ جنگ پر جا پہنچے۔ انہیں دیکھ کر مسلمانوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے۔ گریگوریس (جرجیر) بھی چوکنا ہو گیا۔

ادھر عبداللہ بن زبیرؓ نے عبداللہ بن سعد کو خوفزدہ پایا۔ دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ گریگوریس (جرجیر) کی طرف سے اعلان ہوا ہے۔ کہ جو حضرت عبداللہ بن سعد کو قتل کر دے گا۔ اسے ایک لاکھ دینار انعام دوں گا۔ اور اس سے اپنی صاحبزادی کو بیاہ دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جوابی طور پر اعلان کروا دیا۔ جو گریگوریس (جرجیر) کا سر قلم کر کے لائے گا۔ میں اسے ایک لاکھ دینار دوں گا۔ نیز اس کی بیٹی سے اسے بیاہ دوں گا۔ اس اعلان سے گریگوریس (جرجیر) انتہائی خوف زدہ ہوا۔

دونوں افواج اصولاً ظہر تک لڑتی تھیں۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن زبیر نے فوج کے نصف حصہ کو ظہر تک جیسا کہ معمول تھا۔ لڑنے کا حکم دیا۔ اور جونہی ظہر کا وقت آیا۔ باقی ماندہ نصف تازہ دم فوج کو میدان کارزار میں جھونک دیا۔ دشمن کی ساری فوج لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو چکی تھی۔ اور اس تازہ دم حملے کی تاب نہ لا سکی۔ رومیوں کو بڑی زبردست شکست ہوئی۔ ان کے بیشمار فوجی مارے گئے۔ گریگوریس (جرجیر) قتل ہوا۔ مورخین اس جنگ کو یرموک اور قادسیہ کے بعد عظیم ترین معرکہ قرار دیتے ہیں۔

سبیطلہ کو فتح کرنے کے بعد شہر قفصہ پر چڑھائی کی گئی۔ جو فتح ہوا۔

Marfat.com

پھر اجم کا ناقابلِ تسخیر قلعہ فتح ہوگیا۔ افریقہ والوں نے پچیس لاکھ دینار رقم ادا کر کے صلح کر لی۔ اور اطاعت اختیار کر لی

افریقہ کے فتح ہونے کی خوشخبری کے ساتھ تمام مالِ غنیمت مدینہ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کی افواج کا سیلِ رواں، طرابلس، اندلس، اور مغرب کے شہروں کی طرف بڑھا۔ اور اُن پر چھا گیا۔

فتح قبرص: ۲۸ھ

حضرت عمرؓ فاروق کے زمانہ میں حضرت امیر معاویہؓ نے اجازت چاہی۔ کہ بحری بیڑہ تیار کرنے اور رومیوں سے بحری جنگ لڑنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمرو بن عاص سے مشورہ لیا۔ اور مشورے کے بعد جناب حضرت امیر معاویہؓ کو بحری جنگ کی تیاری کرنے سے منع فرما دیا۔ ان کا قطعی جواب یہ تھا۔

"مجھے ایک مسلمان کی جان تمام دنیائے روم سے زیادہ عزیز ہے"

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں امیر معاویہؓ نے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر دوبارہ اجازت مانگی۔ انہوں نے انہیں مشروط اجازت دے دی۔ شرط یہ تھی کہ:۔

"لوگوں کو نامزد کرو۔ اور نہ اُن میں قرعہ اندازی کرو۔ اُن کو پورا پورا اختیار دو۔ جو خوشی سے جانا چاہے۔ اُسے لے جاؤ۔ اور اُن کی پوری پوری مدد کرو"

۲۸ھ میں عبداللہ بن قیس کی قیادت میں پہلا جنگی بیڑہ مسلمانوں نے تیار کیا۔ جو اسکندریہ سے بڑی بڑی کشتیاں اور منتخب جانبازوں کی فوج لے کر روانہ ہوا۔ جزیرہ قبرص فتح ہوگیا۔ اہل جزیرہ نے سات ہزار دینار سالانہ جزیہ دینے پر مصالحت کر لی۔ اس سے پہلے وہ اتنی ہی رقم سلطنت روما کو بطور خراج دیتے تھے۔

Marfat.com

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں پہلے جو خواب دیکھا تھا۔ کہ بحرِ اخضر کی سطح پر ان کی امت کے لوگ سفر کر رہے ہیں۔ وہ خواب پورا ہو گیا۔

مولانا عبدالشکور مولف "خلفائے راشدین" لکھتے ہیں:۔

"اِس علاقے سے قیصرِ روم کا نام و نشان مٹ گیا۔ عیسائیت کا جسم بے جان ہو گیا۔ اور اسلام کی روحِ پاک نے اِن مردہ زمینوں میں جان ڈالی"

جنگ سفائین: (۳۱ھ)

اگرچہ قبرص کی فتح سے رومیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ لیکن آخری جتن کرنے کے لیے انہوں نے پانچ سو جنگی کشتیوں کا بحری بیڑہ تیار کر لیا۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ غنیم کی کشتیاں اس سے بھی زیادہ تھیں۔ آخری قیصرِ روم قسطنطین ثالث بن ہرقل اپنے جہاز پر سوار ہو کر آیا۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح دشمن کی تیاریوں سے غافل نہ تھے۔ انہوں نے بحری جنگی بیڑہ پہلے ہی سے اسکندریہ کی بندرگاہ پر کھڑا کر رکھا تھا۔ فریقین کی کشتیاں اتنی قریب آگئیں۔ کہ دونوں طرف کی کشتیوں کے مستول آپس میں ٹکرا گئے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ سمندر کے ساحل کا پانی انسانی خون سے سرخ ہو گیا۔ پانی کی موجوں پر سوائے سرخ خون اور تیرتی ہوئی لاشوں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دونوں فریقوں نے خوب جم کر لڑائی کی۔ طبری کے الفاظ ہیں:۔

"سخت خونریز جنگ ہوئی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ رومی فوج نے بھاری جانی و مالی نقصان اُٹھایا۔ بہت کم رومی جان بچا کر بھاگ سکے"

مقریزی لکھتا ہے کہ:

"قسطنطین اپنا جہاز کامیابی سے بچا لے گیا۔ اور جزیرہ صقلیہ میں جا پہنچا۔ وہاں کے لوگوں نے اس سے حالات معلوم کیے۔ تو اُس نے بتلایا: "اُن لوگوں

Marfat.com

نے تو نصرانیت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ہماری تمام افواج ہلاک کر ڈالیں۔ اگر ہم پر یہاں حملہ ہو گیا۔ تو کوئی نہیں جو اُن سے نمٹ سکے۔"

قیصر روم کی ہلاکت۔

یہ باتیں کر کے وہ اپنی تھکان دور کرنے کے لیے غسل کی غرض سے حمام میں داخل ہوا۔ تو علامہ مقدسی کی تصریح کے مطابق وہاں کے کچھ غیرت مند جوشیلے نوجوانوں نے اُس پر حملہ کر کے اُسے ہلاک کر دیا۔ دائرۃ المعارف برطانیہ میں لکھا ہے: "وہ حمام میں قتل ہوا۔ لیکن اُس کے قتل کا سبب کسی کو معلوم نہیں ہو سکا۔"

کسریٰ ایران کی ہلاکت:۔

یہ عجیب اتفاق ہے۔ کہ قسطنطین ثالث بن ہرقل (قیصر روم) ۲۱ھ میں ہلاک ہوا۔ اور اسی سال یزدجرد شہریار شاہِ فارس (کسریٰ ایران) بھی قتل ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی عہد عثمانی میں پوری ہوئی۔

"جب قیصر ہلاک ہو گا۔ تو اُس کے بعد کوئی قیصر نہ ہو گا۔ اور جب کسریٰ ہلاک ہو گا۔ تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہو گا۔" (البدایہ والنہایہ)

بن اسحاق لکھتا ہے:۔

"کہ یزدجرد ایک چھوٹی سی جانثاروں کی جماعت کے ساتھ کرمان سے مرو کی طرف بھاگا۔ مرو کے گاؤں کے زمیندار نے اس کا مال و اسباب چھیننا چاہا بادشاہ نے ترکوں سے مدد طلب کی جن کی مدد سے اُس کی جان بچ گئی۔ لیکن ترکوں کی نیت صاف نہ تھی۔ انہوں نے رات میں بادشاہ کے رفقا کو قتل کر دیا۔ یزدجرد جان بچا کر بھاگ نکلا۔ اور مرو کی نہر مرغاب کے کنارے ایک سنگ تراش کے مکان پناہ لی۔ جس نے رات میں اس کے زیورات و جواہرات پر قبضہ کر لیا۔ اور اسے قتل کر کے نہر میں پھینک دیا۔ مرو والوں نے اس کی لاش پانی سے نکال کر ایک

Marfat.com

چھبی تابوت میں رکھ دی۔ اور یہ تابوت اصطخر لایا گیا۔ جہاں ملک فارس کا یہ آخری تاجدار دفن کر دیا گیا۔

عہدِ عثمانی کی فتوحات مؤرخین کی نظر میں

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جو فتوحات نصیب ہوئیں۔ وہ عہد فاروقی کی فتوحات سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ اس سلسلہ میں چند مورخین کی آرا ملاحظہ ہوں:۔

حضرت امام ابن کثیرؒ "البدایۃ والنہایہ" میں لکھتے ہیں:۔

"آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے کثرت سے ممالک، اور شہر فتح کرائے۔ ملکِ اسلامیہ اور دولتِ اسلامیہ بہت وسیع ہو گئی۔ اور رسالت مصطفویہ کرۂ ارض کے مشرق و مغرب میں پہنچ گئی۔"

منہاج السنۃ میں امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔

"لوگ جس طرح حضرت عثمانؓ کی بیعت پر جمع ہوئے۔ اس طرح کسی کی بیعت پر متفق نہ ہوئے تھے۔ اور اللہ نے اُن کے ہاتھ پر سارا شام و عراق اور خراسان کے بعض علاقے فتح کرائے۔"

Marfat.com

حضرت عثمانؓ کی اِصلاحات اور کارنامے

ابن خلدون جو عمرانیات کا بانی بھی ہے۔ اور ممتاز سیاسی مفکر بھی! حضرت عثمانؓ کے سیاسی تدبر کا یوں اعتراف کرتا ہے:۔

"کتبِ تاریخ و سیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ ذی النورین کو سیاسی امور میں خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ لیکن چونکہ زمانۂ ابتلاء میں مخالفوں کی نکتہ چینی اور زبان درازی عام ہوگئی تھی۔ اور ہر شخص بلا لحاظ مراتب اعتراض کرنے میں مستعد تھا۔ اس لیے ان کے انتظامات، اور مصالح سلطنت نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئے۔

یہی فاضل مورخ آگے چل کر رقم طراز ہے:

"انہوں نے علامات حرم کی تجدید کی۔ جدہ کو ساحلِ سمندر قرار دیا۔ اُمتِ محمدیہ کو ایک مصحف پر متفق و جمع کیا۔ مسجدِ نبوی کو پختہ بنوایا۔ غرض ذی النورین نے سیاستِ ملی میں ایسے ایسے اُمور اختراع فرمائے۔ کہ جس کی نظیر کہیں اور نہ ملے گی۔ ان کے فتاویٰ و احکام جو اُن کے زمانۂ خلافت میں صادر ہوئے۔ طولِ کلام سے بچنے کی غرض سے قلم انداز کیے جاتے ہیں۔"

آئندہ چند صفحات میں عہدِ عثمانی میں نظمِ مملکت کے چند نمایاں پہلوؤں پر ہم روشنی ڈالیں گے۔ جس سے یہ امر واضح ہو جائے گا۔ کہ اُمورِ جہاں بانی و جہاں داری میں حضرت عثمانؓ پیش رو خلفاء حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے تقریباً ہم سر اور ہم پلہ تھے۔ اور مابعد کے ملوک و سلاطین اس پہلو میں اُن کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچتے۔

Marfat.com

فوجی اصلاحات:۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے تک بعض فوجی اور سول انتظامیہ کے عہدے گڈمڈ چلے آتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے جس تدبر سے کام لیتے ہوئے اُنہیں الگ الگ کر دیا مثلاً شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ تھے۔ شام کی بحریہ کے سالارِ اعلیٰ عبداللہ بن قیس الفزاری مقرر ہوئے، اور عدالت کے قاضی حضرت ابو درداء تھے[1]

اس بابرکت دور میں مجاہدین کی تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا گیا۔ مورخ اسلام طبری لکھتا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کے وظیفے میں سو سو درہم کا اضافہ فرمایا۔ امام ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں وضاحت فرماتے ہیں۔ کہ اسلامی فوج کے ہر سپاہی کے وظیفے میں حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ وظیفے پر سو درہم کا سرکاری طور پر اضافہ کر دیا گیا۔

عہد فاروقی میں جو مقامات فوجی مراکز قرار پائے تھے حضرت عثمانؓ نے انہیں برقرار رکھا۔ اور اُن کے علاوہ طرابلس، قبرص، طبرستان، اور آرمینیہ میں مزید فوجی مراکز قائم فرمائے۔ اور بعض اضلاع میں چھاؤنیاں بنائیں۔ جہاں فوج ہمہ وقت موجود رہتی تھی۔

فوجی ترقیوں کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یادگار کام، بحری فوج کا قیام ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی تحریک پر بارگاہِ خلافت سے بحری بیڑہ تیار کرنے کا حکم صادر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن قیس حارثی اس کے امیر البحر مقرر ہوئے۔ یہ پہلے مسلمان امیر البحر ہیں۔ جنہوں نے پچاس بحری معرکہ آرائیاں کیں۔ اور جب سلطنت روما کا عظیم الشان بحری بیڑہ شام کے ساحلی علاقے کی طرف بڑھا۔ تو اُسے شکست فاش دی۔

حضرت عثمانؓ نے پہلی مرتبہ سرفروش مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لیے گراں قدر انعامات تجویز مقرر کیے۔ چنانچہ ایک کٹھن وادی کو عبور کرنے پر آپ نے گورنر بصرہ ابن عامر کی پوری فوج کو فالیس لاکھ درہم ادا کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ بہادری و شجاعت کی روایات زندہ تابندہ رہیں۔

---

[1] تاریخ طبری۔

شورائیت اور جمہوریت:

حضرت عثمانؓ نے شورائی نظام ورثے میں پایا۔ آپ نے اس نظام کو برقرار رکھنے کا خاص اہتمام کیا۔ اس بارے میں اُن کی مساعی جمیلہ کا مختصر خاکہ یہ ہے۔

اوّلاً:۔ اُن کی اپنی خلافت چھ افراد کی مشورت سے طے پائی تھی۔

ثانیاً:۔ آپ نے تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی ہرمزان کے قتل، اور عبیداللہ بن عمر کے خلاف قصاص کے مقدمے میں مجلسِ شوریٰ کا اجلاس طلب فرمایا۔ اُن کے تصورِ حکومت کا اندازہ اُن کے ۳۵ھ کے ایک خطبے کے اِن الفاظ سے ہوتا ہے۔ جب آپ نے مدینہ کے شرفاء و اکابرین کو سازشوں کے بارے میں غور و فکر کرنے کے لیے طلب کیا، اور ارشاد فرمایا:۔

"تم میرے شریکِ کار ہو۔ اور مسلمانوں کے حالات کو اچھی طرح جانتے ہو۔ تم مجھے مشورہ دو۔"[1]

ثالثاً:۔ آپ ہی نے پہلی مرتبہ عمّال کی مجلس شوریٰ کی داغ بیل ڈالی چنانچہ شورشوں کے زمانے میں آپ نے دارالخلافے میں عمّال (گورنروں) کا ایک اجلاس بلایا۔ اور سب سے کہا۔ فَاَشِیْرُوا عَلَیَّ "مجھے مشورہ دو۔"

اِس مجلسِ مشاورت میں سعید بن العاص (گورنر کوفہ) عبداللہ بن سعد (گورنر مصر) حضرت امیر معاویہؓ (گورنر شام)، عبداللہ بن عامر (گورنر بصرہ) نے شرکت فرمائی۔ اور خلیفۂ ثالث کو اپنے اپنے مشوروں سے آگاہ کیا۔[2]

رائے عامہ کا احترام:۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے پیش رو خلفاء (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کی طرح اپنے زمانے میں روحِ جمہوریت کو زندہ رکھا۔ اور رائے عامہ کا احترام کیا۔ ہر شخص کو اظہارِ خیال کی آزادی

---

[1] طبری

[2] البدایہ والنہایہ

حاصل تھی۔ عوام کو حکام و عمال پر نکتہ چینی کا پورا حق حاصل تھا، اور اُن کے شخصی حقوق کی پوری پوری ضمانت دی گئی تھی۔ جس اسلامی جمہوریت کی پہلی اینٹ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی۔ وہ عہد صدیقی و فاروقی میں ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی عہد عثمانی میں درجۂ کمال تک جا پہنچی۔

رائے عامہ کے احترام کے پیشِ نظر ہی آپ نے بعض گورنروں کا رد و بدل فرمایا۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو بیت المال کا جرو فت قرضہ نہ ادا کرنے کی پاداش میں آپ نے معزول فرما دیا، گورنر ولید کو اس کے عہدے سے نہ صرف معزول کر دیا۔ بلکہ اُس پر حد جاری فرما دی۔ کیونکہ ان پر بعض افراد کی طرف سے شراب نوشی کا الزام تھا۔ حضرت سعید بن عاص اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو اُن کے عہدوں سے رعایا کی شکایتوں کی بنیاد پر ہی علیحدہ کیا گیا۔ عبداللہ بن سعد، فاتح افریقہ کو آنجناب نے خمس کا پانچویں حصہ بطور انعام دے دیا۔ لیکن جب عوام کو یہ فیصلہ ناگوار محسوس ہوا۔ تو آپ نے انہیں یہ رقم لوٹا دینے کا حکم دے دیا۔ اس سے زیادہ رائے عامہ کے احترام کی اور کیا مثال پیش کی جا سکتی ہے؟

عہد عثمانی میں عوام کھلے بندوں، اعلیٰ فوجی و سول حکام پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ ذی النورین کی ذاتِ گرامی پر بھی جا و بے جا حملے کیے جاتے تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے حریتِ فکر و ضمیر کی روایات پر کوئی قدغن نہ لگائی۔ اور اس معاملے میں اتنی عالی ظرفی، تحمل، اور بردباری کا ثبوت دیا۔ کہ جس کی تاریخ انسانی میں کہیں مثال نہیں ملتی۔ دنیا دار حکمرانوں کی طرح آپ اپنے مخالفین کو قید و بند کی صعوبتوں میں ڈال سکتے تھے۔ لیکن آپ نے خلیفۂ راشد کی حیثیت سے، اپنی رعایا سے شفقت اور گرم گستری کا برتاؤ کیا۔

تعمیرات و رفاہ عامہ کے کام:۔

حضرت عثمانؓ نے عوامی مفاد کے پیشِ نظر بہت سی تعمیرات کروائیں۔ جن میں مہمان خانے سرِ فہرست ہیں۔ کوفہ میں ابو سالم الاسدی کا گھر مسافروں کی قیام گاہ تھا۔ اور عبداللہ بن مسعود قاضی کوفہ کا دولت کدہ بھی دارالقضا کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ امام طبری نے

Marfat.com

اُن مقامات کی تفصیل بیان کی ہے۔ جہاں جہاں مہمانوں کے لیے سیدنا حضرت عثمانؓ نے کئی کئی مکان بنوائے۔

عہد عثمانی میں رعایا کی سہولت کے لیے مزید سڑکیں بنوائی گئیں۔ اور کنوئیں کھدوائے گئے۔ مدینۂ طیبہ میں پانی کا ایک اور کنواں کھدوایا گیا۔ عراقی حاجیوں کے لیے فید کے مقام پر ایک چشمہ کھدوایا گیا۔ نجد کے راستے میں مدینہ سے چوبیس میل دور بیئر السائب کھدوایا گیا ضریہ کی چراگاہ کو وسیع کرنے کے لیے ایک نیا چشمہ کھدوایا گیا مولانا معین الدین ندوی کے الفاظ میں "حضرت عثمانؓ نے مدینہ کے راستے میں موقع موقع سے چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار کروا دیے۔

خیبر کی سمت سے مدینہ میں کبھی کبھی خطرناک سیلاب آجاتا تھا۔ جس سے شہری آبادی اور مسجد نبوی دونوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال رہتا تھا۔ اس لیے حضرت عثمانؓ نے مدری کے قریب ایک عظیم الشان بند بندھوایا۔ جو بند مہروز کہلاتا ہے۔ رفاہِ عامہ کی تعمیرات میں خلیفۂ ثالث کا یہ کارنامہ یادگار ہے۔

دینی خدمات:۔

واقدی کا قول ہے۔ کہ ۲۶ھ میں حضرت عثمانؓ نے انصابِ حرم کی تجدید کا حکم دیا۔ اور کعبۃ اللہ کی توسیع فرمائی۔ قرب و جوار کے لوگوں میں سے تو بعض نے اپنے مکان فروخت کر کے خزانۂ حکومت سے گراں قدر معاوضے لے لیے۔ لیکن چند افراد نے مکانات دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا:۔

"جانتے ہو تمہیں کس چیز نے اتنا جری اور گستاخ کر دیا ہے؟ تمہیں سوائے میرے حلم کے اور کسی چیز نے مجھ پر جری نہیں کیا۔ تمہارے ساتھ حضرت عمرؓ نے بھی یہی معاملہ کیا تھا مگر تم ان کے سامنے زبان تک نہ ہلا سکے"[1]

---

[1] طبری۔

Marfat.com

بہر حال آپ نے مسجد الحرام کی توسیع کا اعزاز و شرف پایا۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے ابتدائی مرحلے میں دوسرے صحابہ کی طرح حضرت عثمانؓ بھی شریک عمل تھے۔ عہد نبوت میں مسجد کی توسیع کا معاملہ سامنے آیا۔ تو عثمانؓ بن عفان نے پچیس ہزار درہم میں زمین خرید کر ہبہ کر دی۔ اور اپنا گھر جنت میں بنا لیا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ جو (ملحقہ زمین) خرید کر مسجد کو اور وسیع کرے گا، اُسے جنت میں اِس سے بہتر گھر ملے گا۔ حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیر کروائی۔ اور اُس میں اعتدال نفاست پیدا کر دی۔ دیواریں منقوش پتھروں اور گچ کی بنوائیں۔ اور ستون بھی منقوش پتھروں کے بنوائے اور چھت ساگوان کی لکڑی کی ڈالی۔

مدینہ کا قبرستان بقیع مختصر تھا۔ حضرت عثمانؓ نے ایک باغ "حش کوکب"، خرید فرمایا جو "جنت البقیع" کے شرقی جانب تھا۔ اور اُسے سابقہ قبرستان میں شامل کر دیا۔

رعایا کی خبر گیری

امام ابن کثیر نے موسیٰ بن طلحہ سے روایت نقل کی ہے۔ کہ جب آپ منبر پر موذن کے آذان دینے کے بعد تشریف لاتے تو آپ لوگوں کے حالات دریافت فرماتے۔ ان سے ان کی خبریں، اور اُن کے سفر کے حالات پوچھتے۔

موسیٰ ابن طلحہؓ سے حضرت ابن سعدؓ نے روایت نقل کی ہے۔ کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو ایک نمازِ جمعہ پر دیکھا آپ نے دو زرد کپڑے زیبِ تن فرما رکھے تھے۔ اور آپ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ موذن نے آذان دی۔ آپ لوگوں سے باتیں کرتے تھے۔ اُن سے اُن کے سفر کے حال دریافت فرماتے تھے۔ اُن کی خبریں پوچھتے تھے۔ اور مریضوں کی صحت کے بارے معلوم کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے اعلان عام فرما دیا تھا "لوگ معروف پر عمل کریں۔ منکرات سے

---

[1] وفاء الوفاء۔ [2] طبری

بچیں اور کوئی مسلمان اپنے آپ کو ذلیل نہ سمجھے۔ میری حمایت یقیناً طاقت ور کے مقابلے میں کمزور اور مظلوم کو حاصل رہے گی۔"

مذکورہ بالا تینوں روایات سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ جناب حضرت عثمانؓ کو رعایا کا کس قدر خیال تھا؟

عُمّال کا احتساب:۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ عوام کے مطالبوں اور اُن کی شکایتوں کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے، جناب حضرت عثمان نے متعدد عمّال (گورنروں) کا رد و بدل کیا۔ اور اُن کی شخصی وجاہت کو بھی خاطر میں نہ لائے۔

آپ نے مملکت کے تمام صوبوں میں ایک گشتی مراسلہ بھجوایا کہ "اطلاع موصول ہوئی ہے کہ بعض عمّال و حکام لوگوں کو سخت سست کہتے ہیں۔ یا زدوکوب کرتے ہیں۔ پس جس کو اس قسم کی شکایت ہو۔ وہ حج کے موقعہ پر آئے۔ اور مجھ سے یا میرے عمّال سے جس پر واجب ہو۔ اپنا حق لے لے یا معاف کر دے۔ اُدھر حج کے موقعہ پر تمام عمّال حکماً حاضر ہوتے اور لوگ ان کے روبرو اپنی شکایات پیش کرتے تھے۔ اور حضرت عثمانؓ عادلانہ فیصلے فرماتے تھے۔

عوامی خوشحالی اور مرفہ الحالی:۔

خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔

"باوجودیکہ بعض لوگ حضرت عثمانؓ کی عیب جوئی کرتے تھے۔ مگر میں نے دیکھا۔ کہ لوگوں میں روزانہ رزق و مال تقسیم ہوتا تھا۔ انہیں کہا جاتا تھا لوگو! صبح سویرے عطیات لے لو۔ لوگ وافر عطیات حاصل کرتے تھے۔ پھر انہیں کہا جاتا تھا۔ رزق حاصل کر لو۔ سو وہ وافر رزق لیتے تھے۔ پھر انہیں کہا جاتا گھی شہد لے لو۔ چنانچہ وہ اپنا اپنا حصہ لے لیتے۔"

Marfat.com

حضرت عثمانؓ بحیثیت ناشر قرآن

سنہ ۳۰ھ

سنہ ۲۵ھ میں حضرت حذیفہ بن الیمان آرمینیہ اور آذربائیجان کے محاذ سے واپس لوٹے۔ تو وہ قرآن مجید کے الفاظ کی ادائیگی کے بارے میں مختلف قبائل کے اختلافات سے پریشان خاطر تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت سعید بن عاص سے کہا "اطراف و بلاد میں قرأت کا مسئلہ باعثِ نزاع بن چکا ہے۔ حمص والوں کا دعویٰ ہے۔ کہ انہوں نے حضرت مقداد سے قرأت سیکھی، اس لیے اُن کی قرأت زیادہ صحیح ہے۔ دمشق والے اپنی قرأت کو صحیح اور دوسروں کی قرأت کو غلط بتلاتے ہیں۔ کوفہ والے حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت پر نازاں ہیں۔ اور دوسری قرأتوں کو نادرست قرار دیتے ہیں۔ بصرہ والے حضرت ابو موسیٰ کی قرأت پر اپنی تلاوت کا انحصار رکھتے ہیں"

اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ سے مل کر صورت حال عرض کی۔ اور عرض کیا:

"لوگوں میں قرآن مجید کی طرز ادا میں بہت سے اختلافات پیدا ہو گئے ہیں قبل اس کے کہ لوگ یہود و نصاریٰ کی طرح گمراہ ہوں۔ آپ کوئی معقول بندوبست کر دیجئے۔ اور امت کو سنبھالیے"

اس پر حضرت عثمانؓ نے اُم المومنین سے وہ صحیفے طلب کیے۔ جو حضرت ابو بکرؓ نے جمع کیے تھے۔ اور فرمایا کہ "صحیفے بھیج دو۔ میں اُن کی نقلیں کروا کر تم کو واپس بھیج دوں گا۔ بعد ازاں حضرت عثمانؓ نے حضرت زیدؓ، حضرت سعیدؓ بن عاص، حضرت عبدالرحمٰنؓ کو نقول تیار کرنے

سلہ بحوالہ سیرت حضرت عثمان بن عفان۔ محمد رضا مصری۔

سلہ صحیح بخاری شریف

سلہ ترمذی شریف

Marfat.com

پر مامور کیا۔ اور فرمایا "اگر تم میں ادائیگی الفاظ (قرأت و لغت) کا کوئی اختلاف ہو۔ تو لغت قریش پر لکھو" ان برگزیدہ اصحاب نے نقلیں تیار کیں۔ جن کو حضرت عثمانؓ نے اطراف و بلاد میں بھیج دیا۔ مورخین کا اتفاق ہے۔ کہ حضرت سعید بن العاص اپنے زمانے کے سب سے بڑے فصیح و بلیغ عالم تھے۔ اس لیے اُن کا اس کمیٹی میں موجود ہونا بڑا مفید رہا۔

مولانا عبدالحق حقانی دہلوی نے وہ طریق کار بھی بیان کیا ہے۔ جو نقلیں تیار کرنے میں اختیار کیا گیا تھا وہ لکھتے ہیں کہ "حضرت عثمانؓ نے بھی زید بن ثابت کو نسخہ ابوبکرؓ سے نقول تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ زید بن ثابت نے پھر ویسا ہی اہتمام کیا۔ جیسا عہد ابوبکرؓ میں کیا تھا۔ پھر وہ اجزا جمع کیے۔ اور حفاظ کو بھی شریک کیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کا مرتب کروایا ہوا نسخہ بھی سامنے رکھا۔ اور مسجد کے دروازے پر دو شخص بٹھا دیے۔ اُن میں اُبی بن کعب بھی تھے۔ کہ آتے جاتے نمازیوں سے کہیں کہ جس کے پاس جس قدر قرآن ہو۔ دو گواہوں کی شہادت پیش کرے۔ (ایک کتابت سے اور دوسری حفظ سے) اور اپنے ساتھ عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص، عبدالرحمٰن بن الحارث، ابن ہشام اور عبداللہ بن عمرو بن العاص، اور عبداللہ بن عباس کو بھی شامل کیا۔ بعض نے لکھا ہے۔ کہ بارہ اصحاب رسول اس کام پر مامور کیے گئے تھے اس طرح قرآن لکھا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کا نسخہ حضرت حفصہؓ کے گھر بھیج دیا گیا۔ چونکہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں از سر نو اہتمام کیا گیا تھا اس لیے جامع القرآن مشہور ہوئے"

اصل حقیقت حال یہ ہے کہ عرب قبائل کا لب و لہجہ جدا جدا تھا۔ بعض حروف کی ادائیگی وہ الگ الگ طریقہ پر کرتے تھے۔ مثلاً

- اہل یمن الناس کو النات پڑھتے، اور س کو ت سے بدل دیتے۔
- قبیلہ حمیر کے لوگ الشمس و القمر کو الشمس و القمر پڑھتے تھے۔
- بنو سعد اعنی کو انی پڑھتے اور عین کو ن سے بدل دیتے یا اس طرح

بنو ہذیل حتیٰ کو عتیٰ پڑھتے، اور ح کو ع سے بدل دیتے۔[1]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید سات طریقوں پر پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ جیسے کہ آپ کا فرمان ہے۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔

غالباً آپ کی مراد یہ تھی کہ عرب کے سات فصیح قبائل میں سے کسی کے طریق پر قرآن مجید پڑھا جا سکتا ہے۔ جس میں قریش، بنو سعد، بنو تمیم، بنو ہذیل، بنو اسد، بنو ربیعہ اور بنو قضاعہ شامل تھے۔

حضرت عثمانؓ نے نئے حالات میں محسوس کیا۔ کہ اب حالات کا تقاضہ یہ ہے۔ کہ یہ رعایت ختم کر دی جائے۔ اور صرف قریش کے لب و لہجہ، طرزِ ادا، اور طریق قرأت کو باقی رہنے دیا جائے۔

یہاں ایک مثال دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح ہندوستان میں دہلی والے قلم بولتے ہیں۔ اور ہمارے پنجاب والے کلم، اور حیدر آباد والے غلم! اگرچہ مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح عربوں کے قبائل میں تلفظ و طرز ادا کے اختلافات تھے۔ . . . . . اگرچہ اُس سے مطالب قرآنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے سب کو قریش کے طریق ادائیگی کا پابند کر کے، اُن تمام تنازعات کا سدِ باب کر دیا جن کا احساس پہلے حذیفہ بن الیمان کو ہوا۔ اور بعد میں دوسرے صحابہ کو! خود شروع شروع میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حذیفہؓ بن الیمان سے الجھ پڑے تھے۔ لیکن بعد میں اُنہیں حذیفہ بن الیمان کے اضطراب اور حضرت عثمانؓ کے اقدام کی صحت کا اعتراف ہونا پڑا۔

حضرت عثمانؓ نے جو سات نقلیں تیار کروائی تھیں۔ اُن میں سے ایک نقل کوفہ پہنچی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ لیکن حضرت عبداللہ بن

---

[1] مناہل العرفان مولفہ عبدالصمد صارم

مسعود نے انہیں ٹوک دیا۔ اور فرمایا:۔

"مسلمانو! تمہارا اعتراض مناسب نہیں۔ سابقین اسلام اور کبار صحابہؓ نے جو کچھ کیا ہے بالکل ٹھیک کیا ہے۔ تم کو اپنی ضعیف رائے پر اصرار نہ کرنا چاہیئے۔ ... حضرت عثمانؓ نے اپنی رائے سے کچھ نہیں کیا جو کچھ کیا ہے۔ اصحاب رسول اور اہل الرائے کے مشورے سے کیا ہے"[1]

حضرت عثمانؓ کے اقدام کو مبنی بر حقیقت قرار دیتے ہوئے، امام ابن قیم جوزی فرماتے ہیں:۔

"حضرت عثمانؓ نے تمام طرق قرأت کو جمع کر کے، جو ایک طریق میں محدود و منحصر کر دیا تھا۔ مبنی بر مصلحت تھا۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمام طرق میں پڑھنے کی اجازت تھی۔ صحابہؓ کو اختلاف رونما ہو جانے کا اندیشہ ہوا۔ لہذا یہی بہتر سمجھا گیا۔ کہ تمام امت کو ایک لغت پر متحد و متفق کر دینا ہی بہتر ہے۔ تاکہ اس راہ سے امت کے اتفاق کا شیرازہ نہ بکھر جائے۔ اس کی مثال ایسی سمجھو۔ کہ ایک گھر میں جانے کے کئی راستے ہوں۔ اور ان تمام راستوں کی آمد و رفت لوگوں میں تفریق و انتشار کا موجب ہو۔ جس سے دشمنوں کو خوشی ہو۔ ایسی صورت میں اگر امام صرف ایک راستہ کھلا رکھے۔ اور دوسرے تمام راستوں کو بند کر دے۔ تاکہ تفریق و اختلاف نہ رہے۔ تو ایسا کرنا مصلحتاً اس کو جائز ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں لیا جائے گا۔ کہ امام موصوف کی رائے میں دوسرے راستے گھر تک پہنچانے میں صحیح راستے نہیں۔ بلکہ یہ کہا جائے گا۔ کہ وہ راستے اس کے نزدیک اندر جانے کا ذریعہ تو ہیں لیکن امت کی خاطر اس نے ان راستوں کو ممنوع قرار دے دیا۔

---

[1] کتاب الطرق الحکمیہ فی سیاست شرعیہ۔

فتنوں کا آغاز

حضرت عثمان بن عفان کی حکومت کے ابتدائی چھ سال امن و سکون میں گزرے۔ لیکن اُن کی حکومت کے آخری چھ سال بدامنی اور شورشوں کی نذر ہو گئے۔ آپ کے خلاف بے اطمینانی کے حقیقی وجوہ یہ تھے۔

فتنہ اور اس کے اسباب:۔

تمام مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت کے ابتدائی چھ سال تاریخ اسلامی کا زریں باب ہیں رعایا حضرت عثمانؓ سے بڑی خوش تھی۔ لیکن اُس کے بعد کے چھ برس شورشوں اور بغاوتوں کے ہنگاموں کی نذر ہو گئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ کیا اسباب، محرکات، اور عوامل تھے۔ جن کے باعث یہ ناخوشگوار تبدیلی پیدا ہوئی۔

اگرچہ متقدمین و متاخرین تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے متعدد اسباب بیان کیے ہیں۔ لیکن اُن میں سے جو اسباب زیادہ قرین قیاس ہیں، وہی مختصراً درج کیے جاتے ہیں:

مال و دولت کی فراوانی کا فتنہ:۔

یوں تو حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہی ایران و روم کی دولت مسلمانوں کے قدموں میں آچکی تھی، لیکن حضرت عمرؓ کی سیاسی حکمتِ عملی کی وجہ سے لوگوں میں عیش و عشرت کا رجحان پیدا نہ ہوا۔ ابن خلدون نے بجا طور پر لکھا ہے:۔

"حضرت فاروقِ اعظمؓ نے مملکت اسلام کو اُسی انداز میں چلایا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ [illegible] دولت اور فراخی کے اس زمانے میں لوگوں نے عیش و عشرت [illegible] کرات تعلق کرنا بھلا دیا۔"

Marfat.com

بعد ازاں حضرت عثمانؓ کے زمانے میں خوشحالی، اور مرفہ الحالی اپنے نقطۂ عروج تک جا پہنچی۔ مدینہ میں کبوتر بازی، اور شراب نوشی کا رواج ہونے لگا۔[1] حضرت عثمانؓ کو جب معلوم ہوا۔ تو آپ نے قبیلۂ لیث کے ایک شخص کو کبوتر بازی کے مراکز ختم کرنے پر مامور فرمایا اور مجلسِ شوریٰ کے فیصلے کے مطابق نبیذ کے استعمال پر بھی کوڑے لگانے شروع کر دیے۔ برائیوں کے انسداد میں انہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ لیکن مال و دولت کی ریل پیل کے ساتھ ساتھ آرام کوشی، اور عیش پسندی کا رجحان روز افزوں ہوتا چلا گیا۔

چند نوجوانوں کی کوتاہ اندیشی:۔

اکابر صحابہ جو اسلام کے سچے خادم اور مخلص شیدائی تھے۔ ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے تھے۔ اور بہت سے اکابر صحابہ پیرانہ سالی کے باعث عملی کاموں خصوصاً سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے قاصر تھے۔ خصوصاً ۳۲ھ اور ۳۴ھ کے درمیانی وقفے میں حضرات ابوذر غفاری، عبدالرحمٰن بن عوف، عباس بن عبدالمطلب، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن زید بن عبدِ ربہ، ابو درداء انصاری، مقداد بن اسود کندی، ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہم جیسے نامور صحابہ نے داعی اجل کو لبیک کہی۔ ان کے فوت ہونے کے ساتھ ان کی برکات بھی اٹھ گئیں۔ کبار صحابہ کی جگہ جو نئی نسلیں لے رہی تھیں۔ ان میں نہ تو اپنے اسلاف جیسا مذہبی جذبہ تھا، نہ سیاسی بصیرت، اور نہ اخلاقی شعور۔ بلکہ مال و دولت کی فراوانی نے ان کے قلوب میں حبِ مال اور حبِ جاہ جیسے مفاسد کی تخم ریزی کر دی تھی۔ مثلاً محمد بن ابی بکر کے والد کا مرتبہ بہت بڑا تھا۔ اس لیے لوگوں نے انہیں دھوکے میں مبتلا کیا۔ اور ان میں حکومت کی طمع پیدا کر دی۔ ادھر ان پر کچھ قرضہ ہو گیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی مدد کی، تو وہ امیر المومنین کی مخالفت پر اتر آئے۔ اور ان کا [illegible]

[1] طبری

Marfat.com

کی بجائے مذمت (قابلِ مذمت) ہو گئے۔[1] اسی طرح محمد بن ابی حذیفہ نے اپنے والد کے رتبے کے خیال سے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی۔ کہ انہیں مصر کا حاکم مقرر کر دیا جائے۔ امیرالمومنین نے اُن کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ پس وہ بھی حضرت عثمانؓ کے مخالف بن گئے۔ حالانکہ حضرت عثمانؓ نے ان کی یتیمی پر ترس کھا کر برسوں اُن کی کفالت کی تھی۔[2]

بنو اُمیہ کے خلاف عوامی تعصب:۔

بنو اُمیہ کے خانوادے نے ابتداءً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس مشن کی شدید مخالفت کی تھی۔ اور فتح مکہ کے بعد اِس قبیلے کی اکثریت مسلمان ہوئی تھی۔ اس لیے عامۃ المسلمین اُن سے زیادہ خوش نہ تھے۔ چونکہ حضرت عثمانؓ اسی خاندان کے اشراف میں سے ایک تھے۔ اس لیے عوام بنو اُمیہ کے خلاف اپنے سابقہ تعصب کے سبب اُنہیں اپنے دل میں جگہ دینے کے لیے تیار نہ ہو سکے۔

بنو ہاشم و بنو اُمیہ کی چپقلش:۔

ایک طرف عہد نبوی، عہد صدیقی، اور عہد فاروقی میں متعدد باصلاحیت اموی اور مختلف کلیدی مناصب پر مامور ہوئے تھے۔ دوسری طرف حضرت عثمانؓ نے بھی بعض اموی افراد کو اُن کی عسکری صلاحیتوں اور قائدانہ خوبیوں کے پیش نظر بڑے بڑے عہدے دیے۔ صورت حال بنو ہاشم کے خانوادہ سے تعلق رکھنے والے اکثر و بیشتر افراد کو ناگوار گزری۔ اسلام میں عہد جاہلی کی اُموی ہاشمی آویزش کی دبی ہوئی چنگاری آہستہ آہستہ سلگنے لگی۔

قبائل قریش سے دوسرے قبائل کا حسد۔

عرب کی سیادت ایام جاہلیت میں قبائل قریش کے ہاتھ میں تھی۔ اور عہد اسلام میں بھی [illegible] رہی۔ اس پر بعض دوسرے قبائل خاندان قریش سے حسد کرنے لگے [illegible] کہ سیاسی و جاہلیت کے علاوہ یہ جنت سے ایسے [illegible]

---

[1] طبری

ثمرات سے بھی محروم ہیں۔ جن سے قریش بہرہ مند ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کرنے والے جملہ عناصر پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ ان میں اکثر و بیشتر غیر قریش قبائل کے افراد شریک تھے۔ اور وہ نہ صرف حضرت عثمانؓ سے شاکی تھے۔ بلکہ قریش کی سیادت کو بھی ناپسندیدگی سے دیکھتے تھے۔

علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت سے بہرہ مند، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے پورے متبع اور پابند مہاجرین و انصار اور قریش و اہل حجاز ہی تھے۔ باقی رہے دوسرے عرب قبائل مثلاً بنی بکر بن وائل۔ عبدالقیس، ربیعہ، آزد، کندہ، تمیم وغیرہ اُن کو یا سرے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب نہ ہوئی تھی، یا یہ سعادت صرف چند یوم نصیب ہوئی تھی مگر ملکی فتوحات میں اُن کا خاصا نمایاں حصہ تھا۔ عام لشکر کشی کے زمانے میں انہیں چنداں احساس نہ ہوا۔ لیکن فتوحات کا سلسلہ رُکتے ہی، اس خیال سے کہ مہاجرین، انصار اور قریش اُن پر حکومت کر رہے ہیں۔ وہ دل ہی دل میں کشیدہ رہنے لگے۔ اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کے والیان مملکت کے خلاف طعن و تشنیع کی مہم شروع کر دی۔"

حضرت عثمانؓ کی نرمی طبع اور مُروّت:۔

حضرت عمر فاروقؓ کی صولت و شوکت کے سامنے کوئی فتنہ پرداز دم نہ مار سکا مگر حضرت عثمانؓ بڑے نرم مزاج تھے۔ انہوں نے سختی گیری کی بجائے نرمی اور مروّت کا اختیار کیا۔ امام طبری نے سالم بن عبداللہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت خلیفہ ہوئے۔ تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کیا اور ان کے حقوق کا خیال بھی رکھا۔ اور کسی کے حق کو معطل بھی نہ کیا۔ اس لیے [illegible]

ان کی نرمی کی وجہ سے اُن سے محبت کرنے لگے۔ اور رذیل لوگوں نے ان کی نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں شہید کر دیا۔"

کہاں حضرت عمرؓ کا زمانہ تھا۔ کہ سعد بن ابی وقاص جنگ قادسیہ کے ہیرو لوگوں کے ہجوم کو چیرتے پھاڑتے آگے بڑھ آتے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ کوڑا اٹھا کر فرماتے ہیں "تم اس طرح چلے آئے ہو۔ جیسے تم خدائی حکومت سے بالکل نہیں ڈرتے۔ میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ خدائی حکومت تم سے نہیں ڈرتی!" اور کہاں حضرت عثمانؓ مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ تو ایک بدتمیز (جہاہ) آپ کے ہاتھ سے عصا چھین کر توڑ دیتا ہے۔ اور گستاخانہ انداز میں کہتا ہے "اے بے عقل بوڑھے! (معاذ اللہ) منبر سے نیچے اتر آؤ۔"

ایک خطبے میں حضرت عثمانؓ نے اپنی نرمی طبع کا خود اعتراف فرمایا تھا:۔

"خدا کی قسم! تم لوگوں نے کل جو باتیں حضرت عمرؓ کے لیے پسندیدہ قرار دی تھیں آج اُن ہی باتوں پر میرے ساتھ نکتہ چینیاں کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تم کو اپنے پاؤں سے روندا ہاتھوں سے مارا۔ زبان سے ملامت کی۔ تو تم پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں پر اُن سے قریب ہوئے۔ میں نے نرمی پسند کی۔ اپنے شانے تمہاری مدد کو جھکا دیے۔ اپنے ہاتھ اور زبان تمہارے خلاف نہیں اٹھائے۔ تو تم مجھ پر دلیر ہو گئے ہو۔"

مفتوح اقوام کی سازشیں:۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف بے اطمینانی کا سب سے اہم سبب یہ تھا۔ کہ جن ممالک [illegible] ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح کیا گیا وہاں کے باشندوں کے دلوں میں اقتدار کے چھن جانے کا قوی احساس موجود تھا۔ ہر چند کہ مسلمانوں نے ان کے ساتھ [illegible] مگر اُن کے دلوں سے اس دم دشمنی کے بیج نہ نکالے جا سکے۔ انھوں [illegible] سازشوں کے دام بچھانے شروع کر دیے۔ یہودیوں [illegible]

عیسائیوں اور مجوسیوں نے اسلام کو مٹانے کے لیے خلفائے رسول کے خلاف سازشوں کا وسیع پیمانے پر سلسلہ شروع کر دیا۔ جو پہلے حضرت عمرؓ اور بعد ازاں حضرت عثمانؓ دونوں خلفائے راشدین کی شہادت پر منتج ہوا۔

ابن سعد، طبری، ابن خلدون اور جدید مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کے مراکز تین تھے۔ مصر، کوفہ، اور بصرہ! اور ان مراکز میں امیر المومنین کے خلاف فتنے کی آگ بھڑکانے والی مرکزی شخصیت ابن سبا کی تھی۔

علامہ امام طبری لکھتے ہیں:۔

"اس کے بعد ابن سودا (عبداللہ بن سبا) مسلمان ہوا، اور حضرت عثمانؓ کے خلاف زہر اگلنے لگا"

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:۔

"فتنہ پردازوں میں نمایاں عبداللہ بن سبا معروف بہ ابن السوداء تھا۔ جو اس سے پیشتر یہودی مذہب رکھتا تھا"

معاصر مورخ محمد جاد المولیٰ بک لکھتے ہیں:۔

"ابن سبا یمنی یہودی تھا۔ تورات کا عالم تھا، اس نے قرآنی تعلیمات میں تورات کی تاویلات شامل کر دیں"

محمد رضا مصری سیرت "عثمانؓ بن عفان" میں رقم طراز ہیں:۔

"عبداللہ بن سبا صنعا شہر یمن کا یہودی باشندہ تھا۔ اس کی ماں کا نام سوداء تھا۔ اس وجہ سے اس کو ابن سوداء بھی کہتے ہیں۔ وہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مسلمان ہوا۔ لیکن اس کا اسلام نفاق پر مبنی تھا۔ وہ اسلامی شہروں کا گشت کرتا پھرتا تھا۔ اور اس کے پیش نظر مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ [illegible] عبداللہ بن سبا اور اس کی [illegible]

پس قدیم و جدید مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ جناب حضرت عثمانؓ کے خلاف مفتوح اقوام کے چالاک لیڈروں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ملتِ اسلامیہ کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کی، جن میں ابن سبا کا نام سرِ فہرست ہے۔

فسادیوں کا کارگر حربہ:۔

فتنہ پردازوں نے صورت حال کو بگاڑنے کے لیے کئی حربے اختیار کیے تاہم اُن کا سب سے بڑا حربہ یہ تھا۔ کہ وہ جھوٹے پیچھے خطوط لکھ کر حضرت عثمانؓ اور اُن کے والیوں کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے، اور خلیفۂ اسلام کے خلاف بھی لوگوں کو بھڑکاتے۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

"اہل مصر، اہل کوفہ (کے سبائیوں) نے مدینہ میں مقیم صحابۂ کرام خصوصاً حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ کی طرف منسوب کر کے کئی جعلی خطوط لکھے۔ جن میں لوگوں کو دین کی حمایت میں حضرت عثمانؓ سے لڑنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اور کہا گیا تھا۔ کہ یہ عمل جہاد اکبر ہے۔"

امام ابن الحدید نے لکھا ہے:۔

"باغیوں نے (حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے) کہا تم نے ہماری طرف لکھا ہے کہ تم حضرت عثمانؓ پر حملہ کرو۔ جس نے سنت رسول اللہ کو تبدیل کر دیا ہے لیکن جب ہم آئے۔ تو حضرت علیؓ گھر بیٹھ گئے۔ اور تم دونوں اشک بار ہو۔ خدا کی قسم ہم انہیں ضرور قتل کریں گے۔"

اسی طرح امام طبری نے لکھا ہے:۔

"کہ محمد بن ابی حذیفہ نے اقطار مصر کی طرف سے جعلی خطوط لکھے جن کی [illegible] خدا کی قسم [illegible] نے آج تک سفید کاغذ پر کوئی

آئندہ سطور میں ہم یہ بیان کریں گے۔ کہ جعلی اور وضعی خطوط کا یہی موثر حربہ انہوں نے بعد میں حضرت عثمانؓ خلیفہ اسلام پر براہِ راست آزمایا اگرچہ صحابہ کرام پر اُن کے اس حربے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ لیکن عوام کے ایک طبقے پر اُن کی اِس ناپاک تدبیر کا جادو چل گیا۔

مدینہ میں گورنر کانفرنس (۳۴ھ)

جب مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے، اور ساتھ ہی مختلف قسم کی سازشیں اور شورشیں ہونے لگیں۔ تو حضرت عثمانؓ کے دل میں تحقیق احوال کا احساس ہوا جس کے لیے انہوں نے مدینہ میں اپنے گورنروں کو بلایا اور جن اصحاب کو مدعو کیا گیا تھا اُن میں حضرت امیر معاویہؓ حضرت عبداللہؓ بن ابی سرح، سعیدؓ بن عاص، عمروؓ بن عاص اور عبداللہ بن عامر تھے۔

اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے حضرت عثمان نے فرمایا:۔

"ہر شخص کو کچھ وزرا اور خیر خواہوں کی ہمدردی حاصل ہوا کرتی ہے۔ آپ حضرات کو میں اپنا بہی خواہ اور قابل اعتماد دوستوں کا مجمع تصور کرتا ہوں۔ آج مختلف اطراف میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ آپ لوگوں کے سامنے ہے۔ لوگوں کا مجھ سے مطالبہ ہے کہ میں اپنے عمال معزول کر دوں۔ اور تمام صورتِ حال جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں اُس سے رجوع کرتے ہوئے، اُن کی خواہشات کے مطابق قدم اٹھاؤں۔ اس سلسلہ میں سوچ بچار کے بعد مجھے اپنے مشوروں سے آگاہ فرمائیے!"

- عبداللہ بن عامر (عامل بصرہ) نے یہ مشورہ دیا "کسی ملک پر فوج کشی کر کے لوگوں کو جہاد میں مصروف کر دینا چاہیئے شورش خود بخود دب جائے گی۔"
- "حضرت امیر معاویہ (عامل دمشق) نے رائے دی۔ کہ ہر صوبے کا گورنر اپنے صوبے کو خود سنبھالے۔ اور فتنہ و فساد کی آگ کو شعلہ زن ہونے سے پہلے بجھا دے۔"

Marfat.com

- عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا نقطہ نظر یہ تھا کہ سازشی عناصر طمع و حرص کی وجہ سے فتنہ برپا کر رہے ہیں۔ اس لیے انہیں دولت دے کر اُن کا منہ بند کر دیا جائے۔
- حضرت سعید بن العاص نے رائے دی۔ کہ سازش کے سرغنوں کو عبرتناک سزائیں دی جائیں۔ تاکہ برائی کا ابتدا ہی میں قلع قمع ہو جائے۔
- عمرو بن العاص نے کانفرنس میں تو حضرت عثمانؓ سے یہ کہا کہ "آپ لوگوں کی شکایات پر توجہ دیں۔ اور عدل و مساوات پر کمربستہ ہو جائیں، ورنہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ لیکن جب مجلس برخاست ہو گئی۔ تو عمرو بن العاص کہنے لگے "امیر المومنین! میں نے آپ سے جو کچھ کہا اسے آپ میری طرف سے حقیقت نہ سمجھیں۔ خدا کی قسم! آپ مجھے بہت زیادہ عزیز ہیں۔ بات اصل میں یہ تھی۔ کہ ہم جو کچھ اظہار رائے کر رہے تھے۔ لوگوں تک یہ باتیں پہنچیں گی۔ میں نے کچھ ایسے انداز میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ گویا میں آپ کا مخالف ہوں۔ میرا اس سے مقصد یہ ہے۔ کہ میری بات لوگوں تک پہنچے۔ تو وہ مجھے اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کریں۔ اور میں اُن کو اصلاح کی راہ پر ڈال دوں۔ اور آپ سے اُن کا شر دفع کر دوں"

تحقیقاتی کمیشن:-

کانفرنس کے بعد حضرت عثمانؓ نے صحابہ کے مشورہ سے قابلِ اعتماد لوگوں کو حالات کے لیے بڑے بڑے شہروں میں بھیجا۔ محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہ بن زید کو [illegible] بن یاسر کو مصر، اور عبداللہ بن عمر کو شام کی طرف روانہ کیا گیا۔ عمار بن یاسر [illegible] باقی سب نے واپس آکر بتلایا کہ عمالِ عثمانی بالکل ٹھیک کام کر رہے ہیں۔ [illegible] بے حقیقت اور بے بنیاد ہے۔

عاملین عثمانؓ کی بے گناہی!

حضرت عثمانؓ نے جو تحقیقاتی وفود روانہ فرمائے۔ اُن کی تحقیقات سے یہ حقیقت سامنے آئی۔ کہ والیانِ ریاست سب کے سب بے قصور ہیں۔ البتہ مفسدین اور مفتوحہ اقوام نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اُن کے خلاف افترا پردازی کی مہم چلا رکھی ہے۔

ابنِ خلدون کے الفاظ میں:

جب دشمن مطیع و فرمانبردار ہو گیا، اور متعدد ممالک مسلمانوں کے زیرِ نگین آ گئے تو مفتوحین کی رگِ جاہلیت پھڑکنے لگی۔ خصوصاً جب انہوں نے دیکھا۔ کہ مہاجرین، انصار اور قریش ہی اُن پر حکمران ہیں۔ تو انہوں نے کھلم کھلا عمّال اور والیوں کے خلاف جھوٹی باتیں منسوب کر کے انہیں بدنام کرنے اُن کے احکام ماننے سے انکار کرنے، اور حضرت عثمانؓ سے عمّال کو بار بار بدلنے، اور معزول کرنے کے ناروا مطالبے شروع کر دیے۔ انہوں نے عمال وولاۃ کے خلاف فرضی افسانے کثرت سے گھڑ گھڑ کر پھیلانے شروع کیے۔ جب مدینہ میں یہ خبریں پہنچیں۔ تو حقیقتِ حال سے بے خبر ہونے کی وجہ سے بعض صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ پر زور دینا شروع کیا کہ وہ اِن اُمرا کو جن کی برطرفی پر زور دیا جا رہا ہے۔ معزول کر دیں، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ شکایت کرنے والے سچے ہیں۔ لیکن صورتِ حال بالکل مختلف تھی۔ کیونکہ جب حضرتِ عثمانؓ نے اِن علاقوں میں تفتیش کے لیے تحقیقاتی وفود بھجوائے۔ تو انہوں نے وہاں کے باشندوں پر ہیچ مظالم اور سختیوں کا نام و نشان تک نہ پایا۔ بلکہ خود وہاں کے لوگ انہیں فساد پر کمربستہ نظر آئے۔ فساد کھلم کھلا افتراق و انتشار پھیلا رہے تھے۔ بغاوت کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ اور اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ قائم کرنے [illegible]

Marfat.com

سرکشوں کا اقتدار خاک میں ملانے کی کوشش کر رہے تھے۔

تاریخ گواہ ہے کہ مفسدین نے کسی مقام پر بھی حضرت عثمانؓ کے نمائندوں پر اپنی شکایات کا برملا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ خفیہ طور سے اپنی سرگرمیاں تیز سے تیز تر کر دیں۔

جھوٹے الزامات کی تردید

۳۴ھ میں حضرت عثمانؓ کا خطبۂ حج:

حضرت عثمانؓ نے اہل کوفہ اور اہل بصرہ کو یہ پیغام بھیجا کہ مجھ پر یا میرے عمال سے کسی کو کوئی گلہ، شکوہ ہو۔ تو امسال زمانۂ حج میں آکر پیش کرے۔ یہ تیسری تدبیر تھی۔ جو امیر المومنین نے اصلاح احوال کے لیے کی۔ اس اعلان کو سن کر فتنہ پرداز لوگوں نے مکہ کی سمت فتنہ و فساد پھیلانے کی غرض سے رُخ کیا۔ اور وہاں کے عوام میں طرح طرح کی غلط فہمیوں کو پھیلانا شروع کر دیا اور حضرت عثمان کی معزولی کا مطالبہ بھی پیش کر دیا۔ حضرت عثمان نے ضرورت محسوس کی کہ ان بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا دلائل سے ازالہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے منادی کروائی کہ لوگ حرم مکہ میں جمع ہوں۔

اس موقعہ پر اصحاب رسول بھی حاضر ہوئے۔ اور فتنہ پرداز حیلہ جو، معترضین بھی تھے۔ حضرت عثمانؓ نے خطاب کرنا چاہا۔ تو صحابہ کرامؓ نے مفسدین کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان لوگوں کو فتنہ و فساد پھیلانے کے جرم میں قتل کر دیا جائے۔ لیکن جناب عثمانؓ نے اس درخواست کی طرف التفات نہ کیا۔ اور مفسدین کو سمجھانے بجھانے کی غرض سے ایک مدلل تقریر فرمائی جس میں فتنہ پردازوں کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا تذکرہ تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی پوزیشن واضح فرمائی۔

[illegible] کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible] ہم اس وقت تک کسی کو سزا

دیں گے۔ جب تک کوئی شرعی سزا کا مستحق نہ ہو یا علانیہ کفر کا اظہار نہ کرے۔
بات یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کو تمہاری ہی طرح کچھ واقعات کا علم ہوا ہے۔ لیکن
یہ ان معاملات کو مجھ سے سلجھانا چاہتے ہیں۔

۱۔ اِن لوگوں کو اعتراض ہے۔ کہ میں نے منیٰ میں نماز کیوں پوری پڑھی۔ حالانکہ اس
سے پہلے کسی نے پوری نہیں پڑھی۔ میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں۔ کہ وہاں میرے
اہل و عیال ہیں، اس پر صحابہ کرام نے کہا۔ بالکل ٹھیک!

۲۔ پھر جناب حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ اِن کو اعتراض ہے۔ میں نے چراگاہوں کو کھلا
کیوں نہ رکھا۔ حالانکہ مجھ سے پہلے کبھی چراگاہوں پر پابندی عائد نہیں کی گئی۔
میں نے ان چراگاہوں کو صدقات کے اونٹوں کے لیے مختص کر دیا ہے۔ تاکہ
بیت المال والوں اور عام شہریوں میں کوئی تنازعہ نہ پیدا ہو۔ نیز ایسے شخص کو
کبھی نہیں روکا گیا۔ جو ایک درہم بیت المال کو ادا کر دے۔ میں نے یہ پابندی
محض بیت المال کے اونٹوں کے لیے عائد کی ہے۔ ورنہ میری ملکیت میں سوائے
دو اونٹوں کے نہ کوئی اونٹ ہے۔ نہ بکری! حالانکہ سب کو معلوم ہے۔ کہ میں
جس وقت خلافت پر متمکن ہوا تھا تو تمام عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں
اور بکریوں کا میں مالک تھا۔ کیوں ٹھیک ہے نا! سب نے بیک زبان کہا
بالکل ٹھیک ہے۔"

حضرت عثمانؓ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

۳۔ اِن لوگوں کو یہ بھی اعتراض ہے۔ کہ قرآن مجید بہت سے طریقوں پر پڑھا اور لکھا
جاتا تھا۔ مگر میں نے ان سب کو منسوخ کر کے صرف ایک طریقے پر کر دیا ہے۔
لیکن میں اس معاملے میں مجلس شوریٰ کے مشوروں کا پابند رہا ہوں۔ یہ صرف
میرا اپنا فعل نہ تھا۔ مزید قرآن میں [illegible]

Marfat.com

ذات کی طرف سے آیا ہے۔ کیوں یہ ہے! سب نے کہا بالکل صحیح!

آپ نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

۴۔ ایک اعتراض اِن لوگوں کو یہ بھی ہے کہ میں نے حکم بن العاص کو واپس بلا لیا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے جلاوطن کر دیا تھا۔ اِس کا جواب بھی سن لو۔ حکم بن ابی العاص مکہ کا باشندہ تھا۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے چلے جانے کا حکم دیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی واپس آجانے کی اجازت دے دی تھی۔ کیوں صحیح ہے نا؟ جواب ملا۔ بالکل صحیح!

اُن کے اعتراضات رد کرتے ہوئے جناب حضرت عثمانؓ نے فرمایا:۔

۵۔ یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ آپ نے نوعمر لوگوں کو عامل مقرر کیا ہے۔ آخر کیوں؟ حالانکہ میں نے یہ قدم اپنی ذاتی مرضی سے کبھی نہ اٹھایا۔ جو کچھ کیا جماعتی مشورے سے کیا۔ نیز قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ اہل شہر کو ان غلطیوں پر پوچھ گچھ کرنے کا پورا حق حاصل ہے کہ کمی عمر کا والی ہونا محلِ تعجب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اُسامہؓ کو عامل مقرر فرمایا تھا۔ اُس وقت بھی بلاوجہ چہ میگوئیاں ہوئی تھیں۔ کیوں میں درست کہتا ہوں؟ آوازیں آئیں۔ بالکل درست ہے۔

پھر حضرت عثمانؓ کہنے لگے:۔

۶۔ یہ ناقدین حضرات کہتے ہیں۔ کہ میں نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مالِ غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ بطور عطیہ اور انعام کے دے دیا ہے۔ جس کی مقدار ایک لاکھ تھی۔ حالانکہ یہ کوئی نیا معاملہ نہ تھا۔ مجھ سے پیشتر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی ایسا کیا ہے۔ پھر بھی جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ فوج کے لوگ اس طریقے کو ناپسند کرتے ہیں۔ تو میں نے رقم اُن سے لے کر بیت المال میں

Marfat.com

آخر میں آپ نے ارشاد فرمایا:

۷ - معترضین یہ کہتے ہیں - کہ میں اپنے خاندان والوں سے ترجیحی سلوک کرتا ہوں - اور ان سے محبت کرتا ہوں - محبت کا رشتہ فطری ہے - لیکن یہ محبت دوسرے لوگوں پر میری طرف سے ظلم کا سامان کبھی نہیں بنی بلکہ میں پورے پورے حقوق ادا کرتا رہا ہوں - ترجیحی سلوک اس معنی میں درست ہے - کہ میں نے اموالِ مسلمین میں سے نہیں - بلکہ اپنے ذاتی مال میں سے اُن کی خدمت کی ہے - اموالِ مسلمین کا جہاں تک تعلق ہے - اس میں سے نہ میں نے کبھی اپنی ذات کے لیے کوئی درہم دینار جائز سمجھا - نہ اپنے اقارب کے لیے! اس کو بھی جانے دیجئے - میری گزشتہ زندگی سب کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے - کون نہیں جانتا - کہ میں نے کمائی کے بہترین اموال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ادوار میں خرچ کیے - حالانکہ میں اس وقت کسی عہدے یا منصب کا طالب نہ تھا - تاجر تھا - اور ہر تاجر کو اپنی دولت مرغوب ہوتی ہے - تو کیا اس وقت جب کہ میرے گھر والے عمر رسیدہ ہو چکے ہیں - اور میں خود بھی قبر کے قریب پہنچ چکا ہوں - کیا میں بیت المال میں کوئی ناجائز تصرف کروں گا؟ میں پوچھتا ہوں - کیا میرے دورِ حکومت میں بیرونی ممالک میں جہاد کا مقصد یہ تھا - کہ اس کے ذریعہ اموالِ غنیمت سمٹ کر میری جیب میں آجائیں -

جہاد میں شریک ہونے والوں کی یہ نیت ہو - تو ہو - لیکن میری کبھی یہ خواہش نہیں ہوئی، غنیمت کا خمس آتا رہا اور بیت المال میں جمع ہوتا رہا - مشیران حکومت جہاں مناسب سمجھتے رہے - مصارفِ مسلمین پر خرچ کرتے رہے - اس طرح بیت المال کا ایک پیسہ بھی ضائع نہیں ہوا - میں نے اس مال سے کبھی [illegible] کیا - میرے تمام اخراجات ہمیشہ میرے ذاتی مال سے [illegible]

حضرت عثمانؓ نے فتنہ پردازوں کے تمام اعتراضات بھی نقل فرما دیے اور ان کے مسکت جوابات بھی دے دیے جس پر تمام صحابہ کرامؓ نے صاد فرمایا۔ لیکن مفسدین کے دل صاف نہ ہوئے۔ وہ اپنا سا منہ لے کر لوٹ گئے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ صحابہ کرامؓ اور عام مسلمان حضرت عثمانؓ سے بدگمان نہ تھے۔ البتہ وہ فتنہ پردازوں سے سختی سے نمٹنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے عقل و استدلال کی راہ اختیار کی۔ اور نرمی سے مخالفین کو حق سمجھانا چاہا۔ وہ ہر قیمت پر خون خرابے کو روکنا چاہتے تھے۔ اور اس بلند مقصد کے لیے انھوں نے جانِ عزیز کی بھی بازی لگا دی۔

جناب سیدنا حضرت عثمانؓ بن عفان پر ناقدین کے الزامات کے بارے میں استاد محمد خضری بک اپنی تالیف "اتمام الوفا فی سیرت الخلفاء" میں فرماتے ہیں:۔

"وہ تمام الزامات جو حضرت عثمانؓ پر عائد کیے جاتے ہیں بہ نظرِ انصاف دیکھا جائے۔ تو یہ سب وہ امور ہیں جن کے کرنے میں ایک امامِ وقت پوری طرح مجاز ہے۔ مثلاً عزیز و اقارب کی اعلیٰ مناصب پر تقرری میں کوئی ادنیٰ درجہ کا طعن نہیں کیا جا سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو عامل مقرر کیا حالانکہ حضرت علیؓ آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اگر یہ کوئی عیب کی بات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ اس سے منع فرماتے۔ بلکہ خود بھی اس پر عمل نہ فرماتے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے۔ کہ اسلام نے سب میں خواہ قریبی ہوں یا دور کے، مساوات کا اصول قائم کیا ہے۔ لہٰذا تمام امور میں امام کے رائے پر اعتماد کرنا ہوگا۔ آخر اُمت کی کنجیاں بھی تو اُس کے حوالے کی جاتی ہیں۔ اگر کسی دشمن دین کو کوئی خدمت سپرد کرے۔ تو ہم اس سے اس کی شکایت کریں۔ آخر وہ اعتراض تیوں تک ہے۔ تو صبر کرنا چاہیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے۔ بات یہ ہے کہ جماعتی شیرازہ کو توڑ ڈالنے [illegible] اور ویرانی و بربادی

چھا جائے گی۔ اسی لیے شریعت میں امام وقت کو معزول کرنا جائز نہیں۔ الا یہ کہ امام کافرانہ اعمال کا کھلے بندوں ارتکاب کرے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:۔

بعض مورخین کا خیال ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ نے کوفہ، بصرہ، اور مصر میں اپنے ہی قبیلے کے لوگوں کو گورنر مقرر کیا۔ جن کی وجہ سے اُن کی ذات نشانۂ ملامت بنی۔ لوگوں میں بدگمانیاں پھیلیں اور قبائلی عصبیت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس سلسلہ میں وہ درج ذیل شواہد پیش کرتے ہیں مثلاً

کوفہ میں حضرت سعدؓ بن وقاص کی معزولی کے بعد جناب حضرت عثمانؓ نے اپنے قریبی عزیزوں ولید بن عقبہ اور سعید بن عاص کو یکے بعد دیگرے گورنر مقرر کیا۔ بصرہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی معزولی کے بعد اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو گورنر مامور فرمایا۔ اور حضرت امیر معاویہؓ والیٔ دمشق کی گورنری کے اختیارات میں توسیع فرمادی۔ یہاں تک کہ حمص، فلسطین اُردن اور لبنان کے علاقے اُن کے دائرہ اختیار میں شامل ہو گئے۔

لیکن یہ مورخین اس حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں۔ کہ حضرت عثمانؓ کا قبیلہ (بنو اُمیہ) قریش کا ایک قوی اور وسیع الاثر قبیلہ تھا۔ جسے حضرت عثمانؓ مناصب حکومت سے عملاً دُور رکھ سکتے تھے۔ مزید یہ کہ بقول محمد احمد جاد المولیٰ بک المصری "حضرت عثمان کا اپنے عزیزوں کی طرف جھکاؤ، حدودِ شریعت سے باہر نہ ہُوا تھا۔ کہ لوگ آپ کے خلاف فتنہ اٹھانے میں حق بجانب ہوتے۔ اس کی واضح دلیل ولید بن عقبہ کا واقعہ ہے۔ چنانچہ گورنر کوفہ ولید بن عقبہ جو خلیفہ کا رشتے دار تھا، جب شراب نوشی کا الزام لگایا گیا تو جناب حضرت عثمانؓ نے تحقیق و تفتیش کے اُسے درے لگوائے۔ اور رو رعایت سے کام نہ لیا۔ اس موقع پر جناب حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمائے۔ وہ تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے قبیلے سے محبت اور اُن پر نوازشات کرتا ہوں دیکھو! میری محبت کا یہ حال ہے کہ میں بے انصافی کی راہ پر نہیں بلکہ حدودِ شرعیہ کا اُن پر اجرا کرتا ہوں۔

Marfat.com

پس فتنہ پردازوں کے پاس امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ اٹھانے کے لیے کوئی معقول وجہ نہ تھی۔ اسی لیے جب انہوں نے شورش برپا کی۔ تو انہیں نہ عام مسلمانوں کا تعاون حاصل ہوا۔ نہ صحابۂ کرام کا! اور اسی لیے اس گروہ نے بغاوت کرنے کی بجائے سازش کی راہ اختیار کی۔

فتنہ برسرِ عروج

شوال ۳۵ھ

مدینے کا محاصرہ:

حضرت عثمانؓ نے اصلاح احوال کے لیے جو تدبیریں کیں۔ اُن کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔ مدینہ کانفرنس، خطبہ حج، اور تحقیقاتی وفود کی روانگی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں لیکن مفسدین کو اصلاح احوال منظور نہ تھی۔ وہ فتنہ انگیزی پر تُل چکے تھے۔ اگلے سال حج سے پہلے کوفہ، بصرہ، اور مصر سے شریر لوگ عبداللہ بن سبا کے خفیہ منصوبے کے تحت نکلے۔ اور یہ تاثر دیا کہ ہم حج کے فریضہ ملی کو ادا کرنے جا رہے ہیں۔ راستے میں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت انہوں نے مکہ معظمہ کی بجائے مدینہ منورہ کا رُخ کر لیا۔ چونکہ اسلامی افواج مختلف محاذوں پر کفار سے برسرِ پیکار تھیں۔ اور فتوحات عظیمہ میں مصروف تھیں۔ اور اہلِ مدینہ کی غالب اکثریت حج کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ جا چکی تھی۔ اس لیے شرارت پسندوں نے موقعہ غنیمت جانا۔ مدینہ منورہ کے باہر انہوں نے حملہ آور فوج کی طرح کیمپ لگا لیے۔ اُدھر حضرات صحابۂ کرامؓ نے جوابی کارروائی کے لیے مناسب تدبیر کر لی۔ حضرت عثمانؓ کو شوریدہ سر عناصر کی اس مسلح بغاوت کا علم ہوا۔ تو انہوں نے معاملے کو حکمت، مروت، شرافت، اور افہام و تفہیم سے سلجھانا چاہا۔ انہوں نے حضرات طلحہؓ،

Marfat.com

زبیرؓ، سعدؓ بن ابی وقاص، اور علیؓ مرتضیٰ کو یکے بعد دیگرے مظاہرین کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا۔ کہ "سب اپنے اپنے علاقوں کی طرف لوٹ جاؤ۔ تمہارے سب جائز مطالبات پورے کر دیے جائیں گے۔

کوفہ، بصرہ، اور مصر کے باغیوں نے یہ متفقہ مطالبہ پیش کیا کہ مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کی امارت سے معزول کر دیا جائے۔ اور اُن کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ کو والی مقرر کر دیا جائے۔ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے یہ فرمان لکھ دیا۔ اور فسادی دکھاوے کے طور پر لوٹ گئے۔

مروان کی طرف منسوب کردہ جعلی خط:۔

خلافِ توقع تیسرے دن سب فسادی لوٹ آئے، صحابہ کرام چونکہ مطمئن تھے۔ اس لیے وہ مدافعت کی تیاری نہ کر سکے۔ اور فسادیوں نے پورے شہر کی ناکہ بندی کر کے اُس پر قبضہ کر لیا۔ اور یہ دعویٰ کیا، کہ انہوں نے راستے میں حضرت عثمانؓ کے سرکاری کارندے کو پکڑ لیا ہے۔ جو محمد بن ابوبکرؓ اور دوسرے مصری مظاہرین کے سرکردہ افراد کے قتل کا فرمان لیے جا رہا تھا۔ حضرت علیؓ اور تمام صحابہؓ نے اُن کی اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا "یہ ایک سازش ہے۔ کیونکہ اس فرمان کی دستیابی کے بعد مصریوں کا لوٹ آنا تو قرین قیاس ہو سکتا ہے، لیکن اہل بصرہ، اہل کوفہ کی اُن کی معیت میں واپسی کیونکر ممکن ہو سکتی ہے۔ جو کہ مختلف اطراف کو جا چکے تھے، اور کئی منزلیں طے کر چکے تھے۔ پھر بھلا یہ تمام گروہ اکٹھے ہو کر کیونکر لوٹ آئے ہیں؟" یہاں تک کہ سیدنا حضرت علیؓ نے فراست ایمانی سے کام لیتے ہوئے یہ بھی بھانپ لیا۔ کہ یہ سازش مدینہ ہی میں (فسادیوں نے) تیار کی تھی یا اشتر نخعی اور حکیم بن جبلہ دونوں نے مل کر یہ افسانہ تراشا تھا۔ (طبری)

جب حضرت عثمانؓ کو فسادیوں کے نئے موقف کا علم ہوا۔ تو انہوں نے اکابر صحابہؓ کو فتنہ پردازوں کے سامنے یہ حلف اٹھایا۔

Marfat.com

"خدا کی قسم! نہ میں نے یہ خط لکھا۔ نہ کسی کو لکھنے کا حکم دیا۔ نہ اس قسم کا خط لکھنے کا میری طرف سے کسی کو اشارہ ہوا، نہ مجھے اس کے لکھے جانے کا کوئی علم ہے۔"

ظاہر ہے۔ کہ خلیفۂ اسلام کی براءت کے لیے اُن کا حلف کافی تھا۔ لیکن فسادیوں نے جرح شروع کر دی۔ "آپ کا قاصد آپ کے اونٹ پر تھا۔ طرزِ تحریر آپ کے کاتب کی تھی اور اس پر آپ کی مہر لگی ہوئی تھی!"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔ "اونٹ چرایا جا سکتا ہے۔ طرزِ تحریر نقل کی جا سکتی ہے اور مہر بھی بنوائی جا سکتی ہے۔"

تب فسادیوں نے کہنا شروع کیا۔ کہ یہ خط مروان کا تحریر کردہ ہے۔ اس لیے آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے اُن کے اِس مطالبے کو مسترد کر دیا۔ جس کی توجیہہ حضرت علیؓ کے الفاظ میں یہ ہے:۔

"کہ اگر حضرت عثمانؓ حضرت مروان کو فسادیوں کے حوالے کر دیتے۔ تو وہ بلا ثبوت حضرت مروانؓ کو قتل کر دیتے۔"

جعلی مکتوب

مروان بن الحکم کی منسوب کردہ جعلی خط کے بارے میں مورخین کے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (مؤلف البدایۃ والنہایۃ) لکھتے ہیں:۔

"بلا شبہ صحابۂ کرام کی طرف منسوب کر کے جھوٹے مکتوب لکھے گئے جیسا کہ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ کی طرف سے جعلی خطوط خوارج (سبائیوں) نے لکھے۔ جن کا ان حضرات نے کھلم کھلا انکار کیا۔ اسی طرح یہ خط بھی حضرت عثمانؓ پر بہتان باندھ کر لکھا گیا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے نہ تو اس کا حکم دیا تھا۔ اور نہ ہی حضرت امام کو اس کا کوئی علم تھا۔ یہ سب بلوائیوں کی

شرارت تھی۔

امام ابن کثیر کی اس تحقیق کو سامنے رکھیے۔ اور ہماری اُس تصریح کو ذہن میں رکھیے (جو ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں) کہ فسادیوں کا سب سے بڑا حربہ جھوٹے خطوط تصنیف کر کر کے انہیں پھیلانا تھا۔ تو فسادیوں کے حضرت عثمان کی طرف منسوب کردہ جعلی خط کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اور مروان بن الحکم کی سپردگی کے مطالبے کی بے وقعتی ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ شرارت پسند جنہوں نے دوسرے اکابر صحابہ اور ازواج مطہرات کی طرف سینکڑوں جعلی خطوط منسوب کیے تھے۔ اُن کے لیے ایک جعلی خط تصنیف کر کے حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کرنا کون سا مشکل امر تھا؟ بلکہ ایسے عادی مجرموں سے بڑی سے بڑی غلط بیانی خلاف توقع نہ تھی، اس جعلی خط کے مصنف اغلباً اشتر نخعی اور حکیم بن جبلہ سبائی جماعت کے سرغنے تھے۔ جو سبائیوں کے ساتھ جانے کے بجائے مدینہ میں اُن دنوں رکے رہے۔

اگر بفرض محال یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ یہ خط حضرت عثمانؓ کے علم کے بغیر مروان بن الحکم نے از خود لکھا تھا۔ تو اُن کے قتل کا مطالبہ کرنے والے تو خود ہی باغی تھے، اور زمین میں فساد کرنے والے جو مستوجب سزا تھے۔ انہیں نہ تو کسی کے قتل کرنے کا حق تھا۔ اور نہ ہی حد جاری کرنے کا! "وہ نہ اہل حل و عقد تھے۔ نہ کسی مقتدر جماعت کے نمائندے، صرف خلیفہ راشد خود مروان پر حد کو جاری کرنے کے مجاز تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ نے باغیوں کے اصرار کے باوجود مروان بن الحکم کو اُن کے حوالے کرنے سے انکار فرما دیا۔

حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ:۔

فتنہ پردازوں پر نہ کسی دلیل نے اثر کیا اور نہ خلیفہ ثالث کے حلف کو اُنہوں نے اہمیت دی۔ بلکہ ان شریروں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کی سے چھ سو اصحاب کا سرغنہ عبد الرحمن بن عدیس البلوی تھا۔ دو سو کوفیوں کا سرغنہ کنانہ بن بشر نخعی تھا۔ اور ایک سو بصرہ کے غلیوں کا سرغنہ حکیم بن جبلہ العبدی تھا۔ [illegible]

Marfat.com

سعد بن ابی وقاص جیسے بالغ النظر صحابی نے درست رائے قائم کی تھی "جس امر کے یہ لوگ مرتکب ہوں، بے شک وہ بدترین امر ہے"[1]

حضرت عثمانؓ بن عفان نے اس موقعہ پر جس صبر و تحمل اور عزم و توکل کا ثبوت دیا۔ اس کی مثال تاریخ اسلام میں کہیں نہیں ملتی۔ ایک طرف آپ باغی عناصر کو سمجھاتے بجھاتے رہے۔ تو دوسری طرف اپنے جانثاروں اور صحابۂ کرام کو باغیوں سے لڑنے سے روکتے رہے۔ آپ نے محاصرہ کرنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"تم لوگ مجھے کیوں قتل کرتے ہو؟ میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔ کہ سوائے تین صورتوں کے کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ایک وہ جو ایمان کے بعد کفر کرے۔ دوسرا جو شادی کے بعد زنا کرے، تیسرا جو کسی جان کو ناحق قتل کرے۔ پس واللہ! نہ میں نے یہ آرزو کی، کہ اپنا دین چھوڑ دوں (جب سے مجھے اللہ نے ہدایت دی)۔ واللہ جاہلیت میں بھی کبھی میں نے زنا نہیں کیا۔ اور نہ اسلام میں۔ اور نہ ہی میں نے کسی کو قتل کیا ہے؛ پھر تم لوگ مجھے کیوں قتل کرنے کے درپے ہو"

آپ نے مفسد محاصرین کو یہ بھی تنبیہ فرمائی:۔

"اے قوم! مجھے قتل نہ کرو۔ کیوں کہ میں تمہارا والی ہوں تمہارا بھائی ہوں، اور مسلمان ہوں۔ واللہ! میں نے امکان بھر سوائے اصلاح کے کچھ نہ چاہا۔ خواہ مجھ سے خطاء ہوئی ہو یا صواب! تم لوگ اگر مجھے قتل کر دو گے تو نہ تم کبھی متفق ہو کر نماز پڑھ سکو گے۔ نہ کبھی متفق ہو کر جہاد کر سکو گے۔ اور نہ تمہارا مالِ غنیمت، تمہارے درمیان انصاف سے تقسیم ہوگا"

جناب حضرت عثمانؓ نے فتنہ پردازوں پر بدیں الفاظ اتمام حجت فرمایا:۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔

"اے میری قوم! میرا اختلاف رائے تمہیں کہیں جرم کے ارتکاب پر آمادہ نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر ایسی مصیبت آئے۔ جیسی قوم نوح، قوم ہود، یا قوم صالح پر آئی تھی۔"

دوسری طرف حضرت عثمانؓ صحابہ کرامؓ کو صبر و تحمل، اور نیکی سے کام لینے کی تاکید فرماتے رہے۔ تاکہ مسلمان کی تلوار مسلمانوں کے خون سے آلودہ نہ ہونے پائے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ سے جب عرض کیا گیا۔ کہ آپ جنگ کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد لیا ہے۔ میں اسی پر صابر ہوں۔

حضرت عثمانؓ کی خدمتِ عالیہ میں حضرت زیدؓ بن ثابت حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ انصار صحابہؓ جو دروازے پر موجود ہیں، عرض گذار ہیں۔ کہ اگر آپ چاہیں۔ تو ہم لوگ اللہ کے لیے آپ کی مدد کریں۔ مگر حضرت عثمانؓ نے کہا "وہ خونریزی نہ کریں۔"

حضرت ابو ہریرہؓ بھی حاضر خدمت ہوئے، اور پوچھا، اے امیر المومنین، نیکی یا تیغ زنی! حضرت عثمانؓ نے فرمایا "اگر تم نے ایک آدمی کو بھی قتل کیا (مجھے بچانے کے لیے) تو گویا سب آدمی قتل کر دیے گئے، اس لیے صلح جوئی کی راہ اختیار کرو۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عرض کیا کہ ستر افراد کی جماعت، جو مکان کے اندر موجود ہے۔ اُسے جنگ کرنے کی اجازت دیجئے۔ تاکہ فتنہ پردازوں کا دفعیہ ہو سکے۔ حضرت عثمانؓ کا جواب تھا "واللہ! میرے بارے میں کسی کا خون نہ بہایا جائے۔"

امام ابن سیرین کا بیان ہے۔ کہ اگر اُس روز حضرت عثمانؓ اپنے مکان میں محصور حامیوں کو اجازت دے دیتے۔ تو وہ ضرور محاصرہ کرنے والوں کو مار بھگاتے۔

امام مظلوم کے دس فضائل:۔

امام ابن کثیر سے روایت ہے۔ کہ دورانِ محاصرہ ایک دن مصر کے سبائیوں کا ایک لیڈر ابن عدیس بلوی مسجد نبوی میں منبر رسولؐ پر بیٹھ گیا۔ اور حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ منسوب

Marfat.com

کرتا رہا۔ حضرت عثمانؓ کو اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا: "خدا کی قسم! ابن عدیس جھوٹ کہتا ہے اگر وہ میری طرف غلط باتیں منسوب نہ کرتا۔ تو میں اپنی خوبیاں بھی بیان نہ کرتا۔ صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ:۔

* میں اسلام قبول کرنے میں چوتھا فرد ہوں۔
* آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیوں کا میرے ساتھ نکاح فرمایا۔
* میں کبھی گانے بجانے میں شریک نہیں ہوا۔
* میں کبھی کھیل کود (لہو ولعب) میں مشغول نہیں ہوا۔
* میں نے کبھی برائی کرنے کی تمنا نہیں کی۔
* آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد میں نے اپنا ہاتھ کبھی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔
* اسلام قبول کرنے کے بعد ہر جمعہ پر ایک نہ ایک غلام ضرور آزاد کیا۔
* زمانۂ جاہلیت یا زمانۂ اسلام میں کبھی حرام کاری نہیں کی۔
* ان دونوں ادوار میں کبھی چوری نہیں کی۔
* رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے موافق میں نے قرآن کریم جمع کروایا ہے۔ (یعنی اُمتِ محمدیہ کو واحد قرأت پر متفق کر دیا ہے۔)

فتنہ پردازوں سے آخری مذاکرہ

حضرت عثمانؓ نے کوفہ کے سربراہوں میں سے مالک بن حارث اشتر نخعی سے بھی فرمائی: "اے اشتر! یہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ اُس نے کہا۔ تین باتیں:
"آپ اُن کے حق میں حکومت سے دست بردار ہو جائیں۔ اور کہہ دیں

Marfat.com

کہ تم جسے چاہو۔ امیر بنالو، یا آپ اپنی جان سے اِن لوگوں کو بدلہ لینے دیں، اگر آپ ان دونوں صورتوں کو قبول کرنے سے انکاری ہیں تو آپ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔"

حضرت عثمانؓ نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا:۔

"یہ ممکن نہیں۔ کہ میں حکومت سے دست بردار ہو جاؤں۔ میں اُس قمیص (خلافت) کو اُتارنے والا نہیں ہوں۔ جو اللہ جل شانہٗ نے مجھے پہنائی ہے۔ واللہ! اگر مجھے آگے کر کے گردن ماردی جائے۔ تو مجھے زیادہ پسند ہے کہ اُمتِ محمدیہ کو بعض پر بعض کو چھوڑ دوں۔ یعنی اِن کو خون خرابہ کرنے دوں۔

Marfat.com

شہادت حضرت عثمانؓ

محاصرہ پر تقریباً چالیس پچاس دن گزر چکے تھے۔ مصری فتنہ پرداز اس وقت تک آپؓ کے قتل و خون سے رُکے رہے۔ جب تک کہ کوفیوں، بصریوں اور شامیوں کی مدد عراق سے نہ آگئی۔ پھر جب کمک پہنچ گئی تو یہ لوگ اور دلیر ہو گئے۔ اور انہوں نے یہ طے کیا۔ کہ حضرت عثمانؓ کے پاس کسی قسم کی امداد پہنچنے سے پہلے ہم انہیں شہید کر دیں گے [1]

اشتر نخعی کی واپسی کے بعد فتنہ پردازوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کے عقب سے دیواریں پھاند کر اُن پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔

سب سے پہلے محمد بن ابی بکر آئے۔ اور آپ کی ریش مبارک پر ہاتھ ڈالا۔ اور کہا "عبداللہ بن عامر آپ کے کام نہ آیا۔ حضرت امیر معاویہؓ آپ کے کام نہ آئے۔ آپ کے خطوط و فرمان آپ کے کام نہ آئے؟"

حضرت عثمان نے فرمایا:۔

"اے میرے بھتیجے! میری داڑھی چھوڑ دے۔ اگر تیرے والد محترم ہوتے تو تو ہرگز ایسا نہ کرتا"

اس پر محمد بن ابی بکر شرمسار لوٹ گئے۔

اس نازک لمحے میں گھبرانے کی بجائے حضرت عثمانؓ تلاوتِ قرآن مجید میں مصروف ہو گئے۔ محمد بن ابی بکر کے جانے کے بعد کنانہ بن بشر بن عتاب، سودان بن حمران اور عمرو بن الحمق آگے بڑھے، کنانہ بن بشیر بن عتاب نے برچھی سے آپ پر حملہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے "بِسْمِ اللّٰہِ وَتَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ" اور انہوں نے بائیں پہلو پر سہارا لیا اور قرآن مجید

---

[1] طبقات ابن سعد

بند کر دیا۔ سودان بن حمران نے آپ پر تلوار سے حملہ کیا۔ اور آپ کو زخمی کر دیا۔ عمرو بن الحمق کود کر حضرت عثمانؓ کے سینہ پر جا بیٹھا۔ اور آپ کو ۹ زخم لگائے۔ اس طرح خلیفہ ثالث شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت عثمانؓ کے ایک حبشی غلام نے کنانہ بن بشر پر حملہ کر دیا کہ جس نے حضرت عثمانؓ پر پہلا وار کیا تھا۔ اور اس نابکار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لیکن یہی غلام سودان بن حمران کے ہاتھوں خود شہید ہو گیا۔ حضرت نائلہؓ نے جناب حضرت عثمانؓ کو بچانا چاہا تھا، لیکن ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں اور وہ حضرت عثمانؓ کو نہ بچا سکیں۔

فسادیوں نے حضرت عثمانؓ کا خون بہانے کے بعد اُن کے گھر کا مال اسباب لوٹ لیا۔ حضرت نائلہؓ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم! اے دشمنانِ خدا! تم نے حضرت عثمانؓ کا خون بہایا ہے۔ حالانکہ وہ بڑے پابند صوم و صلوٰۃ تھے اور ایک رکعت میں پورا قرآن مجید پڑھتے تھے۔ اِس پر فسادی گھر سے باہر بھاگ کھڑے ہوئے۔

خلیفۂ ثالث نے جامِ شہادت نوش کیا۔ لیکن انہوں نے مسلمانوں کا خون بہانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے خانہ جنگی سے اپنا دامن محفوظ رکھا۔ حالانکہ مہاجرین و انصار اُن کی خاطر جانیں لڑانے کے لیے تیار تھے۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس صبر و ثبات کی مثال قائم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اُسے پورا کر دیا۔ آپ نے سیاسی اصول بھی واضح فرما دیا کہ چند شوریدہ سر عناصر کسی منتخب خلیفۂ اسلام کو معزول کرنے کے ہرگز مجاز نہیں! آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو بہت پہلے تاکید کی تھی۔

"اللہ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا۔ اگر منافقین تم سے اُسے اُتروانا چاہیں۔ تو تم اُسے کسی ظالم کے لیے نہ اتارنا۔"

چنانچہ آپ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں اپنی جانِ عزیز کی قربانی دے دی۔ آپ نے اہل مدینہ کو قتل و قتال سے اپنی گردن کٹوا کر بچا لیا۔ ورنہ بھائی

Marfat.com

ایں سے کتنے محترم اصحاب فسادیوں سے معرکہ آرا ہو کر قتل ہو جاتے؟ خلیفۂ اسلام مدینۃ الرسول کی حرمت کو خون خرابے سے بچا لیا۔ اگرچہ وہ اپنی جان نہ بچا سکے۔ انسانی تاریخ ایسے صلح پسند، امن جو اور نیک سیرت خلیفہ کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

وفات حضرت عثمانؓ پر صحابہ کے تاثرات

صحابۂ کرام کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ فسادی اس طرح خلیفۂ اسلام کے قتلِ ناحق کی جسارت کریں گے۔ جب یہ زہر گداز خبر مدینے میں پھیلی۔ تو سب پر ایک سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ تمام مدینہ غم کی تاریکی میں ڈوب گیا۔ اور عالمِ اسلام پر سناٹا چھا گیا۔ اس المناک سانحہ کے بارے میں چند صحابہ کے تاثرات درج ذیل ہیں:۔

- "لوگو! جو ظلم تم نے حضرت عثمانؓ پر کیا ہے۔ اس کی بنا پر اُحد کا پہاڑ تم پر پھٹ پڑے۔ (حضرت سعیدؓ بن زید بن عمر)
- حضرت عثمانؓ کے قتل سے اسلام میں ایک ایسا رخنہ پیدا ہو گیا ہے جو قیامت تک بند نہ ہو گا۔ (حضرت حذیفہؓ بن یمان)
- اگر حضرت عثمانؓ کے خون کے قصاص کا مطالبہ نہ کیا گیا۔ تو لوگوں پر آسمان سے پتھر برسیں گے۔ (حضرت عبداللہ بن عباس)
- اے اللہ! میں تیرے سامنے خونِ عثمانؓ کی ذمہ داری سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ (حضرت علیؓ)
- آج سے قوم عرب کا ستارۂ تقدیر گردش میں آ گیا ہے۔ (حضرت مالک بن دینار)
- افسوس لوگوں نے فتنے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ جو قیامت تک بند نہ ہو گا۔ آہ! آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ (حضرت عبداللہ بن سلام)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حالات زندگی

حضرت علیؓ جناب ابوطالب کے فرزند ارجمند اور رسول اللہؐ کے چچا زاد بھائی تھے ـــ خاندانِ بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے۔ اگرچہ آنحضرتؐ کے کئی چچا تھے لیکن آپؐ کو جناب ابوطالب سے خاص شیفتگی تھی کیونکہ سید المرسلین جب ہر طرف سے مشرکینِ مکہ کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے تو انھوں نے ہی حضور سرورِ کائنات کی حمایت و پشت پناہی کی تھی۔ حضرت ابوطالب کی مالی حالت جب اچھی نہ رہی تو رسول اللہؐ نے اپنے محترم چچا کا بار ہلکا کرنے کیلئے حضرت علیؓ کو اپنے دامنِ پرورش میں لے لیا۔ اس طرح ابتدا ہی سے حضرت علیؓ کو آغوشِ نبوت میں پرورش پانے کا موقع ملا۔ اور ایامِ جاہلیت کے مفاسد سے آپ کا دامن پاک رہا۔ ابنِ سعد نے حسن بن زید بن حسن کی زبانی روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ نے بچپن میں بھی بت پرستی نہیں کی۔

نبوت کے منصب پر سرفراز ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے جب اپنے رشتہ داروں کو اسلام دی تو سب سے پہلے حضرت علیؓ نے لبیک کہی۔ کیونکہ انھیں ابتدا سے ہی تربیت صالح ملی تھی۔ حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر کہا۔ "گو میں عمر میں چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں کمزور ہیں تاہم میں آپؐ کا مددگار بنوں گا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر آٹھ دس برس تھی۔ لیکن ساری دنیا نے دیکھا کہ اس کمسن لڑکے نے بہت جلد اپنے الفاظ کو پورا کر دکھایا۔ آنحضرتؐ کا دست و بازو بنا۔ آنحضرتؐ تبلیغ اسلام کے لئے جہاں جہاں تشریف لے گئے حضرت علیؓ ان کے ہمراہ موجود رہتے۔ ہجرت مدینہ کے وقت نبی اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو کہہ کر ارشاد فرمایا "اے علیؓ مجھے ہجرت کا حکم آگیا ہے۔ تم میرے بستر پر سو جاؤ۔

Marfat.com

امانتیں اور وصایا واپس کر کے چلے آنا۔ گو اُس رات آنحضرتؐ کے بستر پر سونا موت کو دعوت
دینا تھا، مگر حضرت علیؓ بے خوف سو گئے۔ صبح کفار نے آپ کو بستر نبویؐ پر دراز پایا، تو حرم
میں لے جا کر قید کر دیا۔ اور دو چار دن بعد آپ کو رہا کر دیا۔ چنانچہ آپ مدینہ چلے آئے۔

ہجرت مدینہ کے بعد ۲ھ میں آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا
غزوات مثلاً بدر، اُحد، خندق، غزوۂ بنو قریظہ اور معرکۂ حنین میں آپ نے کارہائے نمایاں
کئے، جنگ احد میں سعید بن مسیب کے بیان کے مطابق آپ کو سولہ زخم آئے، متعدد فوجی دستے
(یا) آپ کی ماتحتی میں بھیجے گئے۔ جن میں آپ کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ فتح خیبر کے سلسلہ میں
اس کا قلعہ جسے ناقابلِ تسخیر گمان کیا جاتا تھا آپ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ غزوہ تبوک میں اگرچہ آپ
شریک نہ ہو سکے۔ لیکن اُس وقت رسولِ اکرمؐ نے آپ کو مدینہ میں رہ کر نیابت و جانشینی کے فرائض
انجام دینے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ حضرت ہارونؑ کو اپنا نائب بنا کر گئے
ایسا ہی میں تمہیں اپنا نائب بنا کر غزوۂ تبوک پر جا رہا ہوں۔

خلفائے ثلاثہ کے دَور میں:۔

حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کے مشیرِ خاص تھے اور اہم مسائل میں اُن کا مشورہ دیتے
تھے۔ چنانچہ علامہ زمخشری اپنی تالیف خلفائے راشدین میں لکھتے ہیں کہ منکرین زکوٰۃ کے بارے
میں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے کو صائب مان کر اقدام کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو بھی سیدنا علیؓ
متعدد مشوروں سے نوازتے رہے۔ حضرت عمرؓ کو اعتراف تھا کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ
سے زیادہ خوبی کے ساتھ فیصلے کرتے ہیں۔ اور ایک موقعہ پر آپ ہی کے مشورہ کے مطابق
فیصلہ دیتے ہوئے کہا اگر آج علیؓ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ حضرت عثمانؓ کے دَورِ خلافت
میں آپ کی مشاورتی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ فتنہ کے رونما ہونے سے پہلے انھوں نے
حضرت عثمانؓ کو بروقت آگاہ فرمایا۔ اصلاحِ احوال کی تدبیروں میں اُن کے مشیر رہے۔ اور

Marfat.com

جب فتنہ پرداز مظاہرین جمع ہوئے تو پہلی مرتبہ اُن ہی کے سمجھانے بجھانے سے مفسدین لوٹ گئے۔ المسعودی نے مروج الذہب میں تصریح کی ہے کہ اکثر امور میں حضرت عثمان رض حضرت علیؓ سے مشورہ لیتے تھے۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن اپنی تالیف "النظم الاسلامیہ" میں یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ کے ادوارِ حکومت میں عدالتِ عظمیٰ کی سربراہی کا فریضہ حضرت علیؓ ہی انجام دیتے تھے۔ صبح و شام جس وقت بھی کوئی فریادی دادخواہ ہوتا اُسی وقت انصاف فرما دیتے۔

****

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضرت عثمان رض کی شہادت اہلِ مدینہ اور مہاجرین و انصار کے لئے ایک غیر متوقع حادثہ تھا۔ جس کے باعث سب پر سکتے کا سا عالم طاری ہو گیا۔ اُدھر باغی خود حیران و پریشان تھے کہ خلیفہ کسے بنائیں؟ انھیں اندیشہ تھا کہ حضرت عثمان رض کے گورنر، بالخصوص امیر معاویہ اپنی افواج بھیج کر مدینہ پر اپنا اقتدار قائم کر لیں گے اور پھر باغیوں کو اُن کے کئے پر سنگین سزائیں دیں گے اس لئے وہ چاہتے تھے کہ وہ کسی ایسے شخص کو برسرِ اقتدار لے آئیں جو اُن سے تعرض نہ کرے۔ عارضی طور پر ان باغیوں کی زمام اختیار اُن کے لیڈر عبداللہ غافقی کے ہاتھ میں تھی۔ تاہم اس بارے میں اُن میں شدید اختلاف رائے تھا کہ کون بارِ خلافت اٹھائے۔ کیونکہ اُن کے ہاں کوئی ایسی مرکزی شخصیت موجود نہ تھی جسے اِس منصب پر فائز کیا جا سکتا۔ مصر کے بعض عناصر حضرت علی رض کو پسند کرتے تھے، اور بصرہ کے مُفسد حضرت طلحہ رض کے طرفدار تھے۔ کوفہ کے باغی حضرت زبیر رض کو چاہتے تھے۔ تینوں گروہوں نے اپنے اپنے پسندیدہ رہنماؤں کو منصبِ امامت اپنے طور پر پیش کیا۔ لیکن اِن تینوں اکابرینِ ملت نے اُن شریروں کی پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

Marfat.com

حضرت علیؓ کی توجیہ:

باغیوں نے جب حضرت عثمانؓ کو بے دردی سے شہید کر دیا تو [illegible]
اس کے بعد [illegible] خلافت کے لئے [illegible]
[illegible] کیونکہ وہ [illegible]
[illegible] مملکت کسی صورت بھی بغیر امام کے نہیں رہ سکتی۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] رسالت [illegible]
بلکہ کسی [illegible] شخصیت کو سربراہ مملکت بنایا جائے تاکہ امت [illegible]
یا انتشار سے بچا لیں گے اور خود [illegible] باغیوں سے [illegible]
نے باہم مشورہ کیا۔ سب صحابہؓ کی نگاہ انتخاب حضرت علیؓ ہی پر تھی۔ اس سے پہلے شوریٰ کے موقع پر
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے امت کی رائے معلوم کرنے کے بعد اکثریت فیصلہ کر دیا تھا کہ حضرت
عثمانؓ کے بعد دوسرے شخص جن کو امت کا اعتماد حاصل ہے حضرت علیؓ ہی ہیں۔ بنا بریں وفود
اور صحابہ سب کی نگاہیں آپ کی طرف اٹھیں۔

حضرت حسنؓ کا مشورہ:

بیعت سے چند دن پہلے جناب امام حسنؓ نے اپنے والد محترم کو مشورہ دیا
"جب لوگ آپ کے پاس بیعت خلافت کے لئے آئیں گے آپ اس وقت تک بیعت نہ لیں جب تک صاف
فرما دیں کہ تمام صوبوں کے گورنروں کو طلب کر لیا جائے۔ اہل مدینہ کے ساتھ وہ بھی میری خلافت کے
متعلق اپنی رائے دیں تو میں اس بیعت کو قبول کروں گا ورنہ نہیں!"
حضرت علیؓ نے استفسار فرمایا جب تک کسی خلیفہ کے لئے مدینے سے باہر کے لوگ

کو نہیں بلایا گیا۔ میرے لئے یہ امر کیوں ضروری ہے؟"

حضرت امام حسن رضؓ نے فرمایا "آپ کی صورتِ حال اُن سے مختلف ہے۔ آپ کی موجودگی میں اُن بلوائیوں نے، جو آپ کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور حُبِّ اہلِ بیت، اور محبت علی رضؓ کا نعرہ لگاتے ہیں، خلیفۂ وقت کو قتل کیا ہے۔ اور سب سے پہلے یہی بلوائی آپ کے ہاتھ پہ بیعت کرنے آئیں گے اگر آپ نے اِن سے بیعت لے لی تو دُور والوں کو بدگمانی ہوگی کہ آپ بلوائیوں کے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں۔ (اور بعض کو یہ بھی شبہ ہوگا کہ قتلِ عثمان میں آپ کا ہاتھ ہے) اس لئے ضروری ہے کہ سب عُمّال کو بلایا جائے تاکہ کسی کو شبہ کی گنجائش نہ رہے۔"

حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ میں استخارہ کروں گا اور استخارے کے بعد آپ نے مدینہ والوں، اور بلوائیوں کی درخواست پر ہی بیعت لے لی اور عثمانی گورنروں کو جمع کرنے کی تدبیر نہ کی۔

بیعت کا انعقاد:

امام طبری لکھتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار حضرت علی رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یہ نظام کسی امیر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ لوگوں کے لئے امام کا وجود ناگزیر ہے۔ اور ہم آج آپ کے سوا کوئی ایسا دوسرا شخص نہیں جانتے جو اس منصبِ عالی کے لئے آپ سے زیادہ مستحق ہو، نہ سابقہ خدمات کے اعتبار سے، نہ رسول اللہ صلعم سے قرابت داری کے لحاظ سے!" باغیوں اور مفسدوں نے مہاجرین و انصار کی اس رائے کی شدت سے تائید کی۔ حضرت علی رضؓ اس سے پہلے باغیوں کی خلافت کی پیش کش کو ٹھکرا چکے تھے لیکن آپ مہاجرین و انصار کی رائے کا احترام کرنے پر مجبور ہوئے۔ پہلے تو آپ نے انکار کیا لیکن بعد میں جب اکابر صحابہؓ کا اصرار بہت بڑھا تو انھوں نے فرمایا۔

میری بیعت گھر بیٹھے خفیہ طریقے سے نہیں ہو سکتی۔ عام مسلمانوں کی رضا کے بغیر ایسا ہونا

Marfat.com

پھر مسجدِ نبویؐ میں اجتماعِ عام ہوا پہلے تمام مہاجرین و انصار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر اہلِ مدینہ نے اور باغیوں نے بھی!

مؤرخِ اسلام طبری کا بیان ہے کہ سولہ سترہ افراد نے سکوت اختیار کیا۔ نہ ہی انھوں نے بیعت کی اور نہ ہی مخالفت کی! بعض روایات کے مطابق حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے پانچ روز بعد بیعت ہوئی اور بعض روایتوں کے مطابق آٹھ دن بعد بیعت ہوئی۔ اور آپ کی خلافت کو بصرہ، کوفہ، مصر اور حجاز میں تسلیم کر لیا گیا۔ صرف ایک صوبہ شام میں امیر معاویہؓ نے بیعت کرنے سے پہلے یہ شرط لگا دی کہ قاتلینِ عثمان رضؓ کو اُن کے حوالے کر دیا جائے تاکہ اُن سے انتقام لے سکیں بعد میں وہ بیعت کر لیں گے۔ بہرحال صحابہ کرام رضؓ کی عظیم اکثریت اور مملکتِ اسلام کے تمام تر صوبوں میں آپ کی خلافت مُسلّم ہو گئی کیونکہ آپ کی خلافت ٹھیک ٹھیک اُن ہی اصُولوں کے مطابق قائم ہوئی تھی جن پر پہلے تینوں خلفائے راشدین کی خلافت کا انعقاد ہوا تھا۔ یعنی اربابِ حل و عقد، انصار و مہاجر اور اہلِ مدینہ نے حضرت علی رضؓ کو خلیفہ چُنا تھا اور تمام بلادِ اسلامیہ میں (سوائے شام کے) آپ کی سیادت کو تسلیم کر لیا گیا۔ البتہ عثمانی گورنروں سے مشورہ نہ لینے کے سبب آئندہ چل کر شکوک و شبہات پیدا ہونے کا حضرت امام حسن رضؓ کو اندیشہ تھا۔

خطبۂ خلافت

بیعتِ خلافت کے بعد حضرت علی رضؓ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا:

"اللہ عزّ و جلّ نے ہماری ہدایت کے لئے ایک کتاب اتاری ہے۔ جس میں خیر و شر سب کی تفصیل بیان ہے۔ تم اپنا اللہ تعالیٰ نے جو فرائض عائد کئے ہیں وہ ادا کرو، تمھیں جنت ملے گی۔ خداوند تعالیٰ نے سرِ دین [illegible] مسلمانوں کی جان کو ہر چیز سے زیادہ قیمتی [illegible]

Marfat.com

اتحاد کی تاکید کی ہے۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ بجز اس صورت کے کسی پر کوئی شرعی حد واجب ہو۔ مسلمان کو دُکھ دینا جائز نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کو از رُوئے قانون کوئی سزا دی جائے۔ خدا کے بندوں سے معاملہ کرتے ہوئے خدا سے ڈرو۔ قیامت کے روز زمینوں اور مویشیوں کے متعلق بھی تم سے باز پرس کی جائے گی۔ اللہ عزوجل کی اطاعت کرو۔ اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچو، جہاں کہیں کوئی بھلائی کی بات دیکھو اُسے قبول کرو، اور جہاں بدی نظر آئے اس سے پرہیز کرو۔"

اِس خطبے کے مضمرات پر نظر ڈالئے۔

حضرت علی رضؓ چاہتے تھے کہ رعایا کا ہر شخص دوسروں پر تنقید کرنے کی بجائے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اُن کے نزدیک حضرت عثمان رضؓ پر حرمِ محترم مدینہ منورہ میں ہاتھ اٹھانا اور اُنھیں قتل کرنا انتہائی ناپسندیدہ حرکت تھی جس کے لئے فتنہ پردازوں کے پاس کوئی قانونی جواز نہ تھا۔ تاہم ——— حضرت علی رضؓ یہ اجتہادی رائے رکھتے تھے کہ لوگ فتنہ سے نمٹنے اور حضرت عثمان رضؓ کا انتقام لینے کی باتیں سرِدست چھوڑ دیں اور خلیفہ کے ہاتھ مضبوط کریں تاکہ مفسدین سے نمٹنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔

پیچیدہ مسائل:

پہلا اہم مسئلہ جو حضرت علی رضؓ کی توجہ کا مرکز بنا وہ حضرت عثمان رضؓ کے قصاص کا مسئلہ تھا۔ اُدھر اہلِ مدینہ بھی قصاص کا مطالبہ کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت طلحہ و زبیر رضؓ نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا۔ "ہم نے اقامتِ حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی۔ اب آپ اُن لوگوں سے بدلہ لیجئے جو حضرت عثمان رضؓ کے قتل میں شریک تھے۔"

حضرت علی رضؓ کے لئے تاکید عثمان رضؓ کا فیصلہ کرنا آسان نہ تھا۔ کیونکہ کسی شخص کو بیعت [illegible] کئی اشخاص نے مل کر ظلم و ظلمت جمع کیا تھا۔ جب حضرت عثمان

کی اہلیہ محترمہ سے قاتل کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا۔ "مجھے معلوم نہیں! کئی آدمی گھر میں داخل ہوئے تھے جن کو میں نہیں جانتی۔ البتہ اُن کے ساتھ محمد بن ابوبکر تھے۔" محمد بن ابوبکر سے پوچھ گچھ کی گئی تو انھوں نے بتلایا کہ جب وہ حضرت عثمان رضؓ کے پاس پہنچے اور ان کی داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حضرت عثمان رضؓ نے یہ کہا: "اگر تیرا باپ زندہ ہوتا تو کبھی ایسا نہ کرتا۔ اس پر میں شرمندہ ہو کر لوٹ آیا تھا۔"

اندریں حالات حضرت علی رضؓ نے مجبور ہو کر مطالبۂ قصاص کرنے والوں سے فرمایا،

"جو کچھ آپ چاہتے ہیں، میں اُس سے بے خبر نہیں ہوں۔ لیکن میں ایسے لوگوں کے خلاف کس طرح کارروائی کر سکتا ہوں جنہوں نے سارے مدینہ پر قبضہ کر رکھا ہے وہ جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں اور جو ظلم آپ پر چاہتے ہیں توڑتے ہیں آپ لوگ خود ہی بتائیں کہ کیا اس صورت میں اُن سے کسی طرح قصاص لیا جا سکتا ہے؟"

حضرت علی رضؓ کا یہ جواب بڑا معقول تھا اوّل تو یہ ٹھیک معلوم نہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کا قاتل کون ہے، لیکن اگر پتہ بھی لگ جاتا تب بھی قصاص لینا عملاً ممکن نہ تھا۔ کیونکہ مفسدین شمشیر بدست مقابلہ میں آ جاتے، اور اس قدر قتل و غارت ہوتا کہ لوگ شاید حضرت عثمان بن عفان رضؓ کی شہادت کو بھول جاتے۔ اسی لیئے حضرت علی رضؓ کی یہ سوچی سمجھی رائے تھی کہ حضرت عثمان رضؓ کے قصاص میں تاخیر کرنا مناسب ہے اگرچہ بعض صحابہ کا خیال تھا کہ جلدی قصاص لینے میں مصلحت ہے۔ غالباً اسی لیے طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ نے مکہ پہنچ کر حضرت عائشہ رضؓ سے مل کر بصرہ کا رُخ کیا۔ تاکہ اگر حضرت علی رضؓ ان بلوائیوں کو فوری طور پر کیفرِ کردار کو نہیں پہنچاتے تو وہ اپنے حامیوں کی مدد سے امیر المؤمنین حضرت علی رضؓ پر دباؤ ڈالیں گے کہ مفسدوں سے بلا تاخیر بدلہ لیں۔ بہرحال اس معاملے کی تفصیل کچھ آگے چل کر آئے گی۔

دوسرا اہم معاملہ جسے حضرت علی رضؓ نے برسرِ اقتدار آتے ہی طے کیا وہ یہ تھا کہ عہدِ عثمانی کے تمام

---

[1] علامہ سبکی ۔ بحوالہ عدالتِ صحابہ۔ از فقیر اللہ۔

عمال کو برطرف کر دیا۔ اس کے دو وجوہ تھے۔

اول یہ کہ ذاتی طور پر حضرت علی رضؓ ان عمال کے بارے میں اچھی رائے نہ رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ باغی جو مدینہ پر مسلط تھے۔ اُن کا پہلے حضرت عثمان رضؓ سے یہ مطالبہ رہا تھا کہ آپ اپنے عمال کو برطرف کر دیجئے اور اب وہ حضرت علی رضؓ سے عثمانی عمال کو امورِ سلطنت سے بے دخل کرنے پر اصرار کر رہے تھے۔ اگر حضرت علی رضؓ اُن کے مطالبے کو مسترد فرما دیتے تو یہ مُفسدین اُن سے وہی سلوک کرتے جو انھوں نے حضرت عثمان رضؓ سے کیا تھا۔ اور خلافت کا نظام سرے سے درہم برہم ہو جاتا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے جناب علی مرتضیٰ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اُموی عمال کے ردّ و بدل میں عجلت سے کام نہ لیں اُن کا گمان تھا کہ امیر معاویہ رضؓ کو معزول کیا گیا تو وہ جھٹ سے کہہ دیں گے "خلافت کا معاملہ بغیر شوریٰ کے آپس ہی میں طے کر لیا گیا ہے۔ اس لیے جناب علی رضؓ کی خلافت جائز نہیں۔ وہ آں جناب پر یہ الزام بھی دھریں گے کہ آپ نے حضرت عثمان رضؓ کو قتل کرنے میں بھی حصہ لیا ہے اس طرح ایک فتنۂ عظیم برپا ہو جائے گا۔"

لیکن حضرت علی رضؓ نے یہ مشورہ قبول نہ فرمایا اور نئے عمال کو اُن کے مقرر کردہ علاقوں میں بھیجنا شروع کر دیا۔ عثمان بن حنیف کو بصرہ میں، عمارہ بن شہاب کو کوفہ میں، عبیداللہ بن عباس کو یمن میں، قیس بن سعد کو مصر میں اور سہل بن حنیف کو شام کی طرف روانہ کیا۔

امیر معاویہؓ کا بیعت سے توقف :

شام کے عامل سہل بن حنیف کو راستے میں لوٹنا پڑا۔ حضرت علی رضؓ نے حجاج بن نمریہ کے ہاتھ ایک خط حضرت امیر معاویہ رضؓ کو بھیجا جس میں انھیں بیعت کی دعوت دی گئی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضؓ نے اس خط کا کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ بنی عبس کا ایک ممتاز فرد شام سے آیا اور اُس نے یہ بتلایا۔ "میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں۔ اور خون آلود پیراہن عثمان رضؓ جامع دمشق کے دروازے پر لٹکا رکھا ہے۔ اور انھوں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قاتلینِ عثمان رضؓ سے انتقام نہ لیں گے، چین سے نہ بیٹھیں گے۔"

Marfat.com

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کا

اجتہادی اختلاف

جنگِ جمل :

جس وقت حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کا دلدوز سانحہ پیش آیا۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضؓ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئی ہوئی تھیں۔ انھیں اس المناک حادثے کی اطلاع وہیں ملی۔ اتنے میں حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ مکہ جا پہنچے۔ انھوں نے جناب عائشہ صدیقہ رضؓ کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا کہ کیونکر بلوائیوں نے خلیفۂ اسلام جناب عثمان غنی رضؓ کو شہید کیا اور مرکزِ اسلام پر قبضہ کر لیا۔ اور حضرت علی رضؓ کی بیعت کیونکر جبراً لی گئی، اور ابھی بعض حضرات ان کی بیعت سے توقف کئے ہوئے ہیں۔ جناب عائشہ رضؓ ان حالات کو سُن کر فوراً حضرت عثمان رضؓ کے خون کا قصاص لینے اور مرکزِ اسلام سے بلوائیوں کو نکالنے کے لئے کمربستہ ہو گئیں اور آپ نے اہلِ مکہ کو اپنے نقطۂ نظر سے آگاہ کیا اور اُن سے مدد طلب کی۔

اہلِ مکہ سخت تذبذب میں پڑ گئے۔ ایک طرف اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضؓ جیسی محترم خاتون مظلوم خلیفہ کے خونِ بے گناہی کے قصاص اور بلوائیوں کا زور توڑ کر اصلاح کی دعوت دے رہی تھیں تو دوسری طرف آغوشِ نبوت کے پروردہ [illegible]

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ لوگوں سے اطاعت گذاری کا مطالبہ کر رہے تھے۔ تاکہ آہستہ آہستہ نہ صرف باغیوں کا زور توڑ سکیں بلکہ قاتلینِ عثمان رضؓ سے قصاص بھی لے سکیں۔ حضرت عائشہ رضؓ اما مظلوم کے قتل کے فوری قصاص کو ضروری سمجھتی تھیں۔ اور حضرت علی رضؓ اس میں تاخیر و مہلت کو مناسب سمجھتے تھے۔ پس اہلِ مکہ تذبذب میں پڑ گئے۔ اور اُس دن اصحابِ رسول اتنے روئے کہ اُس دن کا نام بقولِ مورخِ طبری "یومِ گریہ" پڑ گیا۔

اِس موقعہ پر اہلِ مکہ کو اپنا ہم نوا بنانے کے لئے حضرت عائشہ رضؓ نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اے لوگو! مختلف شہروں اور علاقوں کے فتنہ پردازوں نے مل کر اس شہید امام پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ بے انصافی کی راہ پر ہے اور اُس نے ایسے کم عمروں کو عامل بنایا ہے جن کے ابھی دانت نہیں نکلے۔ حالانکہ بہت سے نازک موقعوں پر اِن دانتوں نے لوگوں کی حفاظت کی ہے۔ بہرحال یہ فتنہ پرداز ان کے پیچھے لگ گئے۔ اور اُن سے خلافت چھین لینے کا ارادہ کیا۔ اور ظاہر کیا گیا کہ اُن کی غرض اصلاح ہے اور جب انھیں اس فتنہ پردازی کا کوئی بہانہ نہ مل سکا اور نہ وہ کسی قسم کا عیب یا نقص ثابت کر سکے تو وہ سرکشی و بغاوت پر اتر آئے۔ اُن کے دعویٰ اور عمل کا تضاد آشکار ہو گیا۔"

"انھوں نے وہ خون بہایا جس کا بہانا حرام ہے۔ اور ایک محترم شہر کو خونریزی کے لئے حلال کر لیا۔ اور وہ مال جس کا لینا حرام تھا۔ اُسے لوٹ لیا۔ اور ماہ ذی الحجہ جس میں کفار تک سے جنگ حرام ہے اور جسے اللہ نے معزز بنایا ہے۔ اُسے انھوں نے خونِ عثمان رضؓ کے لئے حلال کر لیا اور اس مہینے کی حرمت کا کوئی پاس نہ کیا۔ خدا کی قسم! اگر ان قاتلینِ عثمان جیسے انسانوں کے ساتھ [illegible] ہمارے ہاتھ تو ان سب سے عثمان رضؓ کی انگلی بہتر ہے۔"

Marfat.com

میں تم لوگوں سے باغیوں کے خلاف مدد چاہتی ہوں۔"

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضؓ کی پیش آمدہ حالات میں اجتہادی رائے یہ تھی کہ حضرت عثمان رضؓ کے قاتلین سے بدلہ لینے میں تاخیر مناسب ہے۔ لیکن جناب عائشہ رضؓ کی تقریر سے اُن کی یہ اجتہادی رائے سامنے آتی ہے کہ وہ خلیفۂ اسلام (حضرت عثمان رضؓ) کی شہادت کے فوری قصاص کی متمنی تھیں۔ اُن کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ ہزاروں سرفروش امام مظلوم کا قصاص لینے کے لئے تیار ہو گئے اور طلحہؓ و زبیر رضؓ دونوں نے فوج کی کمان سنبھال لی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے لشکر کی روانگی:

اگرچہ خلیفۃ المسلمین بھی مدینے میں تھے اور مقتول کے ورثاء بھی وہیں موجود تھے اور وہیں پر عدالتی کارروائی ممکن تھی۔ لیکن حضرت عائشہ رضؓ نے یہ مصلحت سوچی کہ جب تک مدینہ سے بلوائیوں کا زور کم نہیں ہو جاتا مدینہ جانا مناسب نہیں، چنانچہ تاریخ قرطبی کے حوالہ سے "صاحب مسئول" نے لکھا ہے "مشورہ سے طے پایا کہ جب تک بلوائیوں اور فسادیوں کا زور کم نہ ہو۔ عرب سے باہر کا کوئی گوشۂ عافیت تلاش کیا جائے اور وہاں سے حضرت علی رضؓ سے مفاہمت کر کے مفسدوں کی گوشمالی کی جائے اور حضرت عثمان رضؓ کے خون کا قصاص لیا جائے۔

حضرت علیؓ کا فوجی اقدام:

بلوائیوں نے حضرت علی رضؓ کو حضرت عائشہ رضؓ کے حامیوں کے اس اجتماع کی خبر بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ پہنچائی۔ اور اُن کو یہ باور کروایا گیا کہ یہ لوگ آں جناب کو خلافت سے معزول کرنا چاہتے ہیں۔ انہی اطلاعات کی بناء پر آپ ۳۶ھ میں سات ہزار حامیوں کو ہمراہ لے کر بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔

جب حضرت علی رضؓ کی فوج بصرہ کے قریب پہنچ گئی تو آپ نے قعقاع بن عمرو رضؓ

صحابی کو قاصد بنا کر حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ دونوں کے پاس بھیجا جو پہلے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ سے ملے۔ جنہوں نے انہیں صاف بتا دیا کہ میرا مقصد صرف فتنہ و فساد کو فرو کرنا اور اصلاحِ احوال ہے پھر وہ حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ سے ملے اور پوچھا کہ اصلاحِ احوال کی آپ لوگوں نے کیا تجویز سوچی ہے؟ انھوں نے کہا "حضرت عثمان رضؓ کے قاتلوں سے قصاص لئے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا"۔ حضرت قعقاع رضؓ نے فرمایا "امن کا قیام اور حضرت عثمانؓ کے قصاص تب ہی ممکن ہے کہ آپ سب لوگ متفق ہو کر حضرت علی رضؓ کے ہاتھ مضبوط کریں"۔ یہ رائے طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ دونوں نے پسند اور قبول کی۔ حضرت قعقاع رضؓ خوشخبری لے کر حضرت علی رضؓ کے پاس پہنچ گئے اور فریقین میں صلح کے امکانات یقینی اور روشن ہو گئے۔

غلط فہمی کے سبب جنگ:

حضرت علی رضؓ کے لشکر میں شریک فتنہ پردازوں نے جب یہ دیکھا کہ فریقین میں صلح کے لئے نامہ و پیام شروع ہو گیا ہے جس سے نہ صرف ان کا زور ٹوٹ جائے گا بلکہ قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لینے کی صورت بھی پیدا ہو جائے گی جس کے وہ خود ذمہ دار تھے تو بہت پریشان ہوئے۔ عبداللہ بن سباء (ابن السوداء) نے انھیں سمجھایا کہ فریقین میں کیونکر پھوٹ ڈلوائی جائے۔ چنانچہ جس صبح فریقین میں مفاہمت کی تحریر (صلحنامہ) مرتب ہونا تھی۔ اُسی رات فتنہ پرداز سبائیوں نے حضرت علی رضؓ کے لشکر سے نکل کر جناب عائشہ رضؓ کے لشکریوں پر حملہ کر دیا ——— جنہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ شب خون حضرت علی رضؓ کے ایماء پر مارا گیا ہے پس انھوں نے حضرت علی رضؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ دونوں فریقوں کو ہی یہ مغالطہ ہوا کہ دُوسرے فریق نے بدعہدی کی ہے اور دفاع کی غرض سے سب جم کر لڑنے لگے۔ سبائیوں کی فریب کاری سے صلح ہونے کی بجائے جنگ برپا ہو گئیں اور جنگ کی آگ شعلہ زن ہو گئی۔ دونوں طرف سے زبردست مقابلہ کیا اور شجاعت دی گئی۔ جب حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ نے شکست کے آثار دیکھے

Marfat.com

دیکھے تو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو اونٹ پر (ہودج میں) بٹھا کر میدان کارزار میں لے آئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضؓ کے حامیوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور جنگ کے شعلے تیزی سے بھڑکنے لگے۔ آخر کار حضرت علی رضؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اس اُونٹ کو ذبح کر دو کیونکہ اس کی بقاء (زندگی) میں عربوں کی فنا (موت) ہے۔" اس پر علی رضؓ کے ایک حامی نے آگے بڑھ کر اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ اونٹ بیٹھ گیا۔ حضرت عائشہ رضؓ کے حامیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ اور وہ میدان سے ہزیمت اٹھا کر چلے گئے۔ اس نازک مرحلے پر سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضؓ نے اعلان کر دیا۔ "نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے اور نہ کسی کا مال لوٹا جائے۔ جو ہتھیار ڈال دے اُسے امان دی جائے۔" بعد ازاں حضرت علیؓ نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو بڑے احترام کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔ اُدھر حضرت زبیر رضؓ مدینہ کی طرف جنگ ہونے سے پہلے ہی کسی مصلحت کے پیش نظر جا چکے تھے لیکن کسی جفا کار نے انھیں شہید کر دیا۔

جنگ جمل پر تبصرہ:

جنگِ جمل کا آغاز غلط فہمی اور جوش میں ہُوا۔ جس کا بعد میں فریقین کو بے حد افسوس رہا۔ حضرت عائشہ رضؓ اپنے اقدام پر بے حد متاسف تھیں۔ اکثر غم انگیز لہجے میں فرمایا کرتیں۔ "کاش آج سے بیس برس پہلے میں اس دنیا سے اُٹھ گئی ہوتی۔"

اُدھر حضرت علی رضؓ بھی فرمایا کرتے "اے کاش میں آج سے تیس برس پہلے اٹھ گیا ہوتا اور یہ جدال و قتال نہ ہوتا۔"

بہرحال جنگِ جمل میں پہلی دفعہ مسلمانوں کی تلوار مسلمانوں کے خلاف (مغالطے کی بنا پر) بے نیام ہوئی۔ اور ناحق ہزاروں مسلمانوں کا خون بہہ نکلا۔

ایک دفعہ حضرت علی رضؓ سے اصحاب جمل کے متعلق پوچھا گیا کہ آیا آپ کے مخالفین [illegible]

Marfat.com

[illegible] سے بالکل بے خبر تھے۔ جواب دیا گیا کہ کیا وہ منافق تھے؟ [illegible] نہیں۔ حق بات کو اختیار کرتے تھے۔ پوچھا گیا کہ پھر ان کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا وہ ہمارے بھائی ہیں۔ انہوں نے ہم سے (سیاسی) اختلاف کیا تھا۔

[illegible] نے کیا خوب کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مسئلہ اجتہادی نوعیت [illegible] حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ تاخیر میں مصلحت ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے تھی کہ جلدی [illegible] مصلحت ہے اور ہر ایک اپنے اجتہاد پر عامل ہوا اور انشاء اللہ وہ اجر حاصل کرے گا۔

مدینہ کی بجائے کوفہ کا دارالخلافہ بننا:

جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل قیام فرمایا اور اس طرح حکومت حجاز سے عراق منتقل ہو گیا۔ مؤرخین نے مدینہ کی بجائے کوفہ کو دارالخلافہ بنانے کی وجوہ بیان کئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

- پہلی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی مرتضیٰ کے حامیوں کی خاصی بڑی تعداد کوفہ میں آباد تھی۔
- دوسری حکمت یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر حرم نبوی کا احترام خطرے میں پڑ گیا تھا۔ اس لئے آئندہ اُسے شر و فتن سے بچانا ضروری ہو گیا تھا۔
- تیسری بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ علاقہ عراق (ایران) اور عرب دونوں کی سرحد پر واقع تھا اور مرکزِ خلافت بننے کے لائق تھا، جہاں سے تمام علاقوں پر مرکز اپنا کنٹرول رکھ سکتا تھا۔
- چوتھا سبب یہ تھا کہ شام کا صوبہ یہاں سے قریب پڑتا تھا جہاں علی مرتضیٰ کی خلافت ابھی تک تسلیم نہ ہوئی تھی۔ اس لئے شامیوں کے خلاف قدم اٹھانے کے لئے موزوں ترین مقام تھا۔

Marfat.com

امیر معاویہؓ اور علی مرتضیٰؓ

(جنگِ صفین)

حضرت امیر معاویہ رضؓ رسولِ اکرم ﷺ کے جلیل القدر صحابیوں میں سے ہیں۔ کاتبانِ وحی میں ان کا شمار ہوتا ہے (جو ایک بہت بڑا شرف ہے) حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ اُن کے تفقہ فی الدین کے معترف تھے، شعر و ادب کا بڑا اچھا مذاق رکھتے تھے۔ تقریر بڑی فصیح کرتے تھے۔ اعلیٰ درجہ کے مُدبر و سیاست دان تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں شام پر فوج کشی ہوئی تو فوج کے ایک حصے کی کمان کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں دمشق کے والی مقرر ہوئے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں پورے شام کے والی بنا دیئے گئے۔ اس دور میں آپؓ نے بحری بیڑے کی داغ بیل رکھی اور شام کے سرحدی علاقے بھی فتح کئے۔

ہم یہاں ـــــ امیر معاویہ رضؓ کے بارے میں چند روایات نقل کرتے ہیں، جن سے امیر معاویہ رضؓ کے مرتبے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:-

"مجھے آنحضورؐ نے نصیحت فرمائی تھی کہ "اے معاویہ رضؓ! جب تم والی بنائے جاؤ تو لوگوں سے مُروّت و احسان کرنا!" (عن امیر معاویہ)

آنحضورؐ نے فرمایا۔ "ایک وقت ضرور آئے گا کہ معاویہ ولایت و حکومت

Marfat.com

حاصل کریں گے۔" (عن امام حسن)

حضورِ اکرمؐ نے نصیحت فرمائی "اے معاویہؓ! اگر تم کو امارت مل جائے تو عدل و تقویٰ اختیار کرنا!" (عن سعید بن المسیب)

آنحضورؐ نے دُعا فرمائی "اے اللہ! معاویہؓ کو حساب و کتاب سکھا دے اور عذاب سے محفوظ فرما!" (ابن حجر مکی۔ تطہیر الجنان)

ایک مرتبہ یہ دُعا فرمائی "اے اللہ! معاویہؓ کو علم (دین) عطا فرما، اور ان کو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا بنا۔ اُن کو ہدایت کر اور اُن کی وجہ سے دوسروں کو ہدایت فرما!" (حافظ ابن کثیر)۔

"براۃ عثمان" میں مولانا قمر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ "حضرت معاویہؓ کے کمالِ تدبر اور دیانت و امانت کے لئے یہی بڑی دلیل ہے کہ انھوں نے اپنی آٹھ دس سالہ امارت کے زمانے میں حضرت عمرؓ جیسے امامِ عادل (اشد ھم فی امر اللہ) متبع سنّت خلیفہ راشد کو کسی گرفت کا موقع نہیں دیا۔" بعض دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے امیر معاویہ کی صلاحیتوں کی توصیف بھی فرمائی مثلاً:

حضرت عمرؓ اکثر کہا کرتے تھے کہ "جب معاویہؓ جیسا عقل و دانش کا پتلا تم میں موجود ہے تو پھر تمھیں قیصر و کسریٰ کی زیرکی کا تذکرہ کرنے سے کیا حاصل؟" (الکامل: ابن اثیر)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے فرمایا "ان کی ان اعلیٰ صلاحیتوں کی وجہ ہی سے تو ہم نے ان کو اتنی بڑی ذمہ داری سپرد کی ہے۔" (ابن کثیر)

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا۔ "جانے بھی دو! وہ قریش کے سردار اور سردارِ قریش کے بیٹے ہیں، وہ غصہ میں بھی مسکرا دیتے ہیں۔"

(ابن کثیر)

بیعت میں توقف:

جب امیر معاویہ رضؓ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کی المناک خبر پہنچی تو تڑپ اٹھے۔ اسی طرح پورے صوبہ شام میں اس خبر کا ردِ عمل بڑا شدید ہوا۔ اور اسی لئے شام کے نئے عامل کو راستہ سے لوٹا دیا گیا۔ اور حضرت علی رضؓ کی بیعت سے توقف کیا گیا۔ انہی دنوں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ (صحابی رسولؐ) حضرت عثمان رضؓ کا خون آلود پیراہن اور کٹی ہوئی انگلیاں شام لے گئے، جسے حضرت امیر معاویہ رضؓ کے اذن سے جامع دمشق میں آویزاں کر دیا گیا۔ نعمان بن بشیر رضؓ اور حضرت امیر معاویہ رضؓ کا اس تدبیر سے یقیناً یہ مقصد نہ تھا کہ لوگوں کو حضرت علی رضؓ کی حکومت یا خلافت کے خلاف بھڑکایا جائے بلکہ ان کا مقصد لوگوں کے جذبات کو ان بلوائیوں کے خلاف بھڑکانا تھا جو جنابِ عثمان رضؓ کو بے گناہ شہید کرنے کے بعد مدینہ میں دندناتے پھر رہے تھے۔ چنانچہ ابو مسلم خولانی کی قیادت میں حضرت علی رضؓ کا ایک وفد امیر معاویہ رضؓ کے پاس شام پہنچا۔ اور آپ سے بیعت کا تقاضا کیا۔ تو حضرت امیر معاویہ رضؓ نے صاف جواب دیا ..... "مجھے حضرت علی کی بیعت کرنے میں کوئی عذر نہیں، خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ علی رضؓ مجھ سے بہتر اور افضل ہیں اور خلافت کے بھی مجھ سے کہیں زیادہ مستحق ہیں۔ مگر آپ نہیں جانتے ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ ظلماً قتل کئے گئے۔ اور اُن کے قاتل حضرت علی رضؓ کے ہمراہی (معاون) بن کر دندناتے پھر رہے ہیں۔ میں ہرگز نہیں کہتا کہ جنابِ علی رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کو قتل کیا ہے یا قتل کروایا ہے یا اُن کے قتل کی سازش کی ہے۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ اُنکے قاتلوں کو حضرت علی رضؓ نے پناہ دے رکھی ہے۔ آج وہ قاتلینِ عثمان کو ہمارے سپرد کر دیں یا انھیں خود قتل کر دیں تو اُن کی بیعت کر لیں گے اور سب سے پہلے میں بیعت کروں گا۔"

حضرت امیر معاویہ رضؓ کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ وہ حضرت علی رضؓ کو حق دار مانتے تھے۔ لیکن قاتلینِ عثمان رضؓ [illegible]

Marfat.com

پھر جب انھوں نے دیکھا کہ حضرت علی رضؓ نے مالک بن اشتر نخعی کو فوج کا کمانڈر ان چیف بنا دیا ہے اور محمد بن ابی بکر کو اپنا مشیر خاص بنا لیا ہے۔ جو فتنہ، قتلِ عثمانؓ کے بانی شمار کئے جاتے تھے۔ تو امیر معاویہ رضؓ اور زیادہ برہم ہو گئے اور جانبین میں مصالحت کی راہیں مسدود ہوتی نظر آنے لگیں۔

جنگ صفین

حضرت علی رضؓ نے امیر معاویہ رضؓ کے خلاف فوجی اقدام کی غرض سے تیاری شروع کر دی لیکن پہلے انھیں حضرت عائشہ رضؓ کے لشکریوں کا سامنا کرنا پڑا، اور جنگ جمل پیش آئی۔ (جس کا بیان پہلے گذر چکا ہے)۔

جنگ جمل سے (جمادی الاخری ۳۶ھ) میں فارغ ہو کر حضرت علی رضؓ نے شام کے معاملے کی طرف فوری توجہ فرمائی۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کو حضرت معاویہ رضؓ کے پاس خط دے کر بھیجا گیا اور انھیں یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ جس خلافت پر اُمت جمع ہو چکی ہے وہ اس کی اطاعت بلا چون و چرا قبول کر لیں اور جماعت سے الگ ہو کر تفرقہ نہ پیدا کریں۔" مگر حضرت امیر معاویہ نے بلا تاخیر قصاص قتلِ عثمانؓ کے موقف پر حسب سابق اصرار کیا، آخر دو طرفہ جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

حضرت علی رضؓ عراق سے اور حضرت امیر معاویہ رضؓ شام سے روانہ ہوئے، دونوں کی افواج کی تعداد ۸۰، ۹۰ ہزار کے لگ بھگ تھی اور صفین کے مقام پر جو فرات کے مغربی جانب الرقہ کے قریب واقع ہے۔ ایک دوسرے کے مقابل یہ دونوں فوجیں خیمہ زن ہوئیں۔ حضرت علی رضؓ

حضرت علی رضؓ بلوائیوں کو نافرمانی کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ مگر اُن کو صحابہ کرامؓ [illegible] حاصل ہوتا یا انھیں جنگوں میں نہ الجھایا جاتا تو ضرور فتنہ و شر سے چھٹکارا حاصل کر لیتے اور [illegible]

کا مطالبہ تھا کہ "امیر معاویہ رض اور اہلِ شام اُن کی بلا چون و چرا بیعت قبول کریں اور تفرقہ نہ ڈالیں"۔ امیر معاویہ رض اور اُن کے لشکریوں کا یہ موقف تھا کہ قاتلینِ عثمان رض اُن کے سپرد کئے جائیں تاکہ وہ قصاص لے سکیں، پھر وہ بیعت کریں گے۔ ماہ ذی الحجہ کے آغاز میں حضرت علی رض نے معاویہ رض کے پاس اِتمامِ حجت کے لئے ایک اور وفد بھیجا۔ مگر انھوں نے جواب دیا کہ "میرے تمھارے درمیان تلوار کے سوا کچھ نہیں"۔

جنگ کا فیصلہ کُن مرحلہ:

۳۷ھ محرم سے پہلے چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ محرم میں دونوں لشکر اپنے ہاتھ روکے رہے۔ ماہ صفر ۳۷ھ سے اصل فیصلہ کُن جنگ شروع ہوئی۔ ساتویں صفر کو دونوں لشکر آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ دس صفر کو جنگ اپنے نقطۂ عروج پر جا پہنچی۔ ۱۰ صفر کو جنگ دن میں شروع ہوئی تھی اور رات بھر جاری رہی۔ چوبیس گھنٹے کی اس جنگ کی اسی شدت اور گھن گرج کی وجہ سے اُس رات کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔

طبری اور ابن خلدون کا بیان ہے کہ حضرت علی رض کی فوج کی فتح مندی کے آثار ہویدا ہونے لگے اور امیر معاویہ رض کے حامی مغلوب ہوتے نظر آنے لگے۔ اس وقت حضرت عمرو بن العاص نے امیر معاویہ رض کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآنِ مجید کو اٹھائے اور یہ صدا بلند کرے کہ "یہ قرآن، تمھارے اور ہمارے درمیان حکم ہے"۔ اس کی مصلحت حضرت عمرو بن العاص نے خود بتائی۔ کہ اس سے حضرت علی رض کے لشکر میں اختلافِ رائے پیدا ہو جائے گا۔ "کچھ کہیں گے کہ یہ بات مان لی جائے۔ اور کچھ کہیں گے کہ نہ مانی جائے"۔ ہم مجتمع رہیں گے اور اُن میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ اور اگر وہ مان لیں گے تو ہمیں مہلت مل جائے گی۔ اِن مؤرخین کے بیان سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ امیر معاویہ رض اور عمرو بن العاص نے محض شکست سے بچنے کیلئے یہ تدبیر کی تھی۔

لیکن ابنِ اثیر اور ابنِ کثیر نے امیر معاویہ رضہ کے حامیوں کے جو الفاظ نقل کئے ہیں۔ اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر معاویہ رضہ اور عمرو بن العاص کا یہ قومی احساس تھا کہ اگر خانہ جنگی میں مسلمانوں کی قوت تباہ ہوگئی تو مملکتِ اسلامیہ کی سرحدوں کی حفاظت ناممکن ہوجائے گی۔ مسعودی لکھتا ہے کہ امیر معاویہ رضہ کے حامیوں نے یہ صدا بلند کی۔ "رومیوں سے کون جہاد کرے گا؟ ترکوں سے کون جہاد کرے گا؟" مؤرخ ابنِ اثیر نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں.... "یہ اللہ کی کتاب، ہمارے تمہارے درمیان حکم ہے۔" اہلِ شام کے نہ رہنے کے بعد شام کی سرحدوں کی کون حفاظت کون کرے گا؟ اور اہلِ عراق کے نہ رہنے کے بعد عراق کی سرحدوں کی کون حفاظت کرے گا؟" اور علامہ ابنِ کثیر نے حضرت معاویہ رضہ کے لشکریوں کے جملے نقل کئے ہیں۔ لوگ جب یوں فنا ہوگئے تو سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟ اور کون مشرکین اور کفار سے جہاد کرے گا؟" ان تینوں روایات سے پتہ چلتا ہے کہ امیر معاویہ رضہ اور عمرو بن العاص نے نیک نیتی سے جنگ بند کرنا چاہی تھی، نہ کہ کمزوری و ضعف کے سبب!

بہرحال مؤرخین لکھتے ہیں جب امیر معاویہ رضہ کے لشکر نے قرآنِ مجید کو حکم بنانے کی صدائیں بلند کیں تو اس کا نتیجہ وہی نکلا جس کی عمرو بن عاص کو توقع تھی۔ گو حضرت علی رضہ کا ذاتی تاثر یہ تھا کہ یہ امیر معاویہ رضہ کی جنگی تدبیر ہے۔ اور وہ شکست سے بچنا چاہتے ہیں۔ مگر عراقیوں میں اختلاف رائے پیدا ہوگیا۔ اور حضرت علی رضہ مجبور ہوئے کہ جنگ بند کرکے ثالثی کاروائی کا معاہدہ کرلیں۔

ہمارا یہ ذاتی خیال ہے کہ خواہ امیر معاویہ رضہ اور عمرو بن عاص نے جنگی تدبیر کی تھی اور خواہ نیک نیتی سے مزید خون خرابے سے بچنے کے لئے صلح کرنا چاہی۔ بہرحال اس سے امتِ محمدیہ کو مجموعی طور پر فائدہ ضرور پہنچا ورنہ جانے کتنی خون کی ندیاں بہہ جاتیں، اور اس خانہ جنگی سے مسلمانوں کی سیاسی طاقت کس قدر رُو بہ زوال ہوجاتی؟

[illegible] اور دوسری صورت زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

Marfat.com

جنگ بندی کا معاہدہ:

حضرت علی رضؓ اور امیر معاویہ رضؓ کے مابین جنگ بندی کا جو سمجھوتہ ہوا وہ طبری اور ابن خلدون نے بدیں الفاظ نقل کیا ہے۔

"ہم اللہ عزّ وجلّ کے حکم اور اُس کی کتاب کو قبول کرتے ہیں اور کتاب اللہ کے علاوہ ہمیں کوئی فیصلہ قبول نہ ہوگا۔ اور اللہ عزّ وجلّ کی کتاب میں از اوّل تا آخر، جو کچھ بھی موجود ہے۔ ہم اُس پر عمل کریں گے۔ جس چیز کے رائج کرنے کا یہ کتاب حکم دیتی ہے اُسے رائج کریں گے اور جس اَمر کے ختم کرنے کا یہ کتاب حکم دیتی ہے۔ اُسے ختم کریں گے۔ دونوں حکم یعنی ابو موسیٰ الاشعری اور عمرو بن العاص، کتاب اللہ میں جو حکم پائیں گے۔ اُس پر عمل پیرا ہوں گے۔ اور اگر اس معاملے میں کتاب اللہ میں یہ دونوں کوئی حکم نہ پائیں تو اس سُنّت پر عمل پیرا ہوں گے۔ جو عدل وانصاف پر مبنی ہوگی۔ اور جس پر سب کا اتفاق ہوگا اور کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔

ہر دو حکم (ثالث) حضرت علی رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ اور اُن کے لشکروں سے عہد و پیمان لیں گے اور اسی طرح دیگر معتبر لوگوں سے بھی! کہ ان دونوں کی جان و مال محفوظ رہیں گے اور جو کچھ یہ دونوں فیصلہ کریں گے اُس پر تمام اُمّت اُن کی معاون و مددگار ہوگی! ..... اس فیصلہ کی مدت رمضان تک ہوگی۔ اور اگر دونوں ثالث اس مدت کو بڑھانا چاہیں تو بڑھا سکتے ہیں ....؟"

عہدنامہ اِن دُعائیہ الفاظ پر ختم ہوا۔

"اَے اللہ! ہم آپ سے اُس شخص کے مقابلے میں امداد طلب کرتے ہیں جو اس فیصلے کو چھوڑ دے۔"

Marfat.com

جنگِ صفین پر ابن خلدون کا تبصرہ:

جنگِ صفین پر ابنِ خلدون نے مقدمہ میں بڑا بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"سیدنا علی رضؓ اور سیدنا معاویہ رضؓ کے مابین جب فتنہ و فساد کی آگ بھڑکی۔ تو اس میں فریقین نے حق و اجتہاد کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ اور انھوں نے اپنی لڑائیوں میں کبھی دنیاوی غرض، باطل پرستی یا کینہ پروری کو آئینِ نظر نہیں رکھا۔ جیسا کہ بعض کو وہم ہو جاتا ہے اور ان کے خیالات بہک جاتے ہیں دراصل یہ اختلاف ایک اجتہادی اختلاف تھا اور ہر ایک فریق اپنے اجتہاد کی روشنی میں دوسرے کو غلط کار ٹھہراتا تھا۔ اسی بناء پر دونوں فریق آپس میں ٹکرا گئے۔ مانا کہ سیدنا علی رضؓ حق بجانب تھے لیکن امیر معاویہ رضؓ بھی کسی باطل ارادہ سے ان کے مقابلہ پر نہ آئے تھے۔ اُن کے پیشِ نظر حق ہو گئی تھی گو انھوں نے حق تک پہنچنے میں خطا کی۔ اسی طرح سبھی مسلمان اپنے نقطۂ نظر سے حق پر جمے ہوئے تھے۔۔ باطل طلبی سے اُن کا دامن پاک تھا۔"

حضرت علیؓ کی عالی ظرفی:

جنگِ صفین کے فوراً بعد حضرت علی رضؓ نے اپنے گورنروں اور عام رعایا کے نام ایک گشتی مراسلہ جاری فرمایا جس میں انھوں نے بڑی وسعتِ قلبی و عالی ظرفی سے کام لیتے ہوئے لکھا:

"اہل شام کا اور ہمارا خدا ایک ہے، رسول ایک ہے۔ اختلاف صرف حضرت عثمان رضؓ کے خون کا ہے۔ تو اللہ جانتا ہے، میں اس سے بالکل بری الذمہ ہوں۔"

امیر معاویہؓ کی ہوشمندی:

اُدھر حضرت امیر معاویہ رضؓ کی دیانت اور سیاست کی بھی داد دینی پڑتی ہے کہ باہمی اختلافات اور جنگ وجدال کے باوجود انھوں نے اپنی طرف سے دشمنانِ اسلام کو اسلامی سلطنت پر حملہ کرنے کا موقع نہ دیا۔ اُن دنوں شاہِ روم نے انھیں ایک خط لکھا:

"میں نے سُنا ہے حضرت عثمان رضؓ کو شہید کروانے کے بعد حضرت علی رضؓ خلیفہ بن بیٹھے ہیں۔ اور آپ کو اُن کی خلافت تسلیم نہیں ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ اِن حالات میں اُن کی خلافت نادرست ہے اور آپ کا موقف بالکل صحیح ہے۔ اگر آپ کو میری فوجی مدد کی ضرورت ہو تو میں ہر وقت امداد پہنچانے کو حاضر ہوں۔"

حضرت معاویہ رضؓ نے شاہِ روم کو جو دو ٹوک جواب دیا۔ وہ سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے:

"اے رومی! تجھے ہم دونوں کی خانہ جنگی سے یہ ہوس پیدا ہوئی ہے کہ تو ہمارے اختلافات سے فائدہ اُٹھائے۔ یہ خیالِ خام اپنے دل سے نکال دے۔ یہ ہمارا آپس کا دینی معاملہ ہے جسے ہم خود طے کر لیں گے۔ اگر تیری فوجوں نے حضرتِ علی رضؓ کے خلاف قدم اُٹھایا تو سب سے پہلے حضرت علی رضؓ کے جھنڈے تلے تیرے مقابلہ پر معاویہ رضؓ آئے گا۔ اور اُس کی فوجیں آئیں گی۔"

پس معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضؓ کو جناب علی مرتضیٰ سے دیانتدارانہ اختلافات تھے۔ اُن سے کوئی بلاوجہ عناد و تعصب نہ تھا۔

حضرت علیؓ اور خوارج

جنگِ نہروان:

تحکیم کے فوراً بعد حضرت علی رضہ کے حامیوں کا ایک گروہ حضرت علی رضہ کو چھوڑ کر الگ ہو گیا۔ جناب علی رضہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضہ کو اُن کو سمجھانے بجھانے کے لئے بھیجا۔ جنھوں نے انھیں ٹھوس دلائل سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی، کہ جنگ بندی کا سمجھوتہ اور کتاب اللہ کی روشنی میں کسی کو حکم تسلیم کرنے کا فیصلہ شرعاً درست ہے۔ آپ نے انھیں سمجھایا کہ خاوند و بیوی کے تنازعوں کو طے کرنے کیلئے سورۂ نساء میں دو حکم مقرر کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ (اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَہُمَا) اسی طرح اگر کوئی شخص حدودِ حرم میں کوئی جانور شکار کر بیٹھے۔ تو سورۂ مائدہ میں دو عادل منصفوں کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ (یَحْکُمُ بِہٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ)۔

لیکن خوارج نے اُن کے مضبوط دلائل پر کوئی توجہ نہ دی۔ اور سُنی اَن سُنی کر دی۔

حضرت علی رضہ نے خود بھی جا کر خوارجِ کوفہ کو سمجھایا بجھایا کہ میں نے حکمین (ثالثوں) پر یہ پابندی عائد کی ہے کہ جس شے کا قرآن حکم دے گا وہ اُس کا حکم دیں گے: اور جس سے قرآن منع کرے گا وہ اس سے رُک جائیں گے۔ لیکن خوارج اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔

دومۃ الجندل میں اذرح کے مقام پر

حکمین (ابو موسیٰ اشعری و عمرو بن عاص) جمع ہوئے۔ لیکن وہ کسی قطعی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ جس پر خارجیوں نے بڑی فتنہ انگیزی شروع کر دی۔ اور معاہدۂ جنگ بندی کو کفر، اور حکمین کی تقرری کو گناہِ عظیم قرار دینے لگے۔ اسی زمانے میں خوارج کا ایک وفد حضرت علی رضہ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ جنگ بندی گناہ ہے اس لئے آپ کو اپنے اس گناہ سے توبہ کرنی چاہیے۔ اور یہ نعرہ بلند کیا

Marfat.com

"لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ" حضرت علی رضنے اُن کے مطالبے کو مسترد کر دیا اور اُن کے نعرے کے بارے میں فرمایا "یہ ایک حق کلمہ ہے لیکن اس سے باطل مراد لیا جا رہا ہے"

شوال ۳۷ھ میں کوفہ کے تمام خوارج نے عبداللہ بن وہب راسبی کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ اور اُسے اپنا امیر چن لیا۔ اور نہروان میں جمع ہونے لگے۔ کوفہ اور بصرہ کے علاقوں کے خارجیوں نے نہروان کا رُخ کیا۔ اور وہ بھی یہاں جمع ہو کر فوجی تیاریوں میں لگ گئے۔

حضرت علی رضنے اس سے پہلے کوفہ کے خارجیوں کو سمجھانے کیلئے حضرت ابنِ عباسؓ کو بھیج چکے تھے، اور خود بھی انھیں صحیح راستہ پر لانے کی کوشش فرما چکے تھے لیکن اب جب انہیں خوارج کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی، تو امیرالمومنین نے اپنی فوج کو بھی تیار ہونے کا حکم دیا۔

خارجیوں کی فتنہ انگیزی میں اضافہ:

خوارج نے نہروان میں جمع ہو کر اودھم مچانا شروع کر دیا یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن خباب (صحابی رسول) کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا اور اُن کی حاملہ بیوی کو بھی تہ تیغ کر دیا۔

حضرت علی رضنے حارث بن مرۃ العبدی کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ صحیح صورت حال کی رپورٹ بھجوانے میں تو کامیاب ہو گئے۔ لیکن خارجیوں کے ہاتھ لگ گئے خارجیوں نے انھیں پکڑ کر فوراً قتل کر دیا۔

حضرت علی رضنے اپنے حامیوں سے مشورہ کیا اور آخر فیصلہ ہوا کہ شامیوں سے پہلے خارجیوں سے نمٹ لیا جائے۔

حضرت علی رضنے نہروان پہنچ کر پہلے وعظ و نصیحت سے کام لیا۔ لیکن خارجیوں نے اُن سے بحث و استدلال کرنے کی بجائے جنگ لڑنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ خارجیوں کے ایک سردار نے چلّا کر کہا: "ان لوگوں سے کسی قسم کی گفتگو نہ کرو، بلکہ خدا تعالیٰ سے ملاقات اور جنت میں جانے کی تیاری کرو"

Marfat.com

نہروان کی جنگ :

اب حضرت علی رضہ خوارج سے جنگ پر مجبور تھے آپ نے ابوایوب انصاری کو علمِ امان عطا فرمایا۔ اور اعلان کروایا۔ "تم میں سے جو شخص اس جھنڈے کے نیچے آجائے اُسے اَمان ہے۔ جو کوفہ یا مدائن چلا جائے اُسے امان ہے۔ اگرچہ تم نے ہمارے بعض بھائیوں کو قتل کر دیا ہے۔"

اس اعلان پر صرف دو ہزار آٹھ سو آدمی مقابلہ پر رہ گئے۔ باقیوں نے اعلانِ امان سے فائدہ اٹھایا اور اُن میں سے بعض حضرت علی رضہ کے کیمپ میں آگئے۔ اس کے بعد معرکۂ کارزار گرم ہوا۔ لیکن جنگ کا فیصلہ چند گھنٹوں میں ہوگیا۔ خوارج کی بہت بڑی تعداد ہلاک ہوگئی۔ عبداللہ بن وہب راسبی لڑتا ہوا مارا گیا۔

مؤرخ طبری کے الفاظ میں "ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی اُن سے کہہ رہا ہو کہ مر جاؤ۔ اور انھوں نے اس آواز پر لبیک کہی۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ جب مسلمانوں میں اختلاف و افتراق ہوگا، تو ایک نئی جماعت (خوارج) اُٹھے گی۔ اور اس گروہ کو وہ قتل کرے گا جو دونوں گروہوں میں سے حق سے زیادہ قریب ہوگا۔ وہ پیش گوئی پوری ہوئی۔

حدیث میں فتنۂ خوارج کی ایک علامت بتلائی گئی تھی کہ اُن میں ایک کالے رنگ کا آدمی مقتول ہوگا جس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کی مانند ہوگا۔ جب حضرت علی رضہ نے لشکرِ خوارج کو شکست دے دی۔ تو اُس مقتول کی لاش کو تلاش کیا گیا جو بہت سی لاشوں کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ حضرت علی رضہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا :

"یہی (خوارجِ نہروان کی) جماعت ہے، جس کی پیشگی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، اور وہ میرے ہاتھوں قتل ہوئی۔"

Marfat.com

شہادت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۷ رمضان المبارک ۴۰ھ

خوفناک منصوبہ:

خوارج کی اصل قوت جنگِ نہروان میں فنا ہوگئی۔ لیکن اُن کے بچے کھچے افراد نے کھلے میدان میں حضرت علی رضؓ کی افواج کا مقابلہ کرنے یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قوت سے ٹکرانے کی بجائے سازش کی راہ اختیار کی۔ جیسا کہ اس سے پہلے سبائیوں نے چال چلی تھی۔

چنانچہ مکہ کے کسی ویرانے میں، تین خارجیوں نے جمع ہوکر ایک خوفناک سازش تیار کی اور طے کیا کہ وہ قتل و قتال سے پوری اسلامی تاریخ کا دھارا بدل دیں گے۔

عمرو بن بکر تمیمی نے کہا کہ وہ حاکمِ مصر حضرت عمرو بن العاص رضؓ کو قتل کرے گا۔ کیونکہ (معاذ اللہ) موجودہ تمام مصائب کی جڑ اور فتنے کی متحرک روح وہی ہے! برک بن عبداللہ نے اعلان کیا۔ "میں حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کو قتل کروں گا" کیونکہ انھوں نے شام میں قیصریت قائم کر رکھی ہے! (استغفر اللہ) عبدالرحمٰن بن ملجم نے حوصلہ کرکے کہا۔ "میں (العیاذ باللہ) حضرت علی رضؓ بن ابی طالب سے نمٹ لوں گا۔ کیونکہ نہروان کے معرکے میں انھوں نے ہماری جماعت کو تہ تیغ کر دیا ہے۔

خارجیوں کے تینوں بدباطن سرغنوں نے متفقہ طور پر طے کیا کہ وہ تینوں ۷ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کو بیک وقت اقدام کریں گے اور اپنے ناپاک منصوبے کو تکمیل تک پہنچائیں گے۔

حضرت علی رضؓ کے قلبِ مبارک میں آنے والے حادثے کا پیشگی احساس پیدا ہو گیا تھا وہ عبدالرحمٰن بن ملجم کی طرف دیکھتے تو محسوس کرتے کہ اُس کے ہاتھ خون سے رنگین ہونے والے ہیں۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم دو مرتبہ بیعت کے لئے حاضرِ خدمت ہوا۔ تو آپ نے اُسے مایوس لوٹا دیا۔ اور تیسری مرتبہ جب وہ آیا تو فرمایا "سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو کون چیز روک رہی ہے؟ ایک دن خطبے میں ارشاد فرمایا "کہ میری داڑھی اور سر کے بال ضرور خون سے رنگین ہوں گے ــــ جانے بدبخت کا ہے کا انتظار کر رہا ہے؟"۔

لوگوں نے عرض کیا "امیرالمؤمنین ہمیں اپنے قاتل کا نام بتلائیے۔ ہم اُس کا فیصلہ کر ڈالینگے" حضرت علی رضؓ نے فرمایا! "تم ایسے آدمی کو کیوں کر قتل کروگے جس نے ابھی مجھے قتل نہیں کیا؟"

تاریخ الکامل کے مؤلف (ابنِ اثیر) کی روایت کے مطابق ایک دفعہ حضرت اشعث بن قیس نے ابن ملجم کو تلوار تیز کرتے دیکھا تو پوچھا تلوار تیز کرنے کی کیا وجہ ہے۔ یہ تو جنگ کا زمانہ نہیں! عبدالرحمٰن نے کہا "میں گاؤں کے اُونٹ ذبح کرنا چاہتا ہوں" حضرت اشعث نے اس کی نیت فاسد کو بھانپ گئے۔ امیرالمؤمنین علی مرتضیٰ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپؓ ابنِ ملجم کی جرأت و شجاعت سے واقف ہیں؟ آپ نے جواب دیا "لیکن اُس نے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے! اُس کو کیسے سزا دی جا سکتی ہے؟

ابنِ سعدؒ کی روایت کے مطابق حضرت علی رضؓ پر قاتلانہ حملہ ۱۷ رمضان المبارک پیر کے دن نمازِ فجر کے وقت ہوا۔ آپ مسجدِ نبویؐ کے مؤذن ابن السباحؓ کے ہمراہ گھر کے دروازے سے نکلے اور حسبِ معمول پکارا۔ "لوگو نماز! لوگو نماز" اور جونہی لوگوں کو جگاتے ہوئے مسجد کی طرف بڑھے، دو تلواریں فضا میں چمکیں۔ ابنِ ملجم کے معاون شبیب بن بجرہ کی تلوار تو طاق پر پڑی لیکن ابنِ ملجم کی تلوار آپ کی پیشانی پر لگی اور دماغ تک اتر گئی۔

زخم کھاتے ہی امیرالمؤمنین رضؓ نے آواز دی۔ رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ ساتھ ہی آپ پکارے کہ "قاتل جانے نہ پائے"

لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ شبیب بن بجرہ نکل بھاگا۔ عبدالرحمٰن نے بھی فرار کی راہ اختیار کرنا چاہی لیکن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب نے اُس پر بھاری کپڑا ڈال کر اُسے زمین پر دے مارا۔ اسی بھاگ دوڑ میں اُس ظالم نے تیرہ دوسرے نمازیوں کو اپنے خنجر سے زخمی کر دیا تھا۔

امیرالمؤمنین حضرت علی رضؓ کو گھر پہنچایا گیا اور قاتل کو سامنے پیش کیا گیا، تو آپ نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے دشمنِ خدا! کیا میں نے تجھ پر چند در چند احسانات نہ کئے تھے؟"

اُس نے کہا۔ ہاں!

اتنے میں امیرالمؤمنین کی صاحبزادی اُمِ کلثوم رضؓ روتے ہوئے کہنے لگی۔ "واللہ میں امید کرتی ہوں کہ امیرالمؤمنین کا بال بیکا نہ ہوگا۔"

ابنِ ملجم کہنے لگا:

"بخدا میں نے مہینہ بھر اسے (تلوار کو) زہر پلایا ہے۔ اگر اب بھی بیوفائی کرے تو خدا اُسے غارت کرے۔"

طبری لکھتا ہے کہ اسی دوران حضرت علی رضؓ غش کھا گئے۔ جب ہوش میں آئے تو جندب بن عبداللہ نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ "اگر خدانخواستہ ہم نے آپ کو کھو دیا تو کیا ہم حضرت حسن رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں؟"

آپ نے فرمایا:

"میں تمہیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ اپنی مصلحت تم خود بہتر سمجھتے ہو۔"

Marfat.com

وفات:

ابن ملجم کی تلوار زہر آلود تھی۔ یہ زہر نہایت تیزی سے امیر المؤمنین کے جسم میں سرایت کر گیا حضرت علی رضؓ نے امام حسن رضؓ و امام حسین رضؓ کو بلا کر وصیتیں کیں اور قاتل کے متعلق لوگوں کو خاص تاکید فرمائی۔ کہ معمولی طور پر قصاص لینا! آپ کے الفاظ یہ تھے:۔

"قاتل سے قصاص لیتے وقت ایک ہی ضرب لگانا۔ کیونکہ اُس نے مجھ پر ایک ہی وار کیا ہے۔ اُس کا مُثلہ (ناک، کان کاٹنا) نہ کرنا کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔" (ابن الاثیر)

تین دن موت و حیات کی کش مکش کے بعد ۲۱ رمضان المبارک۔ جمعہ کی شب، رُشد و ہدایت اور علم و فضل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

عباس محمود العقاد "علیؓ: شخصیت اور کردار" کے اختتام پر کیا خوب لکھتے ہیں:۔

"حضرت علی رضؓ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ اور مسجد میں اپنے رب سے جا ملے۔ وہ کونسی زندگی ہو گی جس کا آغاز و انجام اس سے بہتر ہو؟"

Marfat.com

حضرت علیؓ کے سیاسی کارنامے

بغاوتوں کی سرکوبی اور فتوحات:

حضرت علی رضہ مرتضیٰ کا پورا زمانہ خلافت خانہ جنگیوں میں گذرا۔ تختِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی آپ کو ایک دن کے لئے بھی اندرونی جھگڑوں اور داخلی فتنوں سے فرصت و نجات نہ مل سکی۔ اس لئے انھیں بیرونی فتوحات کی طرف توجہ دینے کا پورا موقع نہ مل سکا بایں ہمہ اُن کے زمانے میں بلاذری کے بیان کے مطابق سیستان اور کابل کے علاقوں میں مسلمانوں نے غلبہ حاصل کیا۔ اس کے علاوہ ۳۸ھ میں مسلم بحری افواج نے کوکن کے علاقے پر بھرپور حملہ کرکے نمایاں کامیابی حاصل کی۔

مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاکر سرزمینِ عجم میں جگہ جگہ بغاوتیں ہونے لگیں۔ کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہوگئے۔ بعض دوسرے علاقوں میں بھی بغاوت کے آثار نمایاں ہوئے۔ سیدنا علی رضہ نے زیاد بن ابیہ کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ تمام بغاوتوں کو فرو کریں۔ چنانچہ انھوں نے سرتوڑ کوشش کے بعد تمام باغیوں پر قابو پالیا اور امن و امان بحال کردیا۔

ایک دفعہ کچھ کوفی لوگ حضرت علی رضہ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھنے لگے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ سے پہلے خلفاء کی خلافت کے زمانے میں کروڑوں مربع میل علاقے فتح ہوئے اور آپ کی خلافت میں فتوحات نہ ہونے کے برابر ہیں؟ حضرت علی رضہ نے فرمایا جب وہ خلیفہ تھے، ہم اُن کے وزیر و مشیر تھے۔ اور جب ہم خلیفہ ہوئے تو تم جیسے لوگ ہمارے

وزیر و مشیر بنے ۔ بلاشبہ اگر حضرت علی رضؓ کو اچھے معاون مل جاتے۔ تو اُن کا دور بھی خلفائے ثلاثہ کی طرح فتوحات کے اعتبار سے یادگار و شاندار ہوتا۔

فوجی انتظامات :

⊙ حضرت علی رضؓ میدانِ جنگ کے مرد تھے۔ خود حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے :۔

لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَارُ وَلَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ ۔ "تلوار صرف علی رضؓ کی تلوار "ذوالفقار" ہے۔ اور جوانمردوں میں جوانمرد حضرت علی رضؓ ہیں"

چنانچہ آپ کی توجہ فوج کی تنظیم، اصلاح اور اضافے کی طرف خاص طور پر رہی۔ چنانچہ صفین کے معرکے میں آپ کے ہمراہ اسّی ہزار کی فوج تھی۔ گو مسلسل خانہ جنگی کی وجہ سے آپ کو فوجی نظام کو زیادہ ترقی دینے کا موقع نہ ملا۔ پھر بھی آپ نے کئی قلعے تعمیر کروائے اور فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ طبری کی روایت کے مطابق اصطخر کا قلعہ آپ ہی کے دور میں تعمیر ہوا تھا۔ مزید برآں دریائے فرات کا پُل فوجی ضروریات کے پیشِ نظر معرکہ صفین میں آپ ہی نے بنوایا تھا۔

صیغۂ مال کی اصلاح :

○ حضرت علی رضؓ نے صیغۂ مال میں چند ایسی اصلاحات کیں۔ جن سے ملکی آمدنی میں کافی اضافہ ہوگیا۔ اُن کے دورِ خلافت سے پہلے جنگلات سے حکومت کوئی مالی فائدہ نہ اٹھاتی تھی۔ انھوں نے ان پر محصول لگا دیا۔

کتاب الخراج میں امام ابو یوسف نے لکھا ہے کہ "صرف ایک صحرا، صحرائے بربر سے چار ہزار درہم سالانہ آمدنی ہوتی تھی" اس طرح حکومت کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوگیا۔

گورنروں کا احتساب :

○ حضرت علیؓ کو اپنے گورنروں کی اخلاقی نگرانی کا بڑا اہتمام تھا۔ وقتاً فوقتاً اُن کو رعایا کے ساتھ لطف و کرم کا سلوک کرنے، اور اُن کے درمیان عدل کرنے کی نصیحت فرماتے۔ پھر اگر اُن کے بارے میں رعایا کی طرف سے کوئی شکایت پہنچتی تو پوری پوری تحقیقات کرواتے چنانچہ ایک مرتبہ کعب بن مالک انصاری کو عراق کے حکام کی تحقیقات پر مامور فرمایا گیا اور یہ تاکید کی گئی کہ

"تم چند آدمیوں کو ساتھ لے کر عراق جاؤ ـــ اور ہر ضلع میں جا کر وہاں کے عمال کی تحقیقات کرو۔ اور اُن کی روش کا احتساب کرو[1]"

ذمیوں کے حقوق کا خیال :

○ علیؓ مرتضیٰ ذمیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے تھے اور حکام کو اُن کے ساتھ نرمی اور محبت کا سلوک کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اس سلسلہ میں مؤرخ یعقوبی نے آپ کا وہ خط نقل کیا ہے، جس میں انھوں نے اپنے گورنروں کو تاکید فرمائی :

"تم کو سختی اور نرمی دونوں سے کام لینا چاہیے۔ لیکن سختی ظلم کی حد تک نہ پہنچ جائے؛ اور نرمی کمزوری کی حد تک نہ پہنچنے پائے۔"

عجمیوں کے ساتھ آپ کا ایسا لطف و کرم تھا کہ وہ کہنے لگے :

"اس عربی خلیفہ نے تو نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی ہے۔"

---

[1] کتاب الخراج، امام ابو یوسف۔

Marfat.com

محکمۂ احتساب:

سنتے ہی ضیافت کی سہولت کے لئے باسموں پر کڑی نظر رکھتے۔ ہاں تنبیہ ضرور
سے نہ بڑھتے پائیں۔

ابن سعد نے طبقات کبیر میں لکھا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بازار کی نگرانی خود فرماتے تھے۔ نرخ خود آپ تول
خود کی دیکھ بھال خود فرماتے۔ تولے کر بازار میں پہنچ جاتے اور خرید و فروخت
کرنے والوں کو حسن معاملت اور آپ تول میں ایمانداری کی تلقین فرماتے آپ
کہا کرتے تھے لوگو! اللہ سے ڈرو۔ خرید و فروخت میں خوبی اور راستی اختیار کرو
پیمانے کو بڑا اور ترازو کو درست رکھو۔

عدل و انصاف:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں عدالت میں مسلم و غیر مسلم، خویش و بیگانے، سب برابر تھے
ایک مرتبہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاتھ لگ گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے پہچان لیا
اور شریح کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا۔ قاضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثبوت مانگا۔
مگر وہ کوئی شہادت نہ دے سکے۔ قاضی شریح نے ان کے دعویٰ کو مسترد کر دیا۔ اس منصفانہ
فیصلے کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

فیاضی و سخاوت:

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال کی ساری آمدنی مستحق افراد پر تقسیم فرما
دیتے تھے۔ بیت المال میں کچھ بچا کر نہ رکھتے اور پھر بطور شکرانہ وہاں نماز ادا فرماتے۔

Marfat.com

آپ اپنی ذات اور اپنے رشتہ داروں پر بیت المال کی معمولی چیز بھی صرف نہ ہونے دیتے تھے۔

نامور مصری مؤرخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:

"منصبِ خلافت پر سرفراز ہونے سے پہلے حضرت علی رضؓ کے قبضے میں ایک زمین تھی جس سے انھیں اچھی خاصی آمدنی ہوتی تھی۔ امیرالمومنین نے اُس کو صدقہ کر دیا۔ اور دنیا سے اس طرح رخصت ہوئے کہ چند درہم کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔"

تبلیغِ دین حضرت علیؓ کے زمانے میں:۔

اِس دَور میں ایران اور آرمینیا کے کچھ لوگ اپنے سابقہ مذاہب، مجوسیت اور عیسائیت کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت علی رضؓ نے ابوبکر صدیق رضؓ کی طرح اُن کی سرکوبی کے لئے فوج کشی کی۔ جس پر بہت سے لوگ دوبارہ اسلام کے زمرے میں داخل ہو گئے۔ اور اپنے فعلِ ارتداد پر شرمندگی ظاہر کی۔

اِس طرح اشاعتِ اسلام کے لحاظ سے حضرت علی رضؓ کا دورِ خلافت، بالکل خالی نہیں رہا، اور کچھ نہ کچھ کام ضرور ہوا۔ اگرچہ وہ بہت زیادہ نہیں۔ اگر مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگیاں نہ ہوتیں تو یقیناً اشاعتِ اسلام کے لحاظ سے حضرت علی رضؓ کا دور بھی کچھ کم شاندار اور یادگار نہ ہوتا۔

Marfat.com

خلافتِ راشدہ

خلافت کا مادہ خلف ہے۔ اور اسی سے لفظ خلیفہ بنا ہے۔ خلافت کے لغوی معنی نیابت اور قائم مقامی کے ہیں۔

قرآنِ مجید میں "استخلاف فی الارض" اور "تمکن فی الارض" کے الفاظ آئے ہیں جس سے مقصود قوموں اور ملکوں کی سلطنت ہے۔ قرآنِ حکیم اسے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت قرار دیتا ہے۔ جو ایمان اور عملِ صالح کی برکت سے مومنین کو مل سکتی ہے۔

خلافت کا مقصد دنیا میں نوعِ انسانی کی ہدایت و سعادت کے لئے اسلامی حکومت کا قیام ہے۔ جو اللہ کی عدالت کو دنیا میں نافذ کرکے ظلم و جور اور ضلالت و سرکشی کو ختم کردے۔ اور دنیا میں امن و سکون، راحت و طمانیت کا دور دورہ ہو۔

خلافتِ راشدہ یعنی اسلامی حکومت کا مثالی دور تیس برس تک قائم رہا۔ جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار جلیل القدر صحابہ رض ابوبکر و عمر، عثمان و علی، رضوان اللہ علیہم حکومت کرتے رہے۔ اس کے بعد امام حسن رض نے چند ماہ حکومت کی۔ ابوبکر رض نے ۱۱ھ میں خلافت کا منصب سنبھالا تھا۔ حضرت امام حسن رض نے ۴۱ھ میں حضرت امیر معاویہ رض کے حق میں منصبِ خلافت سے دستبرداری اختیار کرلی۔ اس کے بعد اسلامی حکومتیں قائم ہوتی رہیں، لیکن خلافت کا معیاری دور ختم ہوگیا۔

مولینا ابوالکلام آزاد اپنی تالیف "مسئلہ خلافت" میں لکھتے ہیں:

"خلافتِ راشدہ کے بعد جو سلسلہ خلافت قائم ہوا۔ خواہ وہ قریشی رہا ہو یا غیر قریشی؛ مجرد ملوکی اور بادشاہی کا سلسلہ تھا۔ اور بجز چند مستثنیٰ اوقات کے، (جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح) یہ نیابتِ نبوت کے اور تمام اجزاء سے یک قلم

Marfat.com

خالی رہا۔ منصب بٹ چکے تھے۔ قوتیں منتشر ہو چکی تھیں۔"

مولینا یعقوب الرحمٰن عثمانی کے الفاظ میں:

"یہ ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد خلافت اپنی اصلی حقیقت کے ساتھ علی منہاج النبوۃ باقی نہ رہی تھی۔ حضرت معاویہ رضؓ چونکہ خلافت اور ملوکیت کی درمیانی زنجیر ہیں۔ اس لئے آپ کے زمانے میں ایسی ملوکیت کے آثار نمایاں نہ ہوئے جن میں کسی قسم کی شائبہ نبوت نہ ہو۔ لیکن غلبہ ملوکیت کو ہونے لگا تھا۔ اور اُن کے بعد تو محض ملوکیت اور سلطنت ہی باقی رہ گئی۔"

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی:

الخلافۃ بعدی ثلاثون عاماً ثم ملك بعد ذالك۔ "میرے بعد خلافت تیس سال تک رہیگی۔ اسکے بعد ملوکیت وسلطنت برپا ہوگی۔"

مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضؓ کے بعد، خلافتِ راشدہ کی جگہ آہستہ آہستہ ملوکیت نے لے لی۔

اور بلاذری کے اندازے کے مطابق، عبدالملک بن مروان سب سے پہلے خلیفہ تھے، جنہوں نے پہلے پہل شاہی جاہ وجبروت کے تمام لوازمات اختیار کئے، جو ساسانی بادشاہوں کا طرۂ امتیاز تھے۔ مثلاً تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہونا، دائیں بائیں امراء ورؤساء کا نشستیں سنبھالنا، سفیروں۔ شاعروں۔ ادیبوں اور فقیہوں کا سامنے مؤدب ہو کر عرض داشتیں پیش کرنا وغیرہ۔ لیکن تاریخ میں خلافتِ راشدہ کا احیاء بھی ہوتا رہا ہے۔ مثلاً جلال الدین سیوطی کے الفاظ میں:

"عمر بن عبدالعزیز رحؒ کا وجود اور عہدِ حکومت، مذہبی تاریکی اور گمراہی میں ایک نیّر درخشاں تھا۔ جس سے خلافتِ راشدہ کی یاد دوبارہ تازہ ہو گئی۔"

Marfat.com

خلافت راشدہ کی امتیازی خصوصیات

خلافتِ راشدہ کے نظامِ حکومت کی چند خصوصیات درجِ ذیل ہیں:۔

۱۔ تقویٰ وجہ فضیلت:

خلافتِ راشدہ کے دورِ سعادت میں عنانِ حکومت ایسے افراد کے ہاتھ رہی۔ جو بہترین زمانہ کے اعلیٰ ترین افراد تھے۔ یہ زعمائے ملت نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کا شرف رکھتے تھے۔ بلکہ اعلیٰ سیرت و کردار کے مالک تھے۔ حضرتِ ابوبکرؓ مزاج شناسِ رسول اور محرمِ اسرارِ نبوت تھے۔ حضرت عمرؓ نہ صرف غیر معمولی دینی و سیاسی بصیرت رکھتے تھے بلکہ قرونِ اولیٰ کے پہلے فرمانروا تھے۔ جنھوں نے ریاست کو دینی مقاصد کے تابع رکھا اور ایک معیاری فلاحی ریاست قائم کر دکھائی۔

حضرتِ عثمانؓ دانائی اور خوش خلقی میں مشہور تھے اور اُن کی حیاداری کی توصیف لسانِ نبوت سے ہوئی۔ حضرت علیؓ علم و فضل، بہادری و شجاعت، فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار تھے۔ اِن چاروں خلفاء کی پاکیزہ اور بے داغ زندگیاں ہمیں یہ بتلاتی ہیں، کہ خلیفہ کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہیے؛ انھوں نے انفرادی زندگیوں میں بھی اسلام کے اصولوں کو بطریقِ احسن اپنایا اور اجتماعی زندگی میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے اصولوں کو قائم و نافذ کیا۔

۲۔ خلافت انتخابی ادارہ:

خلافتِ راشدہ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ خلافت کا ادارہ انتخابی تھا۔ چاروں خلفاء کو

Marfat.com

مدینہ کے مہاجرین و انصار نے منتخب کیا۔ اِن میں سے کوئی نہ تھا جو ذاتی تدبیر سے برسرِ اقتدار آیا ہو۔ ہوسِ اقتدار اور جاہ پرستی سے اِن خلفاء کا دامانِ خیال آلودہ نہ تھا۔ تاہم قیادت کے اَوصاف قریش میں پائے جاتے تھے۔ اس لیے چاروں خلفاء اِسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ خلافت شہنشاہی نظام کے دستور و رواج کے مطابق ورثہ میں منتقل نہ ہوئی۔

حضرت ابوبکرؓ بنو تیم سے تھے۔ حضرت عمرؓ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت عثمانؓ خاندانِ بنو اُمیہ سے تھے۔ اور حضرت علیؓ بنو ہاشم کے لئے سرمایۂ افتخار تھے ـــــ یہ چاروں خلفاء اکابر صحابہؓ ہی کی رضامندی سے منتخب ہوئے۔ اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ہر آن کوشاں رہے۔

۳۔ شریعت کی حکمرانی:

سننِ دارمی کی ایک روایت ہے کہ جب کوئی معاملہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آتا تھا تو وہ پہلے یہ دیکھتے تھے کہ اِس معاملہ میں کتاب اللہ کیا بتاتی ہے۔ اگر وہاں واضح حکم نہ ملتا تو آپ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں کیا فیصلہ کیا تھا۔

معلوم ہُوا کہ خلافتِ راشدہ میں شریعت کی فرمانروائی تھی اور خلیفہ کتاب و سنت کی روشنی میں فیصلہ کرتا تھا۔

شورائی حکومت:

خلفائے اربعہ حکومت کے انتظام اور قانون سازی میں قوم کے اہل الرائے لوگوں سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھاتے تھے۔ چنانچہ سننِ دارمی کی متذکرہ بالا روایت کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں:۔

Marfat.com

"جب حضرت ابوبکرؓ کو کتاب وسنّت میں سے رہنمائی نہ ملتی، تو وہ قوم کے سرکردہ اور نیک لوگوں کو جمع کر کے مشورہ کرتے تھے اور پھر جو بات سب کے مشورے سے قرار پاتی اُس کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے۔ یہی طرزِ عمل حضرت عمر فاروق رضؓ کا تھا۔"

مشورے کے معاملے میں اہلِ شوریٰ پوری آزادی سے رائے دیتے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مجلسِ مشاورت میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"میں نے آپ لوگوں کو جس غرض سے تکلیف دی ہے۔ وہ اِس کے سوا کچھ نہیں کہ مجھ پر آپ کے معاملات کی امانت کا جو بار ڈالا گیا ہے۔ میں اُسے اٹھانے میں آپ کے ساتھ شریک ہوں۔ میں آپ ہی کے ذمہ دار افراد میں سے ایک فرد ہوں اور آج آپ ہی لوگ ہیں جو حق کا اقرار کرنے والے ہیں۔ آپ میں سے جس کا جی چاہے مجھ سے اختلاف کرے اور جس کا جی چاہے میرے ساتھ اتّفاق کرے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش کی پیروی کرنے لگیں۔"

آپ ہی کا مقولہ ہے:

لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَشْوَرَةٍ۔ "خلافت کا نظام مشورے کے بغیر نہیں چل سکتا۔"

۴۔ خوشحالی اور فارغ البالی:

خلافتِ راشدہ کے عہدِ سعادت میں اتنا امن وسکون تھا کہ اگر کوئی عورت صنعاء سے حجاز تک کے لق ودق صحراء میں ہاتھوں پر سے سونا اُچھالتی ہوئی گذر جاتی تو اُسے اپنی عصمت و آبرو پر نہ حرف آنے کا اندیشہ ہوتا اور نہ جان ومال کے ضائع ہونے کا فکر ہوتا۔ خوشحالی و فارغ البالی کا یہ عالم تھا کہ لوگ گھروں سے صدقات لے کر نکلتے مگر کوئی ایسا شخص نہ ملتا جو اُسے قبول کر لے۔ یہ خوشحالی اور فارغ البالی سیدنا عثمان رضؓ کے زمانے میں اپنے نقطۂ عروج تک جا پہنچی۔

(سلہ کتاب الخراج: امام ابو یوسف)

Marfat.com

۵۔ فتوحات کی کثرت:

اندرونی امن وسکون کے علاوہ خلافتِ راشدہ کا دور فتوحات کے اعتبار سے یادگار رہے گا۔ اس زمانے میں مسلمان سرزمین عرب سے اُٹھے۔ عراق، ایران، شام، اُردن، مصر، اور فلسطین پر قابض ہو گئے۔ ایران و روم کی صدہا سال سے قائم شدہ عظیم الشان سلطنتوں کے پرخچے اُڑ گئے۔ اور نصف سے زائد متمدن دنیا پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ مؤرخین اس دور میں مسلمانوں کی فتوحات کی برق رفتاری پر انگشت بدنداں ہیں۔

۶۔ تعمیری کارنامے:

خلافتِ راشدہ کا دور تعمیری کارناموں اور ملکی اصلاحات کے اعتبار سے بے مثل ہے۔ اس دور میں رفاہِ عامہ کے کاموں کی طرف خلفائے اربعہ نے خصوصی توجہ دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفاء بیت المال کو قوم کی مقدس امانت سمجھتے تھے۔ مقررہ تنخواہ سے ایک دام بھی زائد نہ لیتے تھے۔ (بلکہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے تو اپنی تنخواہیں بھی وصال سے پہلے بیت المال میں لوٹا دیں)۔

صرف حضرت عمرؓ کے عہد پر نظر ڈال لیجئے! اس دور میں پہلی مرتبہ مردم شماری کروائی گئی نہریں، سڑکیں، چوکیاں، سرائیں، مسجدیں، چھاؤنیاں کثرت سے بنوائی گئیں۔ تاریخ عرب میں پہلی مرتبہ حفاظتی پولیس کا انتظام کیا گیا۔ مسجدوں میں تنخواہ دار معلم و مؤذن مقرر ہوئے۔ تعلیم و تربیت کا وسیع پیمانے پر اہتمام ہوا۔ اِن تعمیری کاموں اور اصلاحی کارناموں کو دیکھ کر انسانی عقل دنگ ہے کہ اس دور میں جب مسلمانوں کی تمام تر توجہ تبلیغ اسلام اور جہاد کی طرف مبذول تھی۔ کیونکر خلفائے راشدین نے ایسے بڑے بڑے تمدنی ادارے قائم کئے اور رفاہِ عامہ کے یادگار کام انجام دیئے؟۔

Marfat.com

۷۔ عصبیتوں سے پاک حکومتیں:

مفکرِ اسلام مولینا ابوالاعلیٰ مودودی کے الفاظ میں:

"جب حضرت ابوبکرؓ اور اُن کے بعد حضرت عمرؓ نے بے لاگ اور غیر متعصبانہ طریقے سے نہ صرف تمام عرب قبائل بلکہ غیر عرب نو مسلموں کے ساتھ بھی منصفانہ برتاؤ کیا۔ اور خود اپنے خاندان اور قبیلے کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے سے قطعی مجتنب رہے تو ساری عصبیتیں دب گئیں۔ اور مسلمانوں میں وہ بین الاقوامی روح اُبھر آئی جسکا اسلام تقاضا کرتا تھا۔"

تاہم حضرت عثمانؓ کی حکومت کے آخری چھ سال میں اور حضرت علیؓ کے زمانے میں اموی اور ہاشمی عصبیتوں نے دوبارہ سر اٹھایا۔ لیکن اسلامی اخوت، اور دینی جذبے نے اپنا اثر دکھایا اور اُمت مسلمہ کی کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچ گئی یہاں اس امر کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضہ دونوں اپنے قبیلے کی عصبیت سے بالکل پاک تھے۔ اور اکابر صحابہ رضہ (مہاجرین و انصار) بھی اِس فتنے سے محفوظ تھے۔ لیکن عوام میں یہ عصبیت موجود تھی۔ اور وہ گاہے گاہے ظاہر ہوتی رہی۔ لیکن اسلامی اخوت کے جذبے پر حاوی نہ ہو سکی۔

۸۔ ذمیوں سے حسن سلوک:

خلافتِ راشدہ کے عہدِ زرّین میں خلفائے اسلام نے غیر مسلم رعایا سے بڑی رواداری، اور فراخ دلی کا سلوک کیا۔ ذمیوں کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کا ذمہ اسلامی حکومت نے اپنے سر لے رکھا تھا۔ اور انھیں عقیدے، عبادت اور رسوم کی ادائیگی کی بھی آزادی

Marfat.com

دے رکھی تھی۔ جس کے عوض ذمیوں سے ایک معمولی ٹیکس لیا جاتا تھا۔ جسے جزیہ کہتے ہیں جزیہ کی مقدار صرف ایک دینار سے چار دینار تک (سالانہ) تھی۔ اگر ذمیوں کا کوئی گروہ فوجی خدمات انجام دینے میں مسلمانوں کا ہاتھ بٹاتا تو اُسے جزیہ معاف کر دیا جاتا۔

ذمیوں کے ساتھ منصفانہ اور عادلانہ سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطنت کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔ اور بہت بڑی تعداد میں ذمی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

خلافتِ راشدہ مفکّرینِ اسلام کی نظر میں

○ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رح کا مسلک ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الناس حضرت ابو بکر صدیق رض ہیں پھر حضرت عمر بن الخطاب رض، پھر حضرت عثمان بن عفان رض، پھر حضرت علی بن ابی طالب رض یہ سب حق پر تھے اور حق کے ساتھ رہے۔"

(شرح فقہ اکبر:۔ مُلا علی قاری)۔

○ عقیدۂ طحاویہ میں اس قول کی شرح ہے[1]:

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق کو تمام اُمت پر افضل قرار دیتے ہیں۔ سب سے پہلے خلافت اُن کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ پھر حضرت عمر بن الخطاب رض کے لئے، پھر حضرت عثمان رض کے لئے، پھر حضرت علی رض بن ابی طالب کے لئے۔ اور یہ خلفاء راشدین، ائمہ، مہدیین ہیں[2]۔"

(شرح عقیدۂ طحاویہ: ابن ابی العز الحنفی)

---

[1]، [2]: بحوالہ خلافت و ملوکیت۔ السیّد ابو الاعلیٰ مودودی

Marfat.com

○ چوتھی صدی ہجری کے بلند پایہ عالم ابوبکر جصاص نے "احکام القرآن" میں خلفائے راشدین کے بارے میں لکھا ہے:

"خدا سے براہِ راست الہام کی قوت سے فیض یاب ہونے والے نمائندوں (انبیاء و رسل) کے بعد، خلفائے راشدین، امامت و حکومت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔"

○ علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں:

"رشد ایسی کامل رہنمائی ہے جو دین ہی نہیں۔ دُنیا کے معاملات سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ یعنی وہ رہنمائی جو قوانینِ الٰہیہ کے عین مطابق ہو۔"

○ علی ابن علی طقطقی "کتاب الفخری" میں فرماتے ہیں:

"یہ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ حکومت دنیاوی طرز پر نہ تھی۔ اور یہ نبوی اُمور اور اُخروی احوال سے زیادہ مشابہ تھی۔ حق یہ ہے کہ اس حکومت کا انداز انبیاء اور اولیاء کے طریق پر تھا۔ البتہ فتوحات بڑے بڑے فرمانرواؤں کی سی تھیں۔"

○ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رقمطراز ہیں کہ:

"خلفائے راشدین کی حکومت، دین کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ قرآنِ مجید کے احکام مُجمل ہیں۔ اُن کی تشریح خلافتِ راشدہ کے دَور کے واقعات سے ہوتی ہے۔ پہلی صدی کے اصحابِ نبوت نے اور اسلامی جماعت کے ارکان نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا پاکر خلافتِ راشدہ کے ہر دور کو تسلیم کیا۔ اور کسی نے اُس طرزِ حکومت کے خلاف جدوجہد نہیں کی۔"

○ مولینا عامد الانصاری اپنی کتاب "اسلامی نظامِ حکومت" میں لکھتے ہیں:

"جہاں بہتر سے بہتر طرزِ حکومت کی مُجملہ خوبیاں (خواہ اخلاقی ہوں، یا عمرانی، سیاسی ہوں یا تمدنی، قانونی ہوں یا اقتصادی) پائی جائیں۔ اور حکومتوں کے قلب اور قالب میں

Marfat.com

جو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں سب اس کے دائرۂ عمل سے خارج ہوں۔ ایسے طرزِ حکومت کا نام حکومتِ راشدہ ہے۔ جب اس مثالی اور اصولی حکومت میں پیغمبر اعظم کی نیابت اور نمائندگی کی صورت پیدا ہو جائے، تو وہ خلافتِ راشدہ بن جاتی ہے۔"

○ شیخ الہند محمود الحسن نے (قرآنِ عظیم کے حاشیے میں) خلافتِ راشدہ کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے:

"جب اسلامی حکومت کا مکمل سے مکمل، اور اعلیٰ سے اعلیٰ ظہور ہو۔ تو وہ خلافتِ راشدہ ہے۔"

○ دائرۃ المعارف اسلام میں خلافتِ راشدہ کی یہ خصوصیت مذکور ہے کہ:

"خلافتِ راشدہ مذہبی نصب العین کے ساتھ، سیاسی حالات کو ہم آہنگ کرنے کی کامیاب ترین کوشش کا نام ہے۔"

○ مولینا ابوالاعلیٰ مودودی "خلافت و ملوکیت" میں اس طرزِ حکومت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"خلافتِ راشدہ ... محض ایک سیاسی حکومت نہ تھی۔ بلکہ نبوت کی مکمل نیابت تھی۔ یعنی اس کا کام صرف اتنا ہی نہ تھا کہ ملک کا نظم و نسق چلائے۔ امن قائم کرے۔ اور سرحدوں کی حفاظت کرتی رہے۔ بلکہ وہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں معلم، مربی اور مرشد کے وہ تمام فرائض انجام دیتی تھی۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ طیبہ میں انجام دیا کرتے تھے۔ اور اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ دارالاسلام میں دینِ حق کے پورے نظام کو اس کی اصلی شکل و روح کے ساتھ چلائے اور دنیا میں مسلمانوں کی پوری اجتماعی طاقت کو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی خدمت پر لگا دے۔"

○ خلفائے راشدین کے کارناموں پر بحث کرتے ہوئے عمر ابوالنصر "سید العرب" میں لکھتے ہیں:

"یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اور معاونین ہی تھے۔ جنھوں نے قلیل عرصے میں اپنی فتوحات کا دامن مشرق، مغرب تک وسیع کر دیا اور صرف فتوحات ہی حاصل

Marfat.com

کرنے پر اکتفاء نہیں کیا۔ بلکہ مفتوحہ علاقوں کو آزادی، عدل وانصاف، اخلاق، اسلام، اور قرآن کی پاکیزہ تعلیمات اور اقدار سے روشناس کروا کے وہاں ایک عظیم الشان تمدنی انقلاب بپا کر دیا۔"

○ "خلفائے راشدین" میں حاجی معین الدین صاحب نے خلافتِ راشدہ کے حقائق و خصائص پر روشنی ڈالتے ہوئے صحیحین کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں انبیاء اور پیغمبر سیاست کا کام کرتے تھے۔ ایک پیغمبر فوت ہو جاتا تھا تو دوسرا پیغمبر مبعوث ہو جاتا تھا۔ لیکن پیغمبری اب ختم ہو گئی۔ تم میں خلفاء ہوں گے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت، پیغمبری کی نیابت اور قائم مقامی ہے۔ اور نبوت کے بعد اسلام میں یہ سب سے بڑا درجہ اور رتبہ ہے۔ اسی لئے اُن امور میں جن کی نسبت پیغمبر کی وحی اور فیصلہ موجود نہ ہو، خلیفہ، اسلام کا حکم اور فیصلہ واجب الاطاعت ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"میرے بعد ہدایت یافتہ جانشینوں کی پیروی کرو۔"

اسلام میں خلافت کے فرائض اس قدر وسیع اور عالمگیر ہیں۔ کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کی تکمیل اس کے تحت آجاتی ہے۔ لیکن ان کی اجمالی تشریح، صرف ایک فقرہ میں کی جا سکتی ہے۔ یعنی پیغمبر کے کاموں کو قائم اور باقی، اور ہر خارجی آمیزش سے پاک وصاف رکھنا، اور اُن کو ترقی دینا! یہ فقرہ ایک لفظ میں بھی سما سکتا ہے:

یعنی "اقامتِ دین"!

"سیرتِ عثمان بن عفان رضؓ میں پروفیسر رفیق بک فرماتے ہیں:

"صدرِ اوّل کی تاریخ اور صحابہ رضؓ کے تمام واقعات قوم کے سینوں میں ایک

Marfat.com

دائرو سائر حیات اور اُن بلند مقاصد کی نشان دہی کرتے ہیں۔ جو اُن حضرات کی شاندار تاریخ میں ہونے چاہییں۔ ہمارا پختہ یقین ہے کہ خلفائے راشدین کی تاریخ میں جو زرین دور ملتا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے تاریخ اقوامِ عالم تک کہیں بھی اس کا نام و نشان موجود نہیں۔ صحابہ رضؓ کے واقعات میں اُن حوادث کی کڑیوں کا سراغ ملنا، جن میں حُریت اور حق کی جستجو کے اغراض پنہاں تھے۔ ایک ایسا نادر الوجود واقعہ ہے۔ جو دُنیا کی کسی بھی قوم میں نہیں ملتا کہ جو ابتدائی مراحل سے گذر رہی ہو۔ اور جس کی سلطنت کی بنیادیں بالکل جدید ہوں۔"

○ علامہ اقبال اپنے فاضلانہ مقالے خلافت اسلامیہ میں رقم طراز ہیں:

تلاوت آیات، تزکیۂ نفس، تعلیمِ کتاب و حکمت اِن تینوں ذمہ داریوں کو نبھانے میں خلفائے راشدین، وجود نبوت کے نائب یا قائم مقام تھے۔

خلافتِ خاصہ میں خلفاء راشدین کا وجود ساری نظری اور عملی قوتوں کا جامع ہے۔ وہ صاحبِ امامت و خلافت بھی تھے، صاحب اجتہاد و قضا بھی تھے۔ اور سیاست و ریاست کے چلانے والے بھی تھے۔ (علامہ اقبال)

○ "مقالاتِ سیرت" میں محمد ادریس کاندھلوی خلافتِ راشدہ کی حقیقت پر یوں بحث کرتے ہیں:

"خلفائے راشدین کی حکومت اُن کی کرامت تھی۔ جو اُن کی ولایت کاملہ کی دلیل تھی۔ اس لیے کہ بلا مادی اور ظاہری سامان کے بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کرنا بلا شبہ کرامت ہے۔ نبوت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ مگر ولایت و بادشاہت حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چلی۔ خلفائے راشدین آپ کے بعد ولایت اور سلطنت دونوں کے وارث ہوئے۔ اور ولایت کاملہ اور سلطنت عادلہ کے جمع ہونے کا نام خلافت راشدہ ہے۔"

Marfat.com

خلافتِ راشدہ غیر مسلموں کی نظر میں

بعض مغربی مفکرین نے خلفائے راشدین اور ان کے طرزِ حکومت کو شاندار خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ان کی چند آراء یہ ہیں!

○ تاریخِ ملتِ عربی میں فلپ حتی لکھتے ہیں:

"یہ وہ زمانہ تھا کہ پیغمبرؐ کی حیاتِ طیبہ کے چراغ کی روشنی مدھم نہ ہوئی تھی، اور خلفاء کے افکار و اعمال پر اس کا گہرا اثر تھا۔"

○ ڈاکٹر موسیو لیبان خلفائے راشدین کے سادہ و پاکیزہ طرزِ زندگی کا "تمدنِ عرب" میں یوں نقشہ کھینچتا ہے:

"خلفائے راشدین، یہ سب حضرات، حضرت رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے۔ ان میں پیغمبرِ خداؐ کی جفاکشی کی زندگی، اور سادہ عادات موجود تھیں۔ اور کسی قسم کی شانِ حکومت نہ تھی۔"

یہی فاضل مصنف آگے چل کر لکھتا ہے:

"دورِ اوّل کے خلفاء اپنی بے مثل سیاسی ذکاوت سے اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ کسی قوم کے آداب اور اطوار اور مذہب، کبھی بھی دوسروں سے زبردستی نہیں منوائے جا سکتے۔ اس لئے جب وہ شام اور مصر اور ایران میں داخل ہوئے۔ تو یہاں کے باشندوں سے بڑی نرمی کا برتاؤ کیا۔"

○ اطالوی مصنف لارڈ کاونٹ ہنری نے اپنی کتاب "اسلام" میں بُردکلے کا بیان نقل کیا ہے:

"حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ نے اپنے ہاتھ میں سلطنت کی باگ ڈور لے کر اسے چار چاند لگا دیئے۔ اور سیاسی حکمتِ عملی کا ایک ایسا نقشہ کھینچ کر دکھایا جس نے ساری دنیا

Marfat.com

سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ یہ دونوں خلفاء مشرقی یونانی کی بازنطینی سلطنت کے جن حکمرانوں اور کمانڈروں سے برسرِ جنگ تھے۔ بلا مبالغہ اُن کے مقابلے میں زیادہ مستقل مزاج، انصاف پسند، جرّار، قانع، شریف، پُروقار، بہادر اور بلند مرتبہ تھے۔"

○ کاونٹ ہنری کی قرونِ اوّل کی اسلامی حکومت کے بارے میں اپنی رائے یہ ہے:

"ابھی سو سال نہ ہوئے تھے کہ اسلام کی حکومت سب جگہ چھا گئی۔ اور دُنیا کی کوئی طاقت اُس کو اُبھرنے، چھا جانے اور ساری کائنات تک اپنی روشنی پہنچانے میں مانع نہ ہو سکی۔"

○ جرجی زیدان "تاریخ تمدنِ اسلام (جلد دوم)" میں لکھتا ہے:

"خلفائے راشدین کا زمانہ اسلامی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ یہ مبارک زمانہ، حقیقی انصاف اور خدا ترسی کا دَور ہے۔ اس دَور میں حکومت، حق پسندی، راستبازی اور سچی غیرت مندی کے اصول پر قائم تھی۔ اُس وقت مسلمان دین میں راسخ تھے اور دُنیا کو حقیر سمجھتے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے۔ جسے مابعد کے مسلمانوں نے اپنے طرزِ عمل کا رہنما بنایا۔ اور اس کی پیروی کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھا۔"

○ جولیوکسٹلایٹ خلافتِ راشدہ کے دَور پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا دائرہ اسلام میں آنے کے لئے تیار تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی تمدن آناً فاناً برسرِ عروج ہُوا۔ دسویں صدی سے چودھویں صدی تک تو ایسا زمانہ گذرا ہے۔ جب یورپ میں اس تمدن کے علاوہ اور کوئی قابلِ ذکر تمدن موجود نہ تھا۔"

○ واکر (WALKER) "قانونِ اقوام" نامی کتاب میں لکھتا ہے:

Marfat.com

"متمدن اور مہذب سلطنتوں پر وحشیوں کا دھاوا بول دینا، اور غالب آجانا، اور سلطنت وحکومت کا مالک بن جانا معاشرۂ انسانی کی تاریخ کا فطری واقعہ ہے۔ لیکن جرمنوں، تاتاریوں جیسے وحشیوں کے برخلاف "عرب کے بدو، اپنے صحرائی بزِ اعظم سے باہر اُمنڈ آئے۔ تو ان عربی فتوحات کو کسی وحشی قوم کی فتوحات سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ ان بدوؤں، میں پہلے ہی دن سے اپنے مفتوحین سے کہیں بڑھ کر تہذیب، اور اخلاقِ حسنہ کے اوصاف نظر آتے ہیں۔"

"جدید دنیائے اسلام" میں ڈاکٹر لوتھرایپ اسٹاڈرو نے نپولین کا یہ تعجب آمیز جملہ نقل کیا ہے:

"کہ کیونکر مسلمانوں نے نصف صدی میں نصف دنیا کو فتح کر ڈالا؟"

اور موسیو رینان نے "نپولین کی تاریخی یادداشتوں" سے یہ ثابت کیا ہے کہ نپولین انسانی بہتری کے لئے یہ ضروری سمجھتا تھا۔ کہ قرآنِ عظیم کی سیاست پر نظامِ حکومت کی بنیاد رکھی جائے۔"

یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ نپولین نے اپنے ایک مکتوب میں یہ پختہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ:

"میں مختلف بلاد وامصار کے سب عقلاء اور تہذیب یافتہ انسانوں کو جمع کروں گا، اور ایک ایسا دستورِ حکومت مرتب کروں گا، جو قرآنِ حکیم کے اصول واحکام پر مبنی ہوگا۔ اور تمام بنی نوع انسان کی سعادت کا کفیل ہوگا۔"

"ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ" میں لکھا ہے:

"شروع سے لے کر اب تک بلادِ اسلامیہ شخصی اور جابر حکومتوں کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین کی حکومت بالکل جمہوری طریقوں سے کام کرتی تھی۔

ارکانِ اسلام: مولینا عبدالحمید خان الارشد۔

Marfat.com

Marfat.com

غیر فانی تہذیب

مؤلفہ

پروفیسر سعید اختر

ناقدین کی نظر میں

ڈوگرسنز، اردو بازار

لاہور

Marfat.com

مشعلِ راہ

فاضل مصنف پروفیسر سعید اختر صاحب کی کتاب "غیر فانی تہذیب" ان کی طویل صحافتی و تدریسی زندگی کے تجربات و معلومات کا ماحصل ہے۔ کتاب میں جگہ جگہ آیات قرآنی، احادیثِ نبویؐ، اقوال بزرگانِ دین اور حکیمانہ اشعار کے برمحل استعمال سے اس کتاب کی افادیت کو چار چاند لگ گئے ہیں، کتاب کی ترتیب و تدوین سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فاضل مصنف نے اسے کئی برس کی مسلسل دیدہ ریزی، جگر کاوی اور عرق ریزی سے تکمیل کی منزل تک پہنچایا ہے۔

انداز بیان میں سلاست اور زبان کی خوبی نمایاں ہیں۔ پوری کتاب پڑھ لینے کے بعد قاری کے ذہن پر جو تاثر واضح ہو کر ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ اُسے عشقِ رسول اور حبِ خلفائے راشدین کے جذبے میں ڈوب کر لکھا گیا ہے۔ الغرض فاضل مصنف کی یہ ذہنی و علمی کاوش ہر شعبۂ زندگی کے تمام افراد کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتی ہے۔

میاں احسان الحق، شعبۂ علوم اسلامیہ،
گورنمنٹ کالج لائل پور

نادر تصنیف

کتاب "غیر فانی تہذیب" ہر لحاظ سے جامع اور ضرورت کے مطابق ہے یہ ایک انمول اور نادر تصنیف ہے۔ فاضل مؤلف نے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کے ساتھ زرّیں اقوال کو درج کر کے یقیناً بہت بڑی خدمت کی ہے۔

محمد عباس (ایم۔ اے اسلامیات)
(ایم۔ اے معاشیات)
گورنمنٹ کالج لائل پور

قابلِ قدر خدمت

یہ اس عظیم تہذیب کی دلچسپ داستان ہے۔ جس نے عربوں کو بالخصوص اور اقوامِ عالم کو بالعموم اپنی لازوال برکتوں سے مالا مال کیا۔ یہ روداد ہے اُس رفیع الشان تہذیب کی، جس سے خوشہ چینی کر کے یورپ کی اقوام علمی ترقی کی نئی نئی راہوں پر چلنے کے قابل ہوئیں۔ کتاب کا دلفریب نام اور متنوع مواد، فاضل مصنف کی ذہنی اُپج اور تحقیقی ذوق کا پتہ دیتے ہیں۔ اسی طرح طرزِ بیان کی متانت اور دلائل کا سلجھاؤ اُن کے شُستہ ادبی مذاق اور علمی مزاج کی نمایاں علامتیں ہیں۔ یہ کتاب لکھ کر فاضل مصنف نے اسلامی تہذیب و تمدن کی قابلِ قدر خدمت انجام دی ہے۔

حبیب اللہ حسینی
صدر شعبۂ اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج راولپنڈی

وسیع مطالعہ کے ثمرات

جناب پروفیسر سعید اختر صاحب نے طلبہ انٹرمیڈیٹ اسلامیات کے لیے "غیر فانی تعذیب" کی تالیف سے نہ صرف اپنے کئی سالہ غور و خوض اور گہرے وسیع مطالعہ کے ثمرات کو ہی سپردِ قلم کیا ہے بلکہ یہ کہنا نہایت مناسب معلوم ہوگا کہ آپ نے ایک ایسا اچھوتا اسلوب اپنایا ہے جو اس سے پیشتر اختیار نہیں کیا گیا تھا۔ فاضل مصنف نے عام عنوانات کو نہایت پیارے انداز میں قرآنِ حکیم اور احادیثِ مقدسہ کے علاوہ محققین اسلام اور مفکرین اسلام کی آراء کی روشنی میں لکھ کر اپنی تالیف کو ایک حسنِ معنوی سے نکھار دیا ہے۔ انہوں نے سلیبس کی تمام پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت خوبی سے چند ایسے ذیلی عنوانات کا اضافہ بھی کیا ہے جن پر سابقہ درسی کتابوں میں کم توجہ دی گئی تھی۔

Marfat.com

یہ تالیف نہ صرف طلبہ کی ضروریات ہی پورا کرتی ہے بلکہ عام قارئین کے استفادہ کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔ میری دُعا ہے کہ باری تعالیٰ جل شانہٗ فاضل مؤلف کی اس سعیٔ جمیل کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

ملک محمد اقبال پروفیسر اسلامیات
گورنمنٹ ڈگری کالج راولپنڈی

مذہب کی سائینٹفک تعبیر:۔

میں کافی عرصہ سے منتظر تھی کہ ایف اے اسلامیات کے طلباء کے لیے کوئی دلچسپ اور اسل کتاب ملے جس میں اسلامی تعلیمات کو نئے با الفاظ دیگر جدید ترین انداز سے پیش کیا گیا ہو ایسا نیا پن ؟ کہ معلم اور متعلم دونوں کو دقیق مباحث اور خشک طرزِ بیان سے واسطہ نہ پڑے "غیر فانی تہذیب" کو دیکھ کر میری دلی مُراد بر آئی۔ اسے محض اتفاق کہیے کہ میری کچھ ہم پیشہ بہنوں نے کالج میں جب یہ کتاب میرے ہاتھ میں دیکھی تو پوچھا غیر فانی تہذیب کونسی ہے ؟ میں نے بے ساختہ جواب دیا اسلامی تہذیب ! اس پر میری ان بہنوں نے کتاب کے ٹائیٹل کو بڑا سراہا۔ رہا میرا اپنا خیال، تو مجھے اس گراں قدر تالیف کے اسلوبِ نگارش کی دلکشی نے سب سے پہلے اپنی طرف متوجہ کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں مذہب کو سائینٹفک اور عقلی انداز میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس معیار پر پروفیسر سعید اختر صاحب کی تصنیف پوری اترتی ہے جس سے دوسرے لکھنے والے اصحاب بھی اپنا راستہ تلاش کر سکتے ہیں، اسلامی تاریخ کے حصے کو فاضل مؤلف نے خاصا دلچسپ بنا دیا ہے تاہم پہلے حصے میں چند ابواب ضرورت سے زیادہ مختصر ہیں طالب علم تو پہلے ہی مختصر سرمایۂ علم کو ازبر کرنے کے حق میں ہوتا ہے لیکن امتحانی نقطۂ نظر سے اُس کے سامنے کوئی جامع تر چیز رکھنا چاہیے [illegible] پر "غیر فانی تہذیب" ایک معیاری تالیف ہے جس میں اسلامی تہذیب کی ترجمانی کی کوشش کی گئی ہے

محترمہ شمشاد [illegible]

Marfat.com

لاجواب کتاب

آپ کی تصنیف کردہ کتاب "غیر فانی تہذیب" نظر سے گذری ۔ حقیقتاً لاجواب کتاب ہے ۔ جدید اسلوب تحریر مذکورہ کتاب کی منہ بولتی تصویر ہے ۔ میں نے اسے طلباء کے لیے نہایت مفید پایا ہے ۔ بزرگوں کے لیے بھی ایک نایاب تحفہ ہے ۔" اس کتاب کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کے دل میں اسلام کا درد ہے ۔ معلومات کا اچھا ماخذ ہے آپ کی یہ کوشش قابلِ تعریف ہے ۔ خداوند کریم اسے شرفِ قبولیت بخشے ۔ آمین ۔

احمد دین شیخ لیکچرار اسلامیات
(گورنمنٹ ڈگری کالج گوجر خان)

بہترین کتاب

جناب پروفیسر سعید اختر صاحب کی کتاب "غیر فانی تہذیب" کے بارہ میں میری حقیر رائے یہ ہے کہ اس موضوع پر جتنی بھی کتابیں میرے نظر سے گذری ہیں، یہ ان میں سے "بہترین کتاب" ہے ۔

یہ کتاب اگرچہ انٹرمیڈیٹ کے نصاب کے مطابق لکھی گئی ہے مگر اس کی خوبی یہ ہے کہ طلبہ و اساتذہ کے علاوہ یہ عام قارئین کے لیے بھی بے حد مفید ہے ۔

اسلامی تہذیب کی خوبیوں اور صداقتوں کو علمی انداز میں جس خوش اسلوبی کے ساتھ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے ۔ اس کے پیش نظر مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب ہر فکر اور ہر علمی سطح کے افراد کو پسند آئے گی ۔

پروفیسر افتخار احمد چشتی صدر شعبہ علوم اسلامیہ
گورنمنٹ کالج لائل پور

Marfat.com

اسلام سے لگاؤ کی دلیل

پروفیسر سعید اختر صاحب نے جس جانفشانی، خلوص اور عقیدت سے "غیر فانی تہذیب" لکھی ہے ایسی عالمانہ و محققانہ بصیرت پر مبنی کوشش مجھے کہیں اور نظر نہیں آئی۔ کتاب کا نام ہی جناب مؤلف کی اسلام سے والہانہ قلبی و ذہنی لگاؤ کی نہایت واضح دلیل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ طلبہ اور اساتذہ یکساں طور پر اس کتاب سے نصابی ضرورت پوری کر سکیں گے۔

پروفیسر ممتاز قریشی
گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج جہلم

منفرد کارنامہ

آپ کی قابل قدر تصنیف "غیر فانی تہذیب" نظروں سے گذری۔ میں نے اسے ہر اعتبار سے طلبہ و طالبات کے لیے مفید پایا۔ عمدہ مواد، دلچسپ انداز بیان، اختصار و جامعیت اس کتاب کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ غیر فانی تہذیب اس لحاظ سے منفرد کارنامے کی حیثیت رکھتی ہے۔ کہ اس میں پہلی بار اسلامی تہذیب کے مباحث کو آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبویؐ اور اقوالِ صحابہؓ کی روشنی میں بڑے سلیقے اور قرینے سے پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

محترمہ اقبال بانو معلمۂ اسلامیات
(جنرل انٹر گرلز کالج لالہ موسیٰ)

ذخیرہ محمد فاضل بھٹی لاہور

Marfat.com

شمعِ ہدایت

زیرِ نظر کتاب میں اسلامی تہذیب کے درخشاں نقوش بڑے واضح انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ تہذیب و تمدن کی اصطلاحات کی تعریفوں میں اُلجھے بغیر انہوں نے اسلامی تہذیب کے داخلی خارجی اور تاریخی تینوں پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ توقع ہے کہ پروفیسر صاحب کی اس ایمان افروز اور خیال انگیز تالیف کے مطالعے سے ہماری نئی پود مغربی تہذیب کے طلسم سے آزاد ہو کر اسلامی تہذیب کو پورے اعتماد اور ایقان کے ساتھ قبول کرے گی۔ اور یہ تالیف ان کے لیے شمعِ ہدایت کا کام دے گی۔

پروفیسر محمد شریف
(گورنمنٹ زمیندار کالج گجرات)

غیر فانی مجموعہ

کتاب "غیر فانی تہذیب" جو کہ پروفیسر سعید اختر صاحب کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے، میری نظروں سے گذری۔ اس کتاب کی ترتیب، تبویب اور تسوید نہایت عمدہ اور قابلِ قدر ہے۔ اگرچہ یہ کتاب ایف اے کے طلباء و طالبات کی راہ نمائی کے لیے مقررہ نصاب اسلامیات کو مدِنظر رکھ کر لکھی گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی موضوعات اور تاریخِ اسلام پر "غیر فانی تہذیب" ایک غیر فانی مجموعہ ہے۔ جس سے طالب علم اور غیر طالب علم دونوں یکساں استفادہ کر سکتے ہیں

قاری محمد طاہر
گورنمنٹ کالج جھنگ

منفرد کتاب

آپ کی کتاب کا نام اچھوتا ہے۔ ترتیب انوکھی ہے علمی مواد قابلِ قدر ہے۔ دلائل بڑے محکم اور عنوانات بڑے جاذبِ نظر ہیں۔ ندرتِ خیال کے پہلو بہ پہلو اسلوبِ تحریر دلآویز و دل نشین ہے۔ بلاشبہ نصابی کتابوں میں یہ کتاب منفرد مقام رکھتی ہے۔

آفتاب احمد قریشی
گورنمنٹ کالج لالہ موسیٰ

مستند مواد ـــــ بہترین معلومات

عاکسار نے محترم شیخ سعید اختر صاحب پروفیسر علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج لاہور کی کتاب "غیر فانی تہذیب" کا مطالعہ کیا ہے۔ جو انہوں نے کالج کے ایف اے کے طلباء کے لیے پیش کی ہے۔ میں اپنے پندرہ سالہ تدریسی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اس سے بہتر اور مفید کتاب اس وقت مارکیٹ میں موجود نہیں ہے۔

پروفیسر صاحب کی کتاب نصاب کے تمام عنوانات پر بہترین اور مستند مواد کی حامل ہے۔ میری ذاتی رائے ہے کہ اسلامیات کے طلبہ کی تمام نصابی ضروریات اس کتاب سے پوری ہو جاتی ہیں۔ امید ہے کہ جماعت طلبہ ان کے مطالعہ سے علوم اسلامیہ پر حاوی ہو سکیں گے۔

حافظ محمد اسماعیل پروفیسر
گورنمنٹ ڈگری کالج گوجرانوالہ

Marfat.com